قرآن میں بین الاقوامی تعلقات

تالیف

ڈاکٹرامیری ☆ زہراامیری

ترجمہ

خان محمد صادق

تقدیم

م۔ر۔عابد

تصحیح

مولاناسید مصطفیٰ حسین نقوی اسیف جائسی

ناشر

نورهدایت فاؤنڈیشن

حسینیۂ حضرت غفران مآب، چوک، لکھنو۔۳(ہندوستان)

فہرست مضامین

عنوان **صفحہ**

پیش لفظ

کائنات کے سب سے زیادہ دانا اور توانا مربی کے سامنے سر تعظیم خم کرتے ہیں، جس نے ہمیں ''قرآن میں بین الاقوامی تعلقات'' نامی کتاب کو لکھنے کی توفیق عنایت فرمائی، تاکہ قرآن پر تحقیق و تفحص کا جذبہ ہمارے اندر فروزاں ہو سکے۔

محترم اساتذہ جناب ڈاکٹر پیرایندہ (معلم قرآن و اخلاق)، خانم جلالی اور خانم صادقی، کلاس قرآن کے دوست خاص کر معلم اخلاق، حاج آقا جہان خواہ، اور نکتہ سنج طالب علموں کا بہت بہت شکریہ، جنھوں نے اپنے قیمتی نکتے اور نظریات سے نواز کر، اس کتاب میں تکمیلی اصلاحات اور تبدیلی میں ہماری مدد کی۔ نیز جناب انجینیر راہی اور پروفیسر اختر مہدی کا شکریہ جنھوں نے بہت ساری زحمتیں برداشت کیں۔ اسی طرح ہم اپنے اہل خانہ کے ایک ایک فرد کا، شکریہ ادا کرتے ہیں خاص کر والد محترم الحاج پنجعلی امیری، جنھوں نے حق پدری کو اچھی طرح نبھایا۔ سرکار خانم مصطفوی بھی قابل قدر ہیں جنھوں نے اس کتاب کی کمپوزنگ میں مدد کی۔ نیز جناب آقای ابراہیم کاتبی خاص شکریہ ادا کرنا چاہئے جنھوں نے فتوت (Chivalry) کو ہمارے سامنے مجسم کر دیا۔

لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ اس کتاب کی تالیف کا مقصد، بین الاقوامی نظام میں مختلف قوموں اور حکومتوں کے درمیان تعلقات پر اسلام کا اثر انداز ہونا اور اس کی اہمیت کا بیان ہے، جو کہ رافت و مہربانی، درگزر و ایثار اور انصاف و عدالت پر مبنی ہے۔ جو چیز اس کتاب میں بہت اہم ہے، وہ ایک مکمل امن پسند ربانی عوامی حکومت کی بنیاد ڈالنے کے لئے، سادہ اور صحیح قوانین کی صورتوں کی راہ دکھانا ہے، کیونکہ اسی طرح ممکن ہے کہ بشر، اچھی فکر، اچھی بات اور اچھے کردار کی تہذیب کو اپنی زندگی میں عملی کر کے، کمال و سعادت کے راستے کو مضبوط قدموں سے طے کرے۔

انشاءاللہ

عبداللہ امیری۔زہرامیرزائی

مقدمۂ مترجم

ترجمہ بھی تالیف وتصنیف کی طرح ایک فن ہے۔کسی بھی ترجمہ میں اصلی زبان کی خوبی اوردلکشی کو برقرار رکھنا جوئے شیرلانا ہے۔صرف ترجمہ اور عمدہ ترجمہ میں بہت فرق ہوتا ہے۔صرف ترجمہ جوہر پیغام کو کافی حدتک تبدیل کردیتا ہے۔لیکن عمدہ ترجمہ اسی جوہر کو کافی حدتک برقرار رکھتا ہے۔آپ مانیں یا نہ مانیں ترجمہ تالیف سے بھی زیادہ پیچیدہ عمل ہے۔کیونکہ تصنیف یا تالیف میں انسان کا ذہن آزاد رہتا ہے لیکن ترجمے میں انسان کے ذہن پر بندش ہوتی ہے۔مترجم کو کسی بھی حالت میں اصل کتاب کے مضمون سے باہر نہیں جانا ہے۔کسی بھی مترجم کی صلاحیت کی کسوٹی بس یہ ہے کہ وہ اصلی مضمون کے جوہر اور ترجمے کے جوہر میں کس قدر مشابہت پیدا کرسکتا ہے۔یہ دونوں ایک دوسرے کا عکس کبھی نہیں ہوسکتے۔مترجم کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ دونوں زبانوں پر اس کی گرفت کتنی ہے اور ساتھ ساتھ پیغام مضمون پر بھی اس کی گرفت کتنی ہے۔گرفت کا یہ امتزاج جس قدر قوی ہوگا ترجمے میں جوہر پیغام بھی اسی قدر چاق وچوبند اور چست ودرست ہوگا۔عمدہ ترجمے کے لئے دونوں زبانوں کے مخصوص مزاج،مصطلحات،مساوی معنی اوران کے روزمرہ کا ادراک نہایت اہم ہوتا ہے۔

فاضل مؤلف سے میری ملاقات پہلی بار نور ہدایت فاؤنڈیشن امامباڑہ غفران مآبؒ لکھنؤ میں ہوئی۔موصوف فارسی استاد کی حیثیت سے یہاں تشریف لائے تھے۔باتوں باتوں میں اس کتاب کا ذکر چھڑ گیا۔انھوں نے کتاب کو ترجمہ کرنے کی خواہش ظاہر کی۔مولانا اسیف جائسی صاحب مدیر ماہنامہ 'شعاع عمل' (ہندی واردو) نے اس خوش فہمی کے زیر اثر کہ میں اس کتاب کو

اردو میں منتقل کرسکتا ہوں ان سے وعدہ لے لیا اور یہ کام میرے ذمے کردیا۔

مجھے اپنی بے بضاعتی اور کم دانی کا اعتراف ہے۔ایک تو فارسی زبان پر پوری طرح سے عبور نہیں اور دوسرے کبھی سیاسیات میرا موضوع مطالعہ نہیں رہا۔بہر حال ترجمہ آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔جو کسوٹی میری صلاحیت کو پرکھے گی وہ اس کتاب کے محترم قارئین کے ہاتھ میں ہے۔وہی یہ فیصلہ کریں گے کہ میں ترجمے میں کس قدر کامیاب رہا۔میں بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں جناب مولانا سید مصطفی حسین نقوی اسیفؔ جائسی صاحب (جنہوں نے نظر ثانی کرکے تصحیح کا کام انجام دیا) اور جناب سید سفیان ندوی صاحب اور جناب سید قائم مہدی تذہیبؔ نگروری کا جن کا بھرپور تعاون مجھے حاصل رہا ساتھ ہی ادیب باکمال سید محمد رضا عابد زید پوری صاحب (م۔ر۔عابد) کا شکریہ ادا کرنا جذبۂ احسان شناسی کے تحت مجھ پر فرض ہے اس لئے کہ موصوف کا بنظر تحقیق وتصحیح ترجمہ کو لفظ بہ لفظ پڑھنا اور پھر پُرمغز مقالہ بطور تبصرہ تحریر فرمانا ترجمہ کی بلندی اور کامیابی کا بہترین ثبوت ہے۔

احقر العباد

خان محمد صادق جونپوری

بین الاقوامی تعلقات اور اسلام کی تقدیم میں ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

تعلقات کی اصلیت جاننے کے لئے بچہ کی طرف نگاہ فطرتاً مڑتی ہے۔ یہ فطرت کا وہ کورا کاغذ ہوتا ہے جس کی پہلی اور آخری عبارت ماں ہی ہوتی ہے اور جو کچھ آگے بڑھ کر باپ کو بھی شامل کر لیتی ہے۔لیکن باپ کی حیثیت کچھ دور کی، ذیلی اور حاشیہ کی ہوتی ہے۔ ماں باپ کے باہر کی دنیا بچہ کے لئے دوسری اور بیگانہ ہوتی ہے۔ پھر بھی اس اجنبی سی دنیا کے لئے بھی بچہ ہمکتا ہے۔ اس بظاہر بے شعور و بے زبان کا ہمکنا اور پھر اپنی دنیا کے باہر یعنی ماں باپ کے علاوہ بھی کسی اور کے پاس چین کی بنسی بجانا کیا ہے؟ دوسری دنیا (پردیس) کو دیکھ کر بچہ کا ہمکنا اور پھر کچھ دیر کے لئے سہی، وہاں سکون کی سانس لینا آخر کیا ہے؟ کیا یہ اس کے علاوہ بھی کچھ ہوسکتا ہے کہ دوسری دنیا سے بچہ کا رابطہ ہموار کرنا، تعلقات بنانا، بڑھانا سراسر فطری چاہ ہوتی ہے۔

'تعلقات' وہ فطری تقاضا ہے جو سماج اور عمرانیات کی بنیاد بنتا ہے۔ اسی کی زمین پر تہذیب وتمدن کا رقص ہوتا ہے، اسی سے علم ودانشوری کا کام چلتا ہے اور انسانی زندگی جھومتی ہے۔ انسان کے کسی شعبۂ حیات کا تصور نہیں کیا جاسکتا جہاں تعلقات کا عمل دخل نہ ہو، جہاں تعلقات کا کام نہ ہو، تعلقات سے کام نہ چلے، تعلقات سے کام نہ بڑھے۔ جیسے تعلقات نہ ہوئے وارائے حیات انسانی ہوں۔ (رہبانیت یا برہم چاری ڈھنگ سے 'پرم شانتی' اور سکون مطلق کی تلاش میں بے تعلقی کے بن اور دنیا تج دینے کے غار تک انسان اپنے دیرینہ تعلقات کی بدولت ہی پہنچتا ہے۔)

تعلقات بھی عجیب وغریب چیز ہے۔ اس [1] کا جادو کہاں کہاں نہیں چلتا! کتنی ہی سخت

مشکلوں کو یہ کھڑے کھڑے چٹکی بجاتے حل کر دیتا ہے۔ نہ جانے کتنی الجھنوں کو آناً فاناً ہوا کر دیتا ہے،

(۱) 'تعلقات' اپنے طور سے 'جمع' ہے لیکن یہاں عمداً بطور 'واحد' برتا گیا ہے۔ نحویین کو اعتراض ہو تو معاف فرمائیں۔

کتنی ہی گتھیوں کو پلک جھپکتے تخت بلقیس بنا دیتا ہے، تعلقات کے بل بوتے پر ہی انسان اپنی ترقی کی جھلانگ پر چھلانگیں لگاتا جاتا ہے۔

تعلقات کی اہمیت اتنی مسلم و مستحکم ہے کہ اس کا کلمہ نہ پڑھنا بہت بڑا فسق وفجور ہوجاتا ہے۔ وہ کون سا کافر ہوگا جو تعلقات کے بھجن نہ گائے، اس کی تسبیح نہ پڑھے اور منہ سے، من سے اس کی مالا نہ جپے۔ اسلام بھی نہیں چاہتا کہ کوئی نکھٹو ہوکر رہے۔ قرآن مجید بھی اپنے افتتاحی بیان کو اسی کی بات پر ختم کرتا ہے:

اھدنا الصراط المستقیم۔ صراط الذین انعمت علیھم، غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔

اس طرح قرآن تعلقات کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے، اسے صحیح راستہ پر لگانے کی بات کرتا ہے۔ اس میں صاف صاف اچھوں (وہ جو بارگاہ رب العزت میں بھلائیاں اور نعمتیں پائے ہوئے ہیں) سے تعلقات بنانے، سنوارنے اور ساتھ ہی ساتھ بروں سے تعلقات نہ رکھنے، توڑنے اور بگاڑ رکھنے کی بات ہی تو مضمر ہے۔

اگر ان مفسرین کی بات مانی جائے جو اسے صرف ایک گروہ کی ہی صفات مانتے ہیں (یعنی اس گروہ کی بات ہے جس پر خدا کی نعمتیں رہیں اور جو کبھی بھی اس کے غضب کا مستحق نہ ہوا اور نہ ہی کبھی بھی صراط مستقیم سے بھٹکنے والوں میں ہوا۔) تو قرآن کی رو سے اسی گروہ کو اپنے سارے تعلقات کا مرکز بنانا ہی سیدھا یعنی سچا راستہ ہے۔

❁

تعلقات کی اہمیت اپنی جگہ، لیکن ملکوں کے درمیان یا بین الاقوامی میدان میں آکر یہ

سب پوری طرح سیاست کی گرفت میں آجاتے ہیں۔ سراسر اعتباری یا تسلیمی حیثیت کی حامل سیاست، جو فی نفسہٖ حقیقت سے پیدل ہوتی ہے، ہر چیز کو اپنے رنگ (اعتباری) میں ڈھال کر، اپنا الّو سیدھا کرنا ہی جانتی ہے، اپنا ہوا ہوائی قلعہ بناتی ہے اور اس میں خود چین کی بنسی بجاتی ہے، چاہے ساری دنیا کا سکون ہوا ہو جائے، بلکہ دنیا کا چین اڑانا ہی اس کا نصب العین ہوتا ہے جس کے ٹیڑھے میڑھے آنگن میں ہی سیاست کی رادھا ناچتی ہے، بلکہ وہیں ناچ سکتی ہے۔ بے چینی اور بدنظمی نہ ہو، تو سیاست کو کون پوچھے گا، اور اس کو مسیحا بننے کا موقع کب ملے گا، اسے بقلم خود نجات دہندہ بننے کا موسم کب میسر ہوگا۔

اب اسے سیاست کی نوازش کہیے یا سازش، مطلقاً غیر فطری اور مصنوعی سرحدوں سے گھرے ہوئے ملک اور قوم کے درمیان تعلقات میں جو کچھ بھی فطری جوہر ہو سکتا ہے، اسے بھی یہ سیاست نکال کر بین الاقوامی تعلقات کو بھی اپنے جیسے غیر فطری و بے حقیقی اعتبار میں غرق کر دیتی ہے، اس راہ میں عالم چاہے جتنا تلملائے، فلسفی چاہے جتنا الجھے، منطقی چاہے جتنا پیچ و تاب کھائے، دانشوری چاہے جتنی اوبے، انسانیت چاہے جتنی ڈوبے، سیاسی منصوبہ تو کامیاب ہو ہی جاتا ہے، نہیں تو کامرانی کا تاریخی لیبل تو لگ ہی جاتا ہے، یعنی جو بھی صورت ہو اسی میں سیاست اپنی کامیابی کی صورت دیکھ لیتی ہے، دنیا کو دکھا دیتی ہے اور تاریخ کو لکھا دیتی ہے۔ اسے املا بولنے یعنی Dictate کرنے کی پیدائشی مشق ہوتی ہے۔ (تبھی تو ہر ناکام انقلاب بغاوت کا مجرم قرار پا کر اور رنگ نشین سیاست کی دی ہوئی سیاسی پھانسی کے تختے پر لٹکا دیا جاتا ہے، وہیں سیاسی طور پر کامیاب ہر بغاوت انقلاب بن جاتی ہے۔ اندھی چکاچوندھ کی ماری حاضر تاریخ تو اصلیت کا پتہ لگانے کی حیثیت میں نہیں ہوتی۔ ہاں یہ بعد کی تاریخ پر منحصر ہو جاتا ہے، اگر کچھ توفیق ہو تو حقیقت پسندی سے کام لے کر فیصلہ کرے، انقلاب قرار دے یا کچھ اور۔۔۔۔۔۔ ۶۱ھ کی تاریخ نے تاریخ ساز اقدام حسینی کو بھی 'بغاوت' ہی تو لکھا تھا۔ یہ تو کہیں بعد میں دنیا کی آنکھیں کھلیں، تاریخ کو بھی توابین کی صف میں لا کھڑا کیا۔ پھر وہ لکھنے پر مجبور ہوئی جو آج کی دنیا کربلا کو سمجھتی ہے۔)

بین الاقوامی تعلقات کے تعلق سے سیاست کی یہ کارستانی کوئی محدود نہیں ہوتی، ایک جگہ یا ایک وقت کی بات نہیں ہوتی بلکہ اسے آفاقی مظاہر (Universal Phenomena) میں قرار دیا جا سکتا ہے اور بے جھجک۔ یعنی بین الاقوامی تعلقات سراسر سیاسی نوعیت کے حامل رہے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ سیاست بقلم خود شاہی (آمرانہ) مصلحت اندیشی یا بین الاقوامی بساط پر اپنی حیثیت کے صحیح یا غلط ادراک یا حالات کے تعین و جبر کے تحت کچھ الگ کی رعایتوں کا لحاظ رکھے، انہیں کچھ سمجھ کر اس میدان میں داخل کرے، تو بھی اس کا آخری سرا سیاسی سمجھ سے ماورا نہیں ہوتا۔

❁

تمدن کے ابتدائی دور میں انسانی سماج نے شیرازہ بندی کے پہلے زینہ پر قدم رکھا اور انسان کے سماجی جاندار ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ وہ چھوٹی چھوٹی اکائیوں میں منظم ہوا۔ یہ اکائیاں رنگ و نسل، ذات و قبیلہ اور زبان و تہذیب وغیرہ کی بنیاد پر بنتی رہیں۔ ان کی داخلی ساخت و تنظیم میں کوئی ویسی باقاعدگی کی توقع کرنا نہیں چاہئے جیسی آج تصور کی جاتی ہے۔ ظاہر ہے، ان میں وہ ریاست (State) بھی مفقود رہی جس کا تصور بہت بعد میں ابھرا۔ ریاست 'خطۂ محروسہ' پر اقتدار اعلیٰ کا ہی نام ہے۔ شروع شروع ابھرنے والے قبائلی سردار یا ابتدائی پنچایتی قسم کی منظم اکائیوں میں سرپنچ کا اقتدار ایک حد تک مضبوط و مستحکم اور غیر متنازعہ ہوتا۔ وہ کسی حد تک جغرافیائی سرحدوں سے آشنا بھی ہوتا لیکن یہ جغرافیائی سرحدیں غیر واضح، لچیلی اور 'سرسراتی' ہوتی تھیں (ان سرحدوں کو عموماً تمدنی پیش رفت اور سماجی۔ انسانی روش طے کرتی رہیں۔) پھر تمدنی ضرورتیں ہی ان 'ریاست نما' سماجی اکائیوں کے درمیان گرم و سرد تعلقات ایجاد کرتی رہی ہوں گی۔ سماجی ارتقا، تمدنی پیش رفت یا دراندازیوں اور سب کے اوپر انانیت کی ترقی یافتہ صورت ہوس اقتدار نے ان سماجی اکائیوں میں 'راج' کی شکل ابھاری جس نے 'ریاست' کی بنیاد ڈالی۔ یہ راج عموماً قوت بازو یا اس کی دھونس سے ہی پایا جا سکتا تھا اور اسی طرح حاصل کیا جاتا رہا۔ راج کا یہ بنیادی تصور کم و بیش اسی انداز میں آج کی ترقی یافتہ متمدن دنیا میں قائم ہے۔ راج کے ابھرنے کے بعد سماجی اکائیوں کے

بیچ پہلے جیسے تعلقات میں تبدیلی کا ہونا ضروری ہوگیا۔ اس کے پس پشت راج والی دھونس، دباؤ اور ایسے ہی بدلتے ہوئے دوسرے 'سیاسی' حربے ہی رہے ہوں گے۔ اس وقت ذرائع نقل وحمل کی سستی اور مواصلاتی وسائل کی تنگی کا سایہ ان تعلقات کے کچھ پھیلنے اور پھلنے پھولنے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بنتا ہوگا۔ یہ بات سب ماقبل تاریخ کے زمانے کی ہے، اس لئے صرف قیاس کا موضوع ہے۔ اس میں جتنا 'ہوگا' ہے، وہ 'تھا ہی' میں نہیں بدلا جاسکتا کیونکہ آثار قدیمہ کے ٹوٹے پھوٹے، بوسیدہ و پارینہ شواہد وثبوت سے کسی قطعی ومعقول نتیجہ کی امید نہیں کی جاسکتی۔

راج رجواڑوں اور ان کے 'چھوٹ بھیوں' کے بیچ تعلقات بہر حال سیاست کی پوری طرح محفوظ ومضبوط گرفت میں ہی رہے ہیں جس پر ے رموز مملکت خویش خسرواں دانند کا بڑا نمایاں جلی خط بورڈ لگا رہتا، داب شاہی کی جائز وناجائز دھونس اس کے اندر جھانکنے کی اجازت نہ دیتی۔ آمریت کی دبی دبائی اسیر دانشوری اتنی ہمت جٹا نہیں سکتی تھی کہ اس شاہانہ دھونس کی کچھ اندیکھی سی بھی کرے۔ مسلم سلطنت کے زمانہ میں اس بورڈ کو ایک حد تک نظر انداز کرنے کی ہمت مسلم دانشوری میں آئی، کیونکہ اسلام نے علم ودانشوری کو شرف وعظمت سے اس طرح معزز ومحترم کیا کہ اس کی نظر میں شاہی کچھ بھی نہ سماتی۔ (یہاں بکے بندھے ٹکے قلم کی بقلم خود 'دانشوری' کی بات نہیں ہے) لیکن یوروپ کو اس طرح کی نظراندازی کی جرات کے لئے صدیوں انتظار کرنا۔ یورپ کے نشاۃ ثانیہ نے جب انقلابی روشن خیالی دی اور دانشوری نے سیاسی جکڑ بندیوں کو آہستہ آہستہ توڑنا شروع کیا، تخت پر براجمان شاہان کے تاج بھی اتنے ڈھیلے ہونا شروع ہوئے کہ ان کی رموزی پالیسیوں کو پڑھا جانے لگا۔ یہ پالیسیاں دربار کے باہر علماء وافاضل کی ڈیوڑھیوں، علمی نشستوں اور تعلیم گاہوں میں بھی اور ان کے واسطے سے ایک حد تک کوچہ وبازار میں موضوع بحث بننے لگیں۔ اس طرح سیاست اور سیاسیات میں ایک باقاعدہ علم کی صورت ابھری جسے علم سیاسیات یا سیاسی سائنس (Political Science) کا نام دیا گیا۔

❁

اسی علم سیاسیات کے ذیل میں 'بین الاقوامی تعلقات' میں بھی باقاعدہ علم کی حیثیت جگی اور یہ دھیرے دھیرے منظم ومربوط علمی شعبہ کی طرح فروغ پایا۔ دوسرے علوم کی بہ نسبت یہ علم قدرے بعد میں پیدا ہوا، جب تک انگریزی لغات ومصطلحات پر یونانی (Greek) اور لاطینی (Latin) زبانوں کے غلبہ کا خمار یا Hang-over ختم ہوکر سہل وعام پسندی غالب ہوچکی تھی، تبھی تو اس علم کے لئے Astronomy (علم ہیئت)، Astrology (علم نجوم)، Biology (علم حیاتیات) جیسی اصطلاح نہ بنی۔ اسے بین الاقوامی تعلقات (International Relation) ہی کہا گیا۔ صرف ظاہری (وقوعی، واقعی) بین الاقوامی تعلقات سے ممتاز کرنے کے لئے I R کو Capital سے لکھا جاتا ہے۔ اردو میں اس کے لئے 'علم' لکھنا ضروری ہوگا۔

بین الاقوامی تعلقات کی تعریف کچھ اس طرح کی جاسکتی ہے: بین الاقوامی نظام کے اندر ریاستوں کے درمیان خارجہ امور اور عالمی معاملات، ساتھ میں ریاستوں، بین حکومتی اداروں (IGOs–Inter Governmental Organization)، غیر حکومتی (سرکاری) اداروں (NGOs–Non Governmental Organizations) اور کثیر ممالکی کمپنیوں (MNCs–Multi-National Corporation) کے کردار کے مطالعہ کو بین الاقوامی تعلقات کا علم کہا جاتا ہے۔ یہ ایک علمی شعبہ ہے اور عوامی پالیسی کا میدان بھی۔ یہ مثبت یا پھر دستوری (روایتی) ہوسکتا ہے کیونکہ یہ مخصوص ریاستوں کی خارجہ پالیسی کا تجزیہ وتشکیل کرنا چاہتا ہے۔ اس علم کو عموماً علم سیاسیات کا ایک شعبہ سمجھا جاتا ہے۔

❁

بین الاقوامی تعلقات کی تاریخ عموماً صلحِ وسٹ فالیہ (۱۶۴۸ء) تک پہنچائی جاتی ہے جس نے اقتدار کے قانونی تصور کی بنا ڈالی۔ وسٹ فالیہ نے ہی آزاد قوم ریاست کے فروغ اور سفارت کاری (Diplomacy) اور افواج کی ادارہ بندی کی ہمت افزائی کی۔ پھر بھی واضح طور پر سے بین الاقوامی تعلقات کا نظریہ پہلی عالمی جنگ کے بعد تک ابھر نہیں پایا۔

۴۰۰ ق۔م۔ کے یونانی مورخ تھوسی دادیس (Thucydiles) کی تالیف 'پلوپونیشیائی جنگ کی تاریخ' (History of Peloponnesian War) بین الاقوامی تعلقات کے 'حقیقت پسند' علمی نظریہ (Realist Theory) کی محرک مانی جاتی ہے۔ برطانوی سماجی فلسفی تھامس ہوبس /Thomas Hobbes (۱۵۸۸-۱۶۷۹ء) کی Leviathan (سمندری دیو/جل دیو) اور اطالوی مصنف میکیاولی کی Prince (شہزادہ) نے اس نظریہ کی توضیح وتصریح کی ہے۔ اسی طرح حریت پسندی (Liberalism) کا نظریہ یونانی فلسفی امینوئل کینٹ Emmanuel Kant (۱۷۲۴ء-۱۸۰۴ء) اور فرانسیسی سیاسی فلسفی ژین ژیک روسیو (Jean Jacques Rousseau) کی کاوشوں کی بنیاد پر پروان چڑھا اور ان میں اول الذکر کی کاوش کو 'جمہوری امن نظریہ' کی پہلی وضاحت کہا جاتا ہے۔ آہستہ آہستہ اور بھی مختلف نظریئے پیش کئے گئے جنھیں دو علمی خیموں میں بانٹا جاسکتا ہے:

(الف) مثبت پسند (Positivist) (ب) مابعد مثبت پسند (Post-Positivist)

مثبت پسند نظریئے مادی طاقتوں کے تاثر جیسے ریاستوں کے باہمی معاملات، فوجی طاقتوں کی چھوٹائی، بڑائی اور طاقت کے توازن پر انحصار کرتے ہیں، جب کہ مابعد مثبت پسند نظریئے اس ذہنیت وخیال کی تردید کرتے ہیں کہ 'اقتدار سے بے نیاز ہوکر سماجی دنیا کا مطالعہ معروضی طریقے سے کیا جاسکتا ہے'۔ اول الذکر خیمہ توجیہی تشریح (جیسے طاقت کیوں اور کیسے استعمال کی جاتی ہے) پر عامل ہے، جب کہ دوسرا خیمہ تشکیلی دستوری مسائل (مثلاً طاقت کے معنی اور ساخت کیا ہوتی ہے، طاقت کا تجربہ کیسے ہوتا ہے؟ دوبارہ طاقت کیسے پیدا کی جاتی ہے؟ یعنی طاقت کی فصل کیسے اُگائی جاتی ہے؟) پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ یہاں ان نظریوں کی تفصیل کا موقع نہیں۔ صرف اہم نظریوں کے نام دیئے جارہے ہیں جن سے ایک حد تک ان تصورات کی پیش رفت کا اندازہ کیا جاسکتا:

مثبت پسند نظریئے:

حقیقت پسندی (Realism)

حریت پسندی (Liberalism)

مثالیت پسندی (Idealism) / آزاد بین الاقوامیت (Liberal Internationalism)

نوحریت پسندی (Neoliberalism)

نظریۂ 'مملکت' (Regime Theory)

مابعد مثبت پسندی (Post-Positivist) / انعکاسی نظریئے (Reflectwist)

بین الاقوامی سماج نظریہ (International Society Theory)

سماجی تعمیریت (Social Coustructinism)

تنقیدی نظریہ (Critical Theory)

مارکسی نظریہ (Marxism)

نظریات قیادت: مفادی گروہ تناظر (Interest Group Perspective) حکمت جنگی تناظر (Strategic Perspective)

مابعد ساخت پسند نظریئے

❁

سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقی، علم کے فروغ، معقولیت کے احساس ولحاظ اور دانشوری کے بڑھتے ہوئے ہاتھ پاؤں نے بین الاقوامی تناظر میں شاہی من مانیوں پر کسی حد تک لگام لگائی اور ریاستوں اور بین الاقوامی کرتا دھرتاؤں کو اپنی حدیں پہچاننے اور کسی حد تک اپنی اپنی نسبتی حیثیتوں اور اعتباروں کے سمجھنے پر مجبور سا کردیا۔ اس طرح بین الاقوامی تعلقات میں سوچ سمجھ کا بھی دخل ناگزیر سا ہوگیا۔ ایسے میں مختلف تصورات کا لحاظ ہوا۔ ان میں یہ شامل ہیں:

(۱) بین الاقوامی منظرنامہ کے قیاس واندازہ کا تصور بشمول 'آزادی عمل اور مساوات کے

(۲) مزاج کی خاصیت والے بین الاقوامی ماحول کی تشکیل اور حد بندی کرنے والے تجزیہ کی

با قاعدہ سطح کا تصور

(۳) وسائل کی حیثیت، صلاحیتوں اور بین الاقوامی امور پر اثراندازی پر مشتمل طاقت کا تصور — یہاں تصور دو حصوں یعنی سخت وقہری طاقت اور نرم طاقت میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سخت وقہری طاقت جیسے فوج کا استعمال، جب کہ نرم طاقت معاشیات، سفارت کاری اور تہذیبی تاثر سے عبارت ہوتی ہے۔ (ان دونوں کی طاقتوں کے بیچ کوئی واضح تقسیم بندی نہیں ہے۔

(۴) قطبیت یا محوریت: یعنی بین الاقوامی نظام کے اندر طاقت کا انتظام وانصرام۔ سرد جنگ کے زمانہ میں دو قطبی تصور ابھرا لیکن ۱۹۹۱ء میں سوشلسٹ سویت یونین کے زوال سے یک قطبیت کا راج ہوگیا۔ پھر بھی بین الاقوامی سطح پر چین کی دھماکہ خیز نموداری، اس کی بین الاقوامی ساکھ اور دنیا کی سب سے بڑی آبادی پر اس کے دائرۂ اختیار وتصرف کی بنا پر یہ سوچا جانے لگا کہ کیا اب چین بھی کوئی سپر پاور تو نہیں ہے یا اس کا ممکنہ امیدوار۔

(۵) قہر وغلبہ کی استقامت کا نظریہ: یہ بین الاقوامی نظام میں ایک جگہ پر طاقت کے غلبہ (یک قطبیت) کو مستحکم بندوبست کی دلیل کہتا ہے۔ اس کے برعکس کئی 'نوحقیقت پسند' اسے غیر مستحکم بندوبست کی دلیل سمجھتے ہیں۔

(۶) باہمی انحصار: بہت سے لوگ اس کی وکالت کرتے ہیں کہ موجودہ بین الاقوامی نظام بڑھتے ہوئے ایک دوسرے پر انحصار، باہمی ذمہ داری اور دوسروں پر تکیہ کرنے سے عبارت ہے۔ ایسے میں تعلقات 'باہمی انحصار' (Interdependence) سے معنون ہوتے ہیں۔

❁

بین الاقوامی تعلقات کے ہتھیاروں میں سفارت کاری، اور اس کی ناکامی پر دھونس، دباؤ، ناکہ بندی، تجارتی پابندیاں وغیرہ آتی ہیں۔ عام طور پر طاقت کے استعمال یعنی جنگ کو بین الاقوامی تعلقات کا آخری حربہ سمجھا جاتا ہے۔ ریاستوں کے علاوہ دوسرے 'کرتا دھرتاؤں' کی شمولیت والی 'نئی جنگوں' کا مطالعہ بھی بڑھ رہا ہے۔ بین الاقوامی 'شرمساری' کے

ابھارنے کو بھی بین الاقوامی تعلقات کا ایک حربہ کہا جاسکتا ہے۔ یہ زیادہ تر 'ایمنسٹی انٹرنیشنل' (معافی، بین الاقوامی) اور 'ہیومن رائٹس واچ' (انسانی حقوق کی نگہبانی) جیسے بڑی تنظیموں کے ذریعہ عمل میں لائی جاتی ہے۔

تجزیہ کی سطح کے طور پر اکائی کی سطح اکثر وبیشتر بین الاقوامی نظام کے بجائے ریاستی سطح کو بتایا جاتا ہے۔ کسی ریاست میں حکومت کی قسم کو عموماً اس ریاست کے دوسری ریاستوں کے ساتھ آپسی رشتوں پر حاکم سمجھتا ہے۔ حکومت کی قسم کو مدِ پیش نظر رکھتے ہوئے 'جمہوری امن نظریہ' بھی ابھرا۔ اس کے لحاظ سے جمہوریت کی فطرت کے معنی ہیہیں کہ جمہوری ملک ایک دوسرے سے برسرپیکار نہیں ہوسکتے۔ جمہوریتیں اپنے دستور سے باہر جاکر ہی اپنے مفاد کی خاطر جنگ کرتی ہیں، ورنہ جمہوریت باہمی احترام واعتماد کی ہمت افزائی کرتی ہے۔

ایسے ہی اشتراک پسندی یا کمیونزم ایک عالمی انقلاب کو درست ٹھہراتا ہے۔ اس خیال کی رو سے، یہ غریبوں، دلتوں اور مزدوروں کے 'عالمی سماج' پر استوار پُرامن میل جول تک پہنچا دے گا۔

ریاستیں موجودہ بین الاقوامی حیثیت کے قبول کرنے والی یا تبدیلی پسند ہوسکتی ہیں۔ تبدیلی پسند ریاستیں موجودہ حیثیت کو اپنے لئے فائدہ مند نہ محسوس کرتے ہوئے بنیادی طور سے بین الاقوامی تعلقات کے ضابطوں اور رویوں کو بدلنا چاہتی ہیں۔ وہ بین الاقوامی نظام کو مغرب کی تخلیق سمجھتی ہیں۔ ان کی نظر میں یہ موجودہ حقیقتوں کو پیوست کرانے کا کام کرتا ہے۔

یہ بھی عام خیال ہے کہ بین الاقوامی نظام کے اندر کسی ریاست کے رویہ پر مذہب بھی اثرانداز ہوسکتا ہے۔

عصری بین الاقوامی نظام میں بین الاقوامی ادارے بھی اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ نظام کی سطح پر زیادہ معاملات پر انہی کا راج ہوتا ہے۔ وہیں تمدن کے عالمی مرحلہ میں 'انسانیت' کے آجانے سے بنیادی سیاسی گروہ کی حیثیت سے موجودہ نظام میں خودمختار ریاست — قوم کی جو بنیادی

سیاسی گروہ کی حیثیت ہے وہ ان اداروں کی آہستہ آہستہ لیتی جارہی ہے۔ان ماہرین کے مطابق قومیں (ممالک) ایک مفروضہ گروہ ہوتی ہیں۔ یہ گروہ نئے چیلنجوں جیسے 'ڈاگویل اثر' (ایک ہم آہنگ گروہ میں 'اجنبی' کا داخلہ) 'بے ملکیوں' اور پناہ گزینوں کی قانونی وسیاسی حیثیت،موسم کی تبدیلی اور وبا جیسے عالمگیر مسئلوں پر توجہ دینے کی ضرورت، ان جیسے بہت سے مسائل کو حل نہیں کرسکتے۔ایسے میں مستقبل پسند یال رسکن نے 'کسی کسائی جمع پسندی' پر مبنی عالمی سیاست کی نئی اور جائز صورت کا مفروضہ دیا۔اس نظریہ نے مندرجہ ذیل خاصیتوں کے حامل اداروں کی تشکیل کا راستہ دکھایا:

(۱) نا قابل تخفیف ہونا۔جہاں کچھ معاملات کا محاکمہ وتصفیہ عالمی سطح پر ہونا ہی چاہئے۔

(۲) ضمنیت۔ جو عالمی ذمہ دار کے دائرہ اختیار کو واقعی عالمی معاملات تک محدود کرتی ہے جب کہ چھوٹے معاملے نچلی سطح سے کنٹرول ہوں۔

(۳) مختلف آہنگی/ نیرنگی: جو علاقائی اور مقامی اداروں کی متعدد شکلوں کو اس وقت تک مجاز کرتی ہے جب تک وہ عالمی ذمہ داریوں پر پورے اتریں۔

اس سلسلہ میں اور تصورات بھی ابھرے جو بین الاقوامی تعلقات کی تشریح وتوضیح میں ریاست قوم سے بھی نچلی سطح (ذیلی اکائی) کی افادیت کے قائل ہیں جہاں دوسرے نظریئے ناکام ہوجاتے ہیں۔ یہ تصور بین الاقوامی تعلقات میں ریاست کو مرکزیت سے دور ہٹا دیتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں نفسیاتی عناصر کو بھی کام میں لینے کی بات کی جاتی ہے۔ جہاں فیصلہ ساز شخصیتوں کے کردار کو سمجھنے کی وہیں مختلف کار پردازوں کے درمیان غلط ادراک کے رول کی توضیحی قوت ہوسکتی ہے۔اسی طرح چاکر شاہی سیاست کے سمجھنے سے بھی بین الاقوامی تعلقات کی رَو کو سمجھا جاسکتا ہے۔

ایسے ہی مذہبی، لسانی اور علیحدگی پسند گٹوں پر نگاہ ڈالنے سے لسانی تنازعوں اور مذہبی جھگڑوں کو سمجھنے میں آسانی ہوسکتی ہے۔ اسی طرح سائنس اور ٹکنالوجی کے فروغ کا عالمی اثر

بین الاقوامی تعلقات کی تشکیل وتوضیح کرسکتا ہے۔

❁

بین الاقوامی تعلقات کو جنم دینے والی، پالنے پوسنے والی اور کرتا دھرتا سیاست کے خصوصاً عصری منظرنامہ پر جو چیز غالباً سب سے زیادہ چھائی ہوئی ہے وہ ہے اسلام۔اسلام کا یہ اثر چاہے براہ راست ہو یا بالواسطہ، چاہے مثبت انداز میں قبول کیا گیا ہو یا منفی انداز میں،شعوری طور سے لیا گیا ہو یا لاشعوری طور سے،تاریخی روش کا کوئی فطری نتیجہ ہو یا کسی تاریخی سیاسی سازش کا تھوپا ہوا اثر ہو، کچھ بھی ہو آج کی 'متمدن دنیا' بقلم خود ترقی یافتہ دنیا اور بزبان خود ماڈرن دنیا اسلام کے اس اثر سے انکار نہیں کرسکتی۔اس اثر کی ایک تاریخی وجہ بھی ہے۔آج کے تمدن،معاصر دانشوری اور حالیہ سیاست وحکومت کو تہذیب وتمدن، دانشوری اور 'راج' (سامراج) یہ سب اپنے اپنے انداز اور صورت میں مسلمانوں سے ہی ملے ہیں۔ سامراج کی کارساز کشور کشائی کے میدان میں جہاں طاقت ودبدبہ کا سکہ پورے زوروشور سے چلتا ہے، جہاں فاتح اپنے زور ودبدبہ کا لوہا منوا کر قہر وغلبہ حاصل کرتا ہے، وہیں غلامانہ حد تک مفتوح کا تہذیبی اثر قبول کرلیتا ہے۔کشور کشائی کی لائی ہوئی سرحدی وسعت کے نتیجہ میں جو تہذیبی، سماجی، انسانیاتی شکست وریخت ہوتی ہے، اس میں ہر دو (فاتح ومفتوح) اپنی اپنی اثر اندازی اور اثر پذیرائی کی معرکہ آرائی میں مصروف ہوجاتے ہیں۔ اس پرزور معرکہ میں طاقت والی جنگ کے برخلاف مال غنیمت دونوں حریفوں کے ہاتھ لگتا ہے۔ دونوں میں کسی ایک کے سر اس کھلے بندھوں، اس خصوصی معرکہ کو سر کرنے کا سہرا نہیں جاتا۔ جغرافیائی سرحدیں چاہے جیسے اور جس کے حق میں جائیں، دونوں کے بیچ کھلا تہذیبی سماجی لین دین ہوتا ہے۔ یہ فطری روش بھی ہے اور تاریخی مجبوری بھی۔خود (مسلم) عربوں نے بھی اپنی کشور کشائی کی راہ سے جہاں اپنے وقت کا سب سے بڑا بلکہ اپنی طرح کا انوکھا سامراج بنایا، وہیں اپنے مفتوحہ علاقوں خصوصاً ایران وروم اور پھر ہندوستان سے تہذیبی مرعوبیت کو بھی اپنا مقدر کرلیا۔ حالانکہ 'کھسیانی بلی کھمبا نوچے' کے مصداق پہلے ہی جھٹکے میں یونان کا کافی علمی قلمی اثاثہ یک قلم آتش

برد کردیا گیا۔ ظاہر ہے، سامراجی نشہ اور قرآن کو کافی سمجھ لینے کے زعم میں اتنا ہوش کہاں رہا ہوگا کہ ’ھدی للمتقین‘ کی روح کا ادراک ہوسکتا۔ تقویٰ کے معنی ’حدوں میں رہنا‘ اور قرآن کا دین عقل وتدبر کا مذہب ہے۔ اس طرح معقول حدوں کے پار جاکر کتاب کی کفایت کیا، رہنمائی بھی نہیں حاصل کی جاسکتی۔ ہاں کچھ ہی بعد جب عقل ٹھکانے لگی تو مسلم عربوں نے دانشوری کو اپنے انداز میں فروغ وترقی دے کر (اس سلسلہ میں دوسرے علوم کے ساتھ سائنس اور ٹکنالوجی کو خصوصی اور کلیدی ترقی دے کر) آج کی دنیا کو سونپا۔

اس سامراجی اثر کے علاوہ بھی اسلام کی اثر اندازی کی خود اپنی قوت رہی ہے۔ اسی کے بل بوتے پر اپنے ظہور کے ساتھ ہی اسلام نے بے پناہ اثر قائم کیا۔ ظاہر ہے کہ یہ تاثر کشور کشائی (تلوار) کا مرہون منت نہیں، فطری تھا۔ یہ تاثر وہ تھا جس کے سبب سولہ سترہ سالہ تبلیغ (حضرت رسولؐ اسلام کی بعثت کے بعد کے ابتدائی تین سال تبلیغ عام نہیں بلکہ محدود حلقہ تک رہی، پھر تین سال مکہ میں سماجی مقاطعہ اور شعب ابوطالب میں محاصرہ نے اس محدود حلقہ کو بھی اور تنگ کر کے صفر کردیا تھا) اس وقت کی مواصلاتی تنگیوں اور ذرائع نقل وحمل کی سستیوں کے باوجود اسلام تقریباً پورے جزیرہ نمائے عرب پر چھایا ہی نہیں بلکہ باہر کی ایک بڑی دنیا پر اپنا اثری اقتدار قائم کرنے میں غیر معمولی کامیابی پا گیا۔ اس تبلیغ نے اسی وقت ظہور اسلام کو بڑی شاہ سرخی بنا دیا۔ یہ اور بات ہے کہ رسول اسلامؐ کے بعد ہی جہاں بانی کی ذہنیت والی موقع پرستی کو اس اثر کے سایہ میں اپنی دیرینہ آرزو پوری ہوتے دکھائی دی۔ پھر تو ’بحر ظلمات‘ میں اپنے گھوڑے دوڑائے جانے لگے اور تلوار لہرائی جانے لگے۔ ان گھوڑوں نے وہاں کیا پایا، کیا کھویا، کتنی زمین روند کر اپنی کی اور کتنی زمین اپنی کر روندی، کچھ بھی ہو، بحر ظلمات کے ان شناوروں نے اسلام کی عالمی شبیہ کی پاکدامنی پر پانی ضرور پھیر دیا۔ ان تلواروں کی لہروں نے کیا حاصل، لاحاصل کیا، پتہ نہیں۔ ہاں! رسول اسلام کے ’خلق عظیم‘ والے کردار کے سر پر بظاہر تلوار ضرور منڈلانے لگی۔ یہ ’تلوار‘ کسی غیر جانبدار خوردبین یا متعصّبانہ ومعاندانہ دوربین سے مشاہدہ کے نتیجہ یا کسی مرکز گریزی (Defocuissing) یا ’عکسی انحراف (Parallax) نہ دور

کرسکنے کے سبب سے یا ان سب کے ملے جلے اثر سے پیدا ہوئی، یہ اپنے میں ایک بڑی پہیلی ہے جو کسی غیر جانبدار تحقیقی تجزیہ سے ہی بوجھی جاسکتی ہے۔ اتنی بات تو سامنے کی ہے کہ مسلمان من حیث الجماعت اسلام کی حقیقی تصویر پیش کرنے سے قاصر رہے (بوجوہ یا بے وجہ) اور اپنے کردار کو اسلام کا آئینہ نہ بنا سکے۔ خال خال مسلمان جو اسلام کا روشن آئینہ بن سکے یا اسلام کی حقیقی تصویر اپنے مقدور بھر پیش کرسکے، ان کی قابل قدر کاوشیں ’بھیڑ یا دھسان‘ انبوہ میں کھوئی سی ہوگئیں۔

اسلام کے اس تاثر کے ماورا، بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں اسلام کی علمی دلچسپی کی بھی اپنی بات ہے۔ سرد وگرم ماحول اور سازگار و ناساز فضا میں اسلام کسی نہ کسی طرح اپنے دائرہ اثر وتسلیم کو بڑھاتا ہی رہا، یہاں تک کہ آج مسلمانوں کی آبادی دنیا کی تقریباً ۶/۱ آبادی کے برابر ہوچکی ہے۔ پھر اکثریتی مسلم خطوں میں قائم ’مسلم‘ ریاستوں کی خاصی معتد بہ تعداد ہے جو کسی بھی طرح ناقابل اعتنا نہیں کی جاسکتی۔ ادھر زیادہ تر ’مسلم‘ ریاستوں میں اسلام کو سرکاری مذہب قرار دیا گیا ہے۔ ان سب کے سبب اسلام بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین کی علمی دلچسپی کا موضوع بھی ہوگیا ہے۔ ایسے میں بین الاقوامی تعلقات کے کارپردازوں کو بھی اسلام میں دلچسپی لینا ناگزیر ہوگیا ہے۔

❁

سرکاری مذہب کے طور سے اسلام آج کی ریاستوں کے طریقہ کار پر کتنی بالادستی یا اثر رکھتا ہے یا سرکاریں کتنا اسلام کا خیال کرتی ہیں یا سیکولرزم کی عالمی ’شہرت کے چلتے کم از کم ظاہری مقبولیت (فیشن) کے زمانہ میں وہ کس حد تک اس کے عام پروپیگنڈہ کے دباؤ اور مذہب سے وابستگی کے طعن وتشنیع کا دنیا سے مقابلہ کرسکتی ہیں، یا ’مسلم‘ ریاستیں کب تک اور کس حد تک اسلام کا نام لیتی رہ سکتی ہیں، ایسے سارے موضوع تحقیق کی دلچسپی کے موضوع ہیں۔ لیکن تاریخ کا پیچھا کرنے سے ایک بات ضرور صاف ہوجاتی ہے۔ کسریٰ کو پھونکوں اڑانے والے، قیصریت کو شرمندہ کرنے والے اسلام کے نام لیوا آمریت مآب ظل الٰہی سلاطین (تاناشاہ/شہنشاہ) اسلام کو اپنے

حق میں 'بھنانے' اور ظاہراً سہی اسلام کو آگے رکھنے کے راستے میں جہاں مذہب کے سب سے سستے، سب سے آسان، پرانے مجرب نسخہ کے طور پر اسلام کا نام استعمال کرتے رہے وہیں انہوں نے خود ہی ایک حد تک اپنے پیروں میں مضبوط اور 'بولتی ہوئی' زنجیر ڈال لی۔ کیونکہ اسلام (اکثر مذاہب کے برخلاف) صرف چند فرسودہ رسموں کی حدوں میں سمٹا ہوا نہیں ہے اور نہ ہی اندھے اعتقاد کی حمایت اور ہمت افزائی کرنے والا ہے بلکہ یہ عقل وعقلیت پسندی کو فروغ دینے والا (تمام شعبہ ہائے زندگی پر محیط) ہمہ گیر اور 'انسان' کا حق شناس مذہب ہے۔ اس میں عبادت کا تصور بڑا وسیع ہے۔ اس کی عبادت خدا کی پرستش، پوجا (Worship) ہی نہیں، مخلوق خدا کے حقوق کی پاسداری بھی ہوتی ہے، بلکہ وہ بھی خدائی عبادت میں شمار ہوتی ہے۔ اسلام کی عبادت خالق وخدا سے زیادہ خلقت کے گرد گھومتی ہے۔ تبھی تو اس کی سب سے اہم عبادت، 'رکن ایمان، معراج مومن نماز بھی ایک چھوٹی سی چھوٹی مخلوق کی جائز ضرورت کے سامنے بالکل یوٹرن (U-Turn) ہو جایا کرتی ہے۔ اسلام نے انسانیت کو اتنا بڑھایا اور انسان کو اتنا جری کر دیا کہ چھوٹے سے چھوٹے 'سماجی دلت' انسان (عوام) میں اتنی ہمت بھر دی کہ بڑے سے بڑے دبدبہ والے جہاں پناہ آمروں کو ٹوک سکے۔ عوامی احتجاج نہ بھی ابھر سکے، تو بھی کچھ ہی لوگوں کی آواز ابھر کر تاریخ میں ثبت ہو جاتی رہی کہ اسلام کے نام لیوا، بلکہ نام بھنانے والے تاناشاہوں کو کسی حد تک آئین کا پاس ولحاظ کرنا ہی پڑتا۔ انہیں اپنے جا وبے جا (سفید وسیاہ) اقدام کے لئے بڑی سخت وپیچیدہ تاویلوں کا سہارا لینا پڑتا۔ شروع میں موافق حدیثیں گڑھی (گڑھائی) جاتیں اور بعد میں حمایتی فتوے خریدنا پڑتے۔ بہرحال اس راہ میں مسلم ممالک نے دنیا کو 'آئینی حکومت' کے تصور سے ضرور روشناس کرایا جہاں آئین کے ساتھ انسان (عوام) کو بھی یکسر بے اعتنا نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں نے آئینی حکومت کا تصور ہی نہیں دیا، بلکہ اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ ہوسکتا ہے، اس نمونہ کی شفافیت سیاسی غبار کی وجہ سے کچھ دھندلا گئی ہو اور ویسی مثالی نہ رہ گئی ہو جیسی ہونا چاہئے۔ بعد میں عالمی منظرنامے پر اٹھنے والی بہت سی سیاسی تحریکوں اور آزادی، روشن خیالی والے احتجاجوں

اور مزدوروں، نچلے طبقہ کے حق میں اٹھنے والی آوازوں کے پس پشت اسلام کا براہ راست اثر دیکھا جا سکتا ہے (اگر کوئی رنگین جانبدار عینک نہ لگائی جائے اور سیاسی چکا چوندھ پر قابو پالیا جائے)۔

❁

جہاں تک بین الاقوامی تعلقات کو جنم دینے اور پالنے پوسنے اور چلانے بڑھانے والی حکومت (آج کے تصور والی ریاست یا ماورائے ریاست) اور اسلام کے رشتہ کا تعلق ہے، یہ رشتہ کسی بھی طرح 'نسبی' سگا یا حقیقی نہیں ہوسکتا، ہاں یہ جوڑتوڑ کا لگا لگایا، پیوندی، سمدھی یا سوتیلا جیسا بناوٹی ہی ہوسکتا ہے۔ اسلام میں حکومت کا وہ تصور قطعی نہیں ہے جو آج یا کبھی حکومت سے وابستہ رہا ہے۔ اسلام میں حاکم صرف اور صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ حکومت کے تینوں بنیادی حصوں: مقننہ (Legislative)، انتظامیہ (Executive) اور عدلیہ (Judiciary) کا کلی اختیار (Sole Authority) اسی ایک کے پاس ہے۔ کہنے کو بھی اسلام نے کسی اور کو ملک، سلطان، عزیز، قادر حکیم وغیرہ جیسے شاہی خود مختارانہ خطابات سے نہیں نوازا۔ (ہمارے ادب میں نبی اور امام کو شاہ 'دین ودنیا' ضرور کہا گیا، لیکن وہ ابلاغی مجبوری سے ان کی عالی منزلت دکھانے کے لئے شاعرانہ طور پر کہا گیا۔ کچھ یہی بات اولیاء کے لئے 'شاہ' کی صوفی اصطلاح کے لئے بھی صادق آتی ہے۔) الٰہی نمائندوں، رسول اور نبی کی حیثیت پیغام رساں کی ہوتی ہے، وہ بھی ان کی زبان پر 'وحی کا پہرہ'، من پر 'ما تشآؤن الا ان یشاء اللّٰہ' کا گھیرا لگا ہوا۔ یعنی انہیں من مانی (تانا شاہی) کرنے بلکہ اپنی کہنے کی بھی ہلکی سی چھوٹ نہیں ہوتی۔ پیغام رسانی کی ضرورت، پیغام کی عملی تبلیغ اور پیغام کے قابل تقلید عملی نمونے پیش کرنے کے تحت ان الٰہی نمائندوں کی اہلیت (میرے ناقص خیال میں جبری ودیعت نہیں) عصمت قرار دی گئی اور ان کی اطاعت ضرور فرض کی گئی۔ اس تبلیغ اور نصیحت کی راہ میں بھی ان کے بازؤں کو جھکا دیا گیا (انکسار کا مرقع بنا دیا گیا) اور سب کے اوپر 'لا اکراہ فی الدین' کو موٹو کر دیا گیا یعنی کسی طرح کے ڈرانے، دھمکانے، دبانے اور دھونسیانے سے بالکل خالی ہاتھ، ہر طرح کے 'سرکاری' ڈنڈے یا Teeth سے عاری کر دیئے گئے۔ پھر مخاطب

’رعایا‘ (انسان) کو اتنی عزت دے دی گئی کہ اگر کہیں رسماً بیعت بھی کرے، تو نبی یا رسول (کی شکل میں انسان) کے ہاتھ پر نہیں، ’یداللّٰہ فوق‘ سے انسان کی بیعت کرنے کی ظاہری سبکی کو بھی مٹا دیا گیا۔ ان کی الٰہی نمائندگی میں ظاہری حکومت کی دھندلی سی تصویر بھی ابھرنے نہ دی گئی۔ ظاہر ہے آج بے ہودگی کی قیمت (Nuisance Value) نہ رکھنے والی اور نامعقولیت (Non-sense) نہ پیدا کر سکنے والی کسی طاقت کو کون خاطر میں لائے گا۔ اسلام میں قانون کے نفاذ کو یقینی بنانے اور عدالتی احتساب کی ذمہ داری قابل اعتبار ’انسانیت‘ کے روشن ضمیر اور ایمان وتقویٰ میں منحصر کر دی گئی۔ اس لئے اسلام اپنے نہ ماننے والوں کے لئے جبری حکومتی نظام یا ماننے والے ’انسان‘ اور مومن کے لئے خارجی عملداری کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ایمان وتقویٰ خود ہی نظم وضبط (Self-Discipline) کا ضامن ہوتا ہے۔

ان الٰہی نمائندوں کے پاس اعزاز اور ظاہری اختیار بلکہ اس سے زیادہ ذمہ داری مومنین کی ولایت ضرور ہے۔ ولایت کے معنی مفہوم پر بحث اس تحریر کے دائرہ سے اور اس کے راقم کے بس سے باہر ہے۔ سُنے سنائے اور بتائے سمجھائے ہوئے معنوں سے یہی کچھ سمجھ سکا کہ ولی کے معنی ’غلامانہ (منکسرانہ)‘ طرزِ عمل سے دوستانہ سرپرستی کرنے والا ہی ولی ہوتا ہے۔ اس ولایت میں وہ مطلق العنان خود مختار نہیں ہوتا، اکیلا نہیں ہوتا بلکہ یہاں بھی ’سب سے بڑے‘ خدا کا سب سے بڑا سایہ سب کے اوپر ہوتا ہے۔ وہ اپنے منصب میں نکھٹو ہونے کی اکڑ اور من مانی کرنے کی ترنگ پال تک نہیں سکتا۔ پھر وہ ولی یا تو خود نبی ہوتا ہے یا ’اولی الامر‘۔ اس ’اولی الامر‘ کے مصداق کو کھینچ تان کر ہر آمریت والے ’جہاں پناہ‘ تانا شاہ کے ننگے موٹے جسم پر چسپاں کرنا کسی طرح درست نہیں ہوسکتا۔ (یہ نہ دیکھئے، وہ کیا کہتے ہیں وہ تو یونہی ’ظل الٰہی‘ بن بیٹھے۔) یہ ’اولی الامر‘ خدائی احکام لئے ہوئے، خدا کا کوئی معتبر ’بندہ‘ ہی ہوسکتا ہے۔

مسلمان دو بڑے مکتبہ خیال میں بٹے ہوئے ہیں: خلافت وامامت۔ خلافت والی حکومت کو اس کے ماننے والے بھی ’منصوص من اللّٰہ‘ نہیں مانتے، اور امامت والے ظاہری حکومت کو

امامت کی شرط نہیں سمجھتے۔ (یوں بھی یہاں ظاہر کئے گئے خیالات کسی ایک مسلم فرقہ یا مسلک یا مکتب خیال کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ متفقہ طور سے سب کے ہو سکتے ہیں۔) اس طرح ’اولی الامر‘ کو ہر آمر پر منڈھنا صحیح نہیں۔

اسلام آج جیسی کسی حکومت/ ریاست/قوم کو بنیادی طور سے تسلیم ہی نہیں کرتا اور نہ ہی اس طرح استوار بین الاقوامی تعلقات کو اپنی منظوری دیتا ہے۔ ہاں، اگر حکومت کے طرزِ عمل میں اور بین الاقوامی تعلقات میں اسلام کا لحاظ ہو تو کیا اچھا ہو، اس طرح انسانیت کی بڑی خدمت ہوجائے گی۔ البتہ اسلام نظم وضبط چاہتا ہے، اس نظم وضبط کا بڑا علمبردار ہے۔ اسلام نراج یا کسی طرح کے بگاڑ یا انسانی سماج میں کسی قسم کی ٹوٹ پھوٹ کو قطعی پسند نہیں کرتا۔ اسلام کے ماننے والے نہ صرف یہ کہ کسی قاعدہ سے قائم کسی حکومت کی مخالفت کے روادار نہیں ہو سکتے ہیں، بلکہ حکومت کے آئین اور اصولی طرزِ کار اور دستور بند کاوشوں کی بھرپور اخلاقی حمایت اور عملی تعاون (جہاں تک حکومت کی فکر وعمل، انسانیت، امن وانصاف اور اسلامی یعنی ربانی اصول واحکام سے صریحی طور سے ٹکرائے نہ) پر کاربند ہونا مذہبی جیسا فریضہ مانتے ہیں۔ پھر آج کے بین الاقوامی تعلقات میں کم از کم ظاہری طور پر انسانی اقدار، انصاف، حقوق پسندی، مساوات، صلح پسندی، خونریزی سے گریز جیسی باتوں کا بول بالا ہے۔ یہ اور ایسی بہت سی باتیں اسلام کا پسندیدہ موضوع بلکہ سراسر اسلامی موضوع ہیں۔ کوئی بھی مفتی انہیں غیر اسلامی کہنے کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ وہیں اسلام جیسے علم وعقل کی بالادستی والے مذہب میں کسی بھی موضوع سے علمی دلچسپی کسی طرح ناپسندیدہ یا نامرغوب نہیں ہوسکتی۔

اسلام نے علم وعقل اور تفکر وتحقیق پر جو سب سے زیادہ زور دیا اور اس راہ میں جو اور جس طرح بھرپور ہمت افزائی کی، اسی کا ظاہری نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے (کشور کشائی کی ترنگ میں بہنے کے باوجود) اسلام کے اصول واحکام کی باقاعدہ علمی تدوین، فلسفیانہ تشریح، منطقی اور سائنسی قسم کے ’معقولی‘ تجزیہ اور انہیں قلمبند کرنے کا بیڑہ جس شان سے اٹھایا اور جس قدر اور جس تیزی سے

کامیابی کی راہ پر گامزن ہوئے، وہ بے مثال ولازوال تاریخی کارنامہ ہے جو مسلمانوں کے نام ہے اور جو شاید ہی کسی دوسرے مذہب والوں کو نصیب ہوا ہو۔ [یہ 'شاید' بڑی احتیاط کے خیال سے لگایا گیا ہے، ورنہ یہ بات یقین کی حدوں تک پہنچ جاتی ہے، خصوصاً اس لئے کہ عام طور سے مذہبی عقائد ورسوم وہ سخت ممنوعہ علاقہ ہوتا ہے جہاں ہلکی سی رائے زنی اور عقل کے داخلہ کی بلا استثنا (کسی بھی طرح) اجازت ہوتی ہی نہیں۔] سب سے پہلے اسلام کے بنیادی ماخذ قرآن وسنت (حدیث وسیرت) کی تدوین وتحقیق اور تشریح وتصریح میں مجاہدانہ کدوکاوش کی گئی۔ کچھ آگے بڑھ کر علم کلام کو اپنے طور سے فروغ دیا گیا اور فقہ واصول کو باقاعدہ علم وتحقیق کے عنوان سے ترقی دی گئی۔ اسی ضمن میں تاریخ کو بھی فروغ دیا گیا کہ مسلم عرب نے دنیا سے Masters of History کا نام کمایا۔ اسی کے ساتھ دوسرے علوم وفنون خصوصاً سائنس اور ٹکنالوجی کی ارتقا میں مسلمانوں کا کلیدی رول رہا۔ علمی فضاؤں میں دانشورانہ روشن خیالی کا بیج بویا گیا۔ اور فصل کاٹی گئی۔ اس کھیت سے مذہبی، نسلی، قومی عصبیت جیسے کھر پتوار کو صاف کیا گیا تھا۔ اس طور سے مسلمانوں نے ازمنہ وسطیٰ کی جاہلیت کی گہری تاریکی میں علم ودانش کا چراغ روشن کیا اور اپنے حتی الامکان بڑی تابانی کے ساتھ فروزاں رکھا۔ اس طرح قدیم یونان اور آج کے یوروپ کی علمی پناہ گاہوں کے بیچ کی بڑی اہم کڑی بنے۔ اگر دانشوری کی تاریخ میں مسلمان نمودار نہ ہوتے یا دانشوری کو نہ ابھارتے تو آج علم، سائنس اور ٹکنالوجی کا نقشہ کیا ہوتا اور کتنا اندھیر بھرا ہوتا، سوچا بھی نہیں جا سکتا۔ اتنا بڑا وقفہ بڑے سے بڑے تمدن کے توانا سے توانا علمی آثار کو سرے سے مٹانے کو کافی ہوتا ہے۔

مسلمانوں کی علمی پیش رفت میں علم عمرانیات (سماجی سائنس) اور علم سیاسیات کی منزل کا آنا ناگزیر تھا۔ سیاسیات اور اس کے ضمن میں بین الاقوامی تعلقات بھی مسلمانوں کے علمی ثمرہ سے سیراب ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ ظاہر ہے، اس وقت کا بین الاقوامی منظرنامہ آج سے بالکل مختلف تھا اس لئے عصری بین الاقوامی تعلقات کی علمی تاریخ اگر گذشتہ چند صدیوں میں محدود کر دی جاتی ہے تو یہ بات اتنی قابل گرفت نہیں ہے۔ تاریخی تحقیق سے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں مسلمانوں

کے افکار ونظریات اور علمی خدمات اور مسلم فرماں رواؤں کے خسروانہ رموز واقدامات (جو اسلامی ہوں) کو سامنے لانے کی ضرورت ضرور ہے۔

آج کے سیاسی اعمال نامہ پر اسلام کی خاص چھاپ، بین الاقوامی تعلقات کے حوالے سے اسلام کا خیال اور اس تعلق سے اسلام میں علمی دلچسپی، توجہ اور اس کی اپنی اہمیت کے سبب آج دنیا بین الاقوامی تعلقات کی علمی وفکری بنیادوں اور عملی ستونوں سے اسلام کے تعلق، اس کے اثر ونفوذ کی تلاش میں ہے۔ پھر، آج اسلام کی سچی شبیہ پر کچھ فطری اور بڑے پیمانہ پر سازشی غلط فہمیوں کی جو دھند ہے اس کے پیش نظر زیادہ ضرورت ہے، دنیا اور خاص کر علمی وتحقیقی دنیا کے سامنے اسلام کی سچی اور اصلی تصویر پیش کر کے اس سلسلہ میں بھی صحیح علمی وتحقیقی اعتبار واستناد کے ساتھ فاضلانہ تحقیقی کاوش کی جائے۔ کچھ ایسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اور بین الاقوامی تعلقات کے تعلق سے اسلام کی اہمیت اور اس میں بڑھتی ہوئی علمی توجہ ودلچسپی کو دیکھتے ہوئے ایک تحقیقی کاوش ''روابط بین الملل در قرآن'' (قرآن میں بین الاقوامی تعلقات) کی تحریک ہوئی۔ ظاہر ہے قرآن اسلام کا وہ واحد بنیادی ماخذ ہے جو اسلام کے تعلق سے ہر طرح سے غیر متنازعہ ہے۔ اس طرح قرآن اسلام کے حوالہ سے کسی بھی سچی اور انصاف پسند تحقیق کا پہلا زینہ اور اعتبار کا آخری مرحلہ ہے۔ مذکورہ نگارش کے موضوع کے انتخاب میں فاضل وبابصیرت مولفین، ڈاکٹر عبداللہ امیری اور زہرا میرزائی کے پیش نظر یہی فکر رہی ہوگی۔ اپنی تمام تر علمی بے مائیگی اور نظری ناداری کے ساتھ راقم الحروف یہی عرض کر سکتا ہے کہ اپنے میں اچھوتے موضوع پر یہ علمی وتحقیقی سعی واقعی قابل قدر اور لائق نظر ہے۔ اپنے موضوع پر یہ کاوش نقش اول کہی جا سکتی ہے، جہاں فاضل مولفین نے اپنی دیدہ ریزی اور محنت ومشقت سے متعلقہ آیات کو جمع کیا ہے۔ اس لائن پر آگے کام کرنے والوں کے لئے یہ ایک کارآمد رہبری ثابت ہو سکتی ہے۔ اسلام کے حوالہ سے معاصر بین الاقوامی تعلقات کے تجزیہ میں یہ خاص ماخذ (Reference) بھی ہو سکتی ہے۔ مذکورہ تحقیقی نگارش جیسی کاوشوں سے اسلام کی بنیادی فکر کی معتبر پیش کش ضرور ہو جاتی ہے لیکن اس کے عملی پہلو پھر بھی تشنہ رہ جاتے ہیں۔

لہٰذا ضرورت ہے اس سلسلہ میں رسول مقبولؐ اور دوسری معتبر دینی ہستیوں کی (قرآنی) فکر وعمل کو بھی پیش کیا جائے۔ اس سے بین الاقوامی تعلقات کے حوالہ سے اسلام کی اہمیت، ان پر اسلام اور مسلم دانشوری کے اثر اور اس کے پھیلاو اور گہرائی کی علمی وتحقیقی پیش کش کی جاسکتی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات کے علم کے سلسلہ میں مسلمان مفکروں کے علمی نظریات وخدمات کے کھلے جائزے کی بھی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آج کی علمی وتحقیقی دنیا کی دلچسپی کے ایسے کتنے ہی موضوع ہیں جنھیں اجاگر کرنے کی حاجت ہے۔ موجودہ مذکورہ نگارش ان کی محرک بن سکتی ہے۔

مذکورۂ بالاتحقیقی نگارش کی قدردانی کا ایک انداز ہی ہے کہ ایک اور جواں سال بالغ نظر فاضل وذوی علم خان محمد صادق نے اسے اردو کا لباس عطا کرکے ایک وسیع تر حلقۂ ناظرین کے ذوق علم ونظر کے حوالے کیا ہے۔ یہ اردو ترجمہ بھی فاضل مترجم کی محنت وبصیرت کا آئینہ ہے۔ ترجمہ کی پیچیدہ وپرخار وادی کو چاک دامانی سے بچتے ہوئے پار کرنا اور وہاں زبان وبیان کی خوش اسلوبی کے نقش چھوڑنا بھی واقعی ہنرمندی کا کارنامہ ہے جو اکیلے فاضل ترجمہ نگار کے سر ہے۔

❁

زیر نظر اردو ترجمہ کی اولین قدردانی کا ثبوت 'نور ہدایت فاؤنڈیشن' لکھنؤ نے اس کی مطلوب ومطبوع علم وقلم اشاعت کی صورت میں فراہم کیا ہے۔

امید ہے اس کے باذوق قارئین بھی اسے قدردانی کی مثال بنادیں گے۔

ہاں! تالیف وترجمہ کے بلند وباوقار نقوش کے درمیان اور شاندار وخوشنما اشاعت کے سامنے اس تحریر کے حقیر راقم کی کوتاہ قدکج مج بیانی، بے لے کی راگنی، بے میل بکواس اور طفلانہ قلم کشی ضرور بے ربط لگتی ہوگی جس کے لئے بڑے ادب وخلوص کے ساتھ معذرت خواہ ہوں۔ اور بھی، میرے 'دخل در معقولات' اور نامعقول حد تک سست روئی زیر نظر نگارش کے ولولہ خیز اہل قلم اور پرحوصلہ ناشر کے ارمانوں کے راستے میں روڑا ضرور بنی ہوگی، یہ وہی چوٹل من سمجھ سکتے ہیں یا وہ ایک، من (اور جگ، سنسار) رچنے والا پالن ہار۔ میں تو بس تالیف وترجمہ کے لئے یہی دعا کرسکتا

ہوں ؎

اللہ کرے زور قلم اور زیادہ

اور ناشر کے لئے ؎

اللہ کرے نشر کا زور اور زیادہ

❁

دعا کے ساتھ تحریر ہذا کا خاتمہ خیر ہی ہوتا، مگر یہ تو خیر سے شب ۱۳/رجب دیکھ رہا ہے جو ایک خیر خلق عظیم وپاک ہستی کی مقدس پیدائش سے نسبت رکھتی ہے۔ (اور ہوشیار کرتی ہے کہ اس نادرونازش روزگار ہستی کے ذکر کے بغیر خاتمہ بالخیر کیا!) عالم انسانیت کی یہ 'عجیب وغریب' (مظہر العجائب) شخصیت اسلام میں علم وحکمت یعنی دانشوری کی اولین اور توانا ترین دستخط بھی ہے، جس کے نہج بلاغت اور طرز حیات نے دنیا کے سامنے علوم ومعارف اسلام کے دروازے کھولے ہی نہیں ان تک رسائی کی کامیاب قیادت بھی کی۔ وہ سارے اسلامی علوم، بہت سے دوسرے علوم کا اور مسلمانوں کے سبھی بڑے اور اہم عقائدی مکاتب، فقہی مسالک اور صوفی سلسلوں کا ابتدائی (اور ادھر سے دیکھا جائے تو) آخری سرا اور پکا آسرا بھی ہے۔ وہ سب سے پہلا جامع قرآن، ملت اسلامیہ کا پہلا مصنف اور پہلا فیلسوف اسلام بھی ہے۔ اتفاق سے وہ مسلم مملکت (ریاست۔قوم) کا ظاہری فرماں روا اور سربراہ بھی ہے۔ اس (علیؑ) کی جلی منجلی کتاب حیات میں اسلام کی سچی شبیہ دیکھی جاسکتی ہے۔ اس کے افکار ونظریات اور افعال واطوار سے بین الاقوامی تعلقات کے سلسلہ میں بھی صحیح اسلامی رہبری مل سکتی ہے۔ اس زاویہ سے بھی اس کی کتاب زندگی کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔

سرحد پار کے (بین الاقوامی) تعلقات کے سلسلہ میں رسول اسلامؐ کے عہد میں (جب 'مسلم امت' بالفعل ریاست۔قوم کی صورت اختیار کرچکی تھی) یمن کی جانب آپ (حضرت علیؑ) کی تبلیغی سفارتی مہم کی نمایاں کامیابی تاریخ میں ثبت ہے۔ کامیابی تو آپ کا مقدر رہی۔

تبھی تو آخر وقت فرماتے ہیں: فزت برب الکعبه

اسی فوز رقم حیات پاک کے قدموں میں ہماری ہر دینی، علمی، ادبی کاوش نذر ہے۔

م۔ر۔عابد
لکھنؤ

تاریخ ترجمہ

کتاب ''روابط بین الملل در قرآن''

از عبداللہ امیری و زہرا میرزائی

بکاوش عزیزی القدر خان محمد صادق صاحب زاد توفیقہ

آج گلزار ادب میں ہے بہار زندگی — دیکھئے عالم کا منظر کیا روابط کی بنی
دیکھئے ملکوں کے رشتے کیسے بھرتے ناز و رنگ — ایسے رشتے پڑھنے سے دانش میں ہوتی مہوشی

ایسے رشتے لیتے ہیں علم و نظر سے التفات — ایسے رشتے لیتے ہیں تحقیق کی دلبستگی
ایسے رشتوں کے لئے قرآن سے لیں روشنی — دیکھیں بھی بین الملل بنتے روابط کی لڑی
ان روابط کے قرآنی تجزیے کے واسطے — فارسی تالیف امیریؔ میرزائیؔ نے رچی
ترجمہ صادقؔ ہوا پھر دلربا انداز سے — دیکھئے اردو میں بھی اس کی سہاگن دلبری
دیکھئے اسلام کی بڑھتی ہوئی دانشوری — دیکھئے نور ہدایت کی نئی جلوہ گری

وقت نے بھی اپنے سے یوں یادگاری نقش کی — جذب صادقؔ کی ہے کاوش ترجمہ ہے کیا جلی

۲۰۰۹ء

م۔ر۔عابد
لکھنؤ

مقدمہ: موجودہ تحقیق کا دائرۂ کار

ا۔ تحقیق کے مسئلے کا بیان

بین الاقوامی تعلقات، سرحدوں کو پار کرنے والے تعلقات اور مسئلوں کا ایک مجموعہ ہے۔ یہ مسئلے حکومتوں اور سرحدوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا ہونے والے اشخاص، عمومی خصوصی گروہ اور اداروں کے درمیان تعلقات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ہم مسلمانوں کی مکمل، ابدی، آفاقی اور آسمانی کتاب قرآن مجید میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے کلیات (اعتقادی، اقتصادی، سیاسی، دفاعی اور تہذیبی) موجود ہیں۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ (نحل: آیت ۸۹)

اور ہم نے تم پر کتاب (قرآن) نازل کی ہے جس میں ہر چیز کا (شافی) بیان ہے۔

قدیم ایران، ہندوستان، چین اور یونان سے دستیاب تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش سے صدیوں قبل، اقوام وملل کے تعلقات کے بارے میں مفکر اور پڑھے لکھے لوگوں نے کچھ نظریات کو پیش کیا تھا۔ مثال کے طور پر چوتھی صدی قبل مسیح کے ہندوستانی مفکر کی تحریریں (کوٹلیہ)۔

لیکن ساتویں صدی عیسوی میں اسلام کے طلوع ہونے سے دنیا بدل گئی۔ خاتم النبیین حضرت محمدؐ، نے بعثت سے قبل بھی اور بعثت کے بعد بھی، بین الاقوامی قوانین اور تعلقات پر عمل کیا۔ جیسے حلف الفضول کا معاہدہ (بعثت سے قبل)، ان کے اصحاب کا حبشہ میں پناہ لینا (حبشہ کی طرف مسلمانوں کی ہجرت)، عقبہ اولیٰ اور عقبۂ ثانی کے معاہدے (حمایتی معاہدے)، عمومی معاہدہ اور مدینہ کا منشور (اصل میں یہودیوں سے ایک صلح نامہ تھا)، مواخات (بھائی چارے) کا معاہدہ اور انسانوں کی برابری کا بیان، تبلیغ و جہاد کے ذریعے اسلام کا پھیلاؤ، اپنے دور کی بڑی طاقتوں (Super Power) سے ٹکرانا۔

سنہ ۱۶۴۸ء عیسوی میں صلح وسٹفالیہ (Peace of Westphalia) کے معاہدے کے ذریعے سیاسی ڈھانچہ، سلطنت سے حکومت اور بعد میں بین الاقوامی نظام میں تبدیل ہوگیا۔ ۱۹۴۵ء میں دو قطبی نظام وجود میں آیا، جس میں دو طاقتیں ایک مشرق اور ایک مغرب میں دنیا پر حکومت کرتی تھیں۔ لیکن روس کے ختم ہونے سے ایک نیا آفاقی نظام یعنی تہذیبوں کے درمیان تعلقات کے وجود میں آنے کے مواقع فراہم ہوئے۔

اس باب میں اقتدار اور اس کے تشکیلی عناصر پر بحث ہوئی ہے۔ طاقت اور حکومتوں کے رویے کے سلسلے میں بین الاقوامی تعلقات کے زیادہ تر پہلو، عالمی سیاست کے منظرنامے پر سامنے آتے ہیں۔ ''اقتدار''، معنوی اور مادی عناصر کا ایک مجموعہ ہے جو قومی مقاصد کے حصول کے لئے حکومت یا گورنمنٹ (Government) نام کے ایک معین اور معلوم گروہ کے سپرد ہوتا ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں اقتدار سے مراد وہی قومی اقتدار ہے۔ کچھ عناصر مثبت یا منفی پہلو سے، حکومتوں

کی قومی اقتدار کے گھٹنے یا بڑھنے میں مؤثر ہوتے ہیں۔

چنانچہ پیغمبر اسلامؐ نے بھی اللہ کی مدد اور قرآن کی ہدایت سے، اپنی قومی طاقت کو مختلف طریقوں سے بڑھایا۔ مثال کے طور پر پیغمبر اسلامؐ نے اس سلسلے میں مندرجہ ذیل اقدامات انجام دیے: مدینے میں مرکزی حکومت کی تشکیل، لوگوں کی معیت اور محبوبیت کو اپنی طرف مرکوز کرنا، بھائی چارے اور برابری کا معاہدہ، مسلمانوں کی تعداد کو بڑھانا، مسلمانوں کو ایمان کی تقویت، افزائش علم اور ایک دوسرے سے اچھے برتاؤ کا شوق دلانا، قبول اسلام کے سلسلے میں لوگوں کو اختیار دینا نہ کہ زور وزبردستی کرنا، مذہبی جمہوریت، معاشرے میں عدل وانصاف کا قیام وغیرہ۔

دوسرا عنوان ''سفارت کاری'' ہے جو اسلام سمیت ہر دور میں اہمیت کا حامل رہا ہے۔ یہ سیاست، بین الاقوامی تنازعات کے پرامن حل کے لئے سب سے زیادہ رائج ذریعہ اور طریقۂ کار ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ڈپلومیسی اور سفیروں کے کام کو صدقہ دینے اور اچھے کام انجام دینے کے برابر قرار دیا ہے۔

تیسرے باب میں ''بین الاقوامی قوانین'' پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ بین الاقوامی قوانین، بین الاقوامی تعلقات پر حاکم قوانین کا نام ہے، جن کے اصول اور قاعدے کلی اور ابدی ہیں اور ان کا میدان عمل وسیع ہے۔ یہ اصول، نئے بین الاقوامی قوانین اور اسلامی بین الاقوامی قوانین کو مدنظر رکھتے ہوئے، اس طرح ہیں: مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنے کا اصول (Peaceful Co-Existence)، ایفائے عہد کا اصول () اور ناوابستگی کا اصول جس میں عدم مداخلت (Non-interference) اور غیر جانبداری (Impartiality) شامل ہے۔

آخری باب بین الاقوامی اتحاد اور یک جہتی پر بحث کرتا ہے۔ سعادت وکمال تک پہنچنے کے لئے، قرآن میں پیش کئے گئے نمونوں میں ایک نمونہ ''عالمی اتحاد اور یک جہتی'' بھی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات میں اس امر کی تاکید کی ہے، کیونکہ اسلام وہ دین ہے جو تمام بشریت

کے لئے بھیجا گیا ہے۔لیکن ''عالمی حکومت'' کا نظریہ، ایسی چیز نہیں ہے جو صرف اسلام میں پایا جاتا ہو، بلکہ ہر زمانے میں، وہ چاہے گزرا ہوا زمانہ ہو یا آج کا زمانہ ہو مختلف اقوام، مذاہب، ملل اور مکاتب میں اس کا بیان موجود ہے۔لہٰذا عالمی اتحاد ایک بشری نمونہ (Ideal) ہے۔اسی طرح انسانی معاشرے میں جنم لینے والا نیا تیسرا سیاسی نظام (Political System) ایک نیا نظام (System) ہے، جو مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنے (Peaceful Co-Existence) کی بنیاد پر ہے اور بین الاقوامی منظرنامے پر سب سے زیادہ اور اہم کردار انسان کو دیتا ہے، وہ انسان جو زمین پر خلیفۂ الٰہی کے منصب کے درپے ہے۔

۲۔موجودہ آثار اور لیٹریچر کا جائزہ

تحقیق کے مسئلے کے بعد، ہم دوسرے مرحلے میں پہونچتے ہیں جو موجودہ آثار کی چھان بین ہے۔اس مرحلے میں اس تحقیق میں استعمال ہونے والے کچھ آثار و تحریروں پر بحث کرتے ہیں۔اس نکتے کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ اس تحقیق میں قرآن کریم کی لگ بھگ ۲۸۶ آیتوں سے استفادہ کیا گیا ہے، پہلی بحث میں ڈاکٹر علی اصغر کاظمی کی کتاب ''روابط بین الملل در تئوری و عمل'' (بین الاقوامی تعلقات نظریہ اور عمل میں) کا تجزیہ و تحلیل کیا گیا ہے۔موصوف بین الاقوامی تعلقات کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے ہوئے، معتقد ہیں کہ مختلف قوموں کے در میان بیرونی سیاست یا (Political Process) کا ان کے کلی مفہوم میں تجزیہ و تحلیل، بین الاقوامی تعلقات کے مطالعے میں شامل ہے۔چنانچہ بین الاقوامی تعلقات کے عناصر کی چھان بین کرتے ہوئے، حکومتوں کو اصلی کھلاڑی (Player) کے طور پر تعارف کراتے ہیں۔حاکمیت اور اقتدار کے نفاذ کے وسائل، حکومتوں کے ہاتھ میں ہے جو کہ سیاسی اداروں (Political Organisations) کی سب سے اعلیٰ نمونے ہوتی ہیں اور قوموں کے نمائندہ مانی جاتی ہیں۔اصلی کھلاڑیوں کے ساتھ

ساتھ، دیگر عناصر بھی موجود ہیں جو بین الاقوامی تعلقات میں فرعی اور مجازی کردار ادا کرتے ہیں۔ جیسے بین الاقوامی ادارے اور کثیر قومی (Multinational) یا (Transnational) کمپنیاں۔

کتاب ''اصول سیاست خارجی و سیاست بین الملل'' (خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی سیاست کے اصول)، مصنفہ دکتر سید عبدالعلی قوام میں ہم دیکھتے ہیں کہ انھوں نے بین الاقوامی تعلقات کے مطالعے کی تاریخ اور بین الاقوامی نظام اور بین الاقوامی سیاست پر حاوی اصول پر بحث کی ہے اور اس سلسلے میں پیش کئے جا چکے مختلف نظریات سے استفادہ کرنے کی کوشش کی ہے۔انھوں نے اقتدار جو بین الاقوامی سیاست کا ایک اہم مقولہ ہے، پر مؤثر عناصر کو چھ قسموں میں جائزہ لیا ہے:

۱۔نظریہ (Ideology)

۲۔سماجی۔انسانی عناصر (Socio-Anthropological Factors)

۳۔سیاسی عناصر (Political Factors)

۴۔جغرافیائی عناصر (Geographical Factors)

۵۔دفاعی عناصر (Defencieve Factors)

۶۔اقتصادی عناصر (Economical Factors)

جیسا کہ ہانس مورگنتا (H ans Morgenthan) اپنی کتاب '' سیاست میان ملتہا'' (قوموں کے درمیان سیاست) میں کہتے ہیں ''حکومتیں جب بین الاقوامی منظرنامے پر قوم کے نمایندوں کی حیثیت سے سامنے آتی ہیں، تو اپنی قوم کی طاقت کو نافذ کرتی ہیں اور ان کی سیاست کو بروئے کار لاتی ہیں۔'' موصوف اقتدار کے مختلف قسموں کو بیان کرتے ہوئے اس بات کے قائل ہیں کہ ''سیاسی اقتدار ایک نفسیاتی رابطہ ہے ان لوگوں کے درمیان جو طاقت کو نافذ کرتے ہیں اور وہ لوگ جن پر طاقت نافذ ہوتی ہے۔''

اگلے تجزیے میں ہم کتاب ''حقوق بین الملل اسلامی''، مصنفہ ڈاکٹر سید خلیل خلیلیان کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں، بین الاقوامی قوانین (International Laws) کو نئے بین الاقوامی قوانین کے منابع اور بین الاقوامی اسلامی قوانین کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ بین الاقوامی قوانین کے سلسلے میں، قرآن کریم کی آیات کے بیان کے علاوہ، مسلم اور غیر مسلم مفکروں کے نظریات کا بھی جائزہ لیا ہے۔ وہ چار کلی اور بنیادی اصولوں کو بین الاقوامی تعلقات پر کار فرما جانتے ہیں: مل جل کرامن سے ایک ساتھ رہنے ک کا اصول(Peaceful Co-Existence)، عالمی مشن(Universal Mission) کا اصول، ایفائے عہد کا اصول، ناوابستگی کا اصول یعنی عدم مداخلت (No interference) اور غیر جانبداری(Impartiality)۔

۳۔موجودہ تحقیق کا مقصد

بین الاقوامی تعلقات کے علم کا میدان بہت وسیع ہے۔ یہ وہ علم ہے جو کہ پچھلے دوصدی سے روایتی(Classical) انداز میں پیش ہوا ہے اور کالجوں میں اس کی تدریس ہورہی ہے۔ اس سلسلے میں بعض کتابیں اور نظریات بھی پیش ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں، جن میں سے بعض، عالمی تغییر وتحول اور زمان ومکان کے تقاضوں کے مدنظر، نظریاتی اور عملی طور پر قابل قبول ہیں اور بعض تحقیق طلب اور قابل تنقید ہیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کا علم حقیقت میں وہ علم ہے جو قوموں کے درمیان تعلقات کا مطالعہ کرتا ہے۔

قرآن میں، جو ایک مکمل، عالمی اور دوامی کتاب اور دین اسلام کی کتاب ہے، وہ دین جو دیگر مذاہب الٰہی کی بہ نسبت جوان ہے اور اس کے پیغمبر کی بعثت کے بارے میں بھی دیگر مذاہب میں مختلف طریقوں سے بشارت دی گئی ہے، بین الاقوامی تعلقات کی کیفیت کا تذکرہ ہے اور بین

الاقوامی قوانین، غیروں سے رابطہ اور عالمی معاشرے کے اتحاد کے بارے میں بات ہوئی ہے۔

لیکن ایک نئی، وسیع اور قید مکان وزمان سے آزاد بصیرت کے ذریعے، انسان کی ترقی سے متعلق مسائل کو آیات الٰہی سے مطابقت دے کر اور مختلف قوموں میں ایک دوستانہ اور سچا تعلق قائم کر کے ایک عالمی سماج تک پہونچا جاسکتا ہے۔ واحد عالمی سماج۔ اس طریقے سے ہم قرآن کو اس کی کس مپرسی سے نکال کر، ایک فعال تہذیب(Dynamic Culture) کی صورت میں سماج کی رگ و پے میں ڈال سکتے ہیں۔

۴۔عملیاتی تعریف(Operational Definition)

اس نکتے کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ اس تحقیق میں ''قرآن کی روشنی میں بین الاقوامی تعلقات'' کے موضوع پر بحث وگفتگو ہوئی ہے۔ اس طرح اس موضوع میں بنیادی محور(Independent Variable) ''قرآن'' اور وابستہ محور(Dependent Variabke) ''بین الاقوامی تعلقات'' ہے۔ اب ہم اس کی عملیاتی تعریف کرتے ہیں: بین الاقوامی تعلقات، حکومتوں اور قوموں کے درمیان تعلقات کا تجزیہ وتحلیل ہے۔

۵۔موضوع پر موثر عناصر:

بین الاقوامی تعلقات وقوانین اور بعض اسلامی قوانین وقواعد کے درمیان اشتراک اور ان کے پھیلاؤ کے اسباب تلاش کرنے میں، کچھ عناصر، موضوع پر موثر عناصر کے نقطہ نظر سے قابل توجہ ہیں:

الف۔حلف الفضول کا معاہدہ۔(بعثت سے قبل)۔ یہ وہ معاہدہ تھا جس کے رو سے مکے میں داخل ہونے والے اجنبی لوگوں کی (اگر چہ مکے میں ساکن کسی بھی قبیلے کے فرد نہ ہوں) حمایت کی جاتی تھی اور ان پر کوئی ظلم وناانصافی ہونے نہیں دیا جاتا تھا۔ یہ معاہدہ ان معاہدوں میں سے ہے جن

میں بعثت سے قبل پیغمبر اسلام خود شریک تھے۔

ب۔ **حبشہ کی طرف ہجرت**۔ سنہ ۵ بعثت، ۶۱۵ء میں پیغمبرؐ نے مسلمانوں کی جان وایمان کی حفاظت کے مدنظر، اپنے ساتھیوں کو مکے سے حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔

ج۔ **مدینہ کا منشور**(Charter of Madina): مدینے کی طرف ہجرت کے بعد، پیغمبرؐ نے جو اقدامات کئے ہیں ان میں بنیادی ۔اسلامی منشور(Fundamental Islamic Charter) کی تدوین بھی شامل ہے۔ یہ منشور جو کہ ایک عام معاہدہ تھا، بالواسطہ طور سے قبائلی ڈھانچے کی تبدیلی کا باعث بنا، کیونکہ اس میں بیان کیے گئے سماجی حقوق(Social Rights)، قبیلوں کے ذریعے مانے گئے حقوق کے خلاف تھے نیز اختلافات حل کرنے کے طریقے ،قبایلی نظام سے مختلف اور اس سے متعارض تھے۔

د۔ **تفریق**(Discrimination) کو ختم کرنا: **(اِنَّ اَکْرَمَکُم عِندَاللہِ اَتْقاکُم)** پیغمبرؐ نے مؤمن، مہاجر و انصار، گورے اور کالے، عرب وعجم، غنی وفقیر اور قوی وضعیف کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کر کے، ان کے درمیان بھائی چارا اور برابری پیدا کی۔ اللہ کے فرمان کے مطابق ایک انسان کی دوسرے انسان پر فوقیت کا معیار صرف اس کے ایمان اور تقویٰ ہے۔

ی۔ **بین الاقوامی قوانین کی ،اسلامی حکومتوں اور قوموں کے ذریعے قبولیت**: اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوئے کہ اسلامی حکومتیں، ملک کے اندر اسلامی قوانین سے بہرہ مند ہوتی ہیں، لیکن ملک کے باہر اور بین الاقوامی منظرنامے پر، اقوام متحدہ کے رکن ہونے کی وجہ سے، اس کے عالمی مقاصد کے حصول کے لئے مختلف طریقوں سے اس ادارے کے ساتھ تعاون کرتی ہیں۔ جیسا کہ بعض اسلامی مما لک نے صدام کے خلاف پہلی خلیجی جنگ(First Gulf War) میں، اقوام متحدہ سے تعاون کیا۔

۶۔ **تحقیق کے نظریات** (Theories) کا بیان: اوپر بیان کئے جا چکے عناصر کے

بنیاد پر، قرآن میں بین الاقوامی تعلقات اور قوانین کے مشترکات کے سلسلے میں دو نظریے پیش کئے جا سکتے ہیں:

الف۔ مختلف قسم کی تفریق اور بے انصافی کی رد، بین الاقوامی تعلقات وقوانین اور قرآن کے مشترکہ امور میں ہیں۔

ب۔ انسانی فطرت اور مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنے (Peaceful Co-Existence) کے بنیاد پر عالمی اتحاد، بین الاقوامی تعلقات وقوانین اور قرآن کے مشترک باتوں میں ہے۔

۷۔ نظریات کو جانچنے کا طریقہ:

اس حصے میں تحقیق کی یہ کوشش ہے کہ پیش کئے گئے دونوں نظریات کو اصلی نظریہ کے طور پر پیش کرے۔ لہٰذا ان کو جانچنے کے لئے صرف اثباتی طریقہ استعمال کریں گے۔ نظریات کے اثبات میں، مختلف قسم کے ظلم و بے انصافی کی رد، اور دوسری طرف انسانی فطرت اور مل جل کر ایک ساتھ رہنے(Peaceful Co-existence) کے بنیاد پر بین الاقوامی تعلقات وقوانین اور قرآن کے درمیان سب سے اہم مشترک عامل یعنی ''عالمی اتحاد'' پر بحث وگفتگو ہوئی ہے۔

۸۔ نظریات کی جانچ:

يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ

(حجرات، ۱۳)

لوگو! ہم نے تو سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے قبیلہ اور برادریاں بنائیں تا

کہ ایک دوسرے کی شناخت کریں۔اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو،بے شک خدا بڑا واقف کار خبردار ہے۔

اس آیت پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ سارے انسان برابر ہیں اور ان کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اگر مختلف قبیلے موجود بھی ہیں تو وہ رنگ ،زبان اور ان کی نسل کی وجہ سے ہے،اور یہ خصوصیات بھی فطرت سے ہم آہنگ ہونے کی وجہ سے ہیں اور کسی طرح کا حق یا امتیاز کسی کے لئے پیدا نہیں کرتا ہے۔اگر کوئی امتیاز (Privilege) ہوگا،تو وہ صرف پرہیزگاری کی وجہ سے اور وہ بھی اللہ کے نزدیک ہوگا، نہ کہ سماجی زندگی میں۔

قانون مساوات سارے انسانوں کے لئے برابر ہے، چاہے مرد ہو یا عورت، جیسا کہ خداوند عالم بعض آیتوں میں ارشاد فرماتا ہے کہ ہم کسی کے کام کو...... چاہے وہ مرد ہو یا عورت......ضایع نہیں کرتے اور جو بھی اچھا کام کرے گا...... چاہے وہ مرد ہو یا عورت......وہ اس دنیا میں ایک پاک زندگی پائے گا اور آخرت میں جنتی ہوگا اور اپنے کام کی جزا اچھی طرح لے گا اور ہلکا سا بھی ظلم اس پر نہیں کیا جائے گا۔

۱۔فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لاأُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ (آل عمران:۱۹۵)

تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول فرمائی (اور فرمایا کہ)ہم تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو اکارت نہیں کرتے مرد ہو یا عورت۔

۲۔وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَئِکَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلايُظْلَمُونَ نَقِيرًا۔(نساء:۱۲۴)

اور جو شخص اچھے کام کرے گا (خواہ)مرد ہو یا عورت اور ایماندار(بھی)ہو تو ایسے ہی لوگ بہشت میں(بے کھٹکے)جا پہنچیں گے اور ان پر تل بھر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔

۳۔مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيوٰةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ(نحل:۹۷)

مرد ہو یا عورت جو شخص نیک کام کرے گا اور وہ ایماندار بھی ہو تو ہم اسے (دنیا میں بھی)پاک و پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور (آخرت میں بھی)جو کچھ وہ کرتے تھے اس کا اچھے سے اچھا اجر و ثواب عطا فرمائیں گے۔

۴۔مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلايُجْزَىٰ إِلاَّ مِثْلَهَا وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُوْلَئِکَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُونَ فِيهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ۔(مومن:۴۰)

جو برا کام کرے گا تو اسے بدلا بھی ویسا ہی ملے گا اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت مگر ایماندار ہو تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے۔وہاں انہیں بے حساب روزی ملے گی"۔

حضرت رسولؐ نے خود منشور مدینہ کے ذریعے مسلمانوں اور یہودیوں، نیز "اِنَّما المومِنونُ اِخوۃٌ" کی آیت کے بنیاد پر، مومنین مہاجر و انصار کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کرکے

اسلامی سماج میں، برابری کی اصل اور تفریق کی نفی کو عملی جامہ پہنایا۔اس طرح تقویٰ کو جو انسانوں کی برتری کا باعث ہے،فوقیت حاصل ہوئی۔

۱۔وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى (بقرہ:۱۹۷)"اور زاد راہ مهیا کرو،بیشک بهترین زادِ تقوی هے"۔

۲۔أُوْلَئِکَ الَّذِینَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوبَهُمْ لِلتَّقْوَى (حجرات:۳)

یهی لوگ هیں جن کے دلوں کو خدا نے پرهیزگاری کے لئے جانچ لیا هے۔

۳۔فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (شمس:۸)

پهر اس کی بدکاری اور پرهیزگاری کو اسے سمجها دیا۔

اس آیت میں اللہ نے تقویٰ کے نقطہ مقابل کو فجور سے یاد کیا ہے۔

۴۔وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰہَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (طلاق:۲

اور جو خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کے لئے نجات کی صورت نکال دے گا۔

۵۔وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰہَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْرًا (طلاق:۴)

اور جو خدا سے ڈرتا هے اللہ اس کے کام میں سهولت پیدا کرے گا۔

۶۔تِلْکَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا (مریم:۶۳)

یهی وہ بهشت هے کہ همارے بندوں میں سے جو

پرهیزگار هوگا هم اسے اس کا وارث بنائیں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ عدل کا حکم دیتا ہے۔اور "اِنَّ اللّٰہَ یَامُرُ بِالْعَدْلِ وَ الاِحْسانِ"(نحل:۹۰) کا زندہ اور گرانقدر نعرہ،سب سے زیادہ مضبوط حکم ہے جو ہمیشہ ریاونفاق سے دور عمل اور اصالت کے ساتھ انسانی تاریخ کے اوراق پر چمکا ہے۔جیسا کہ دوبارہ ارشاد ہوتا ہے:

"وَ اِذا حَکَمْتُمْ بَینَ النّاسِ اَنْ تَحْکُمُوا بِالْعَدْلِ"(نساء:۵۸)

اور جب لوگوں کے باهمی جهگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کر۔

گواہی وقضاوت کے بارے میں فرماتا ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا کُونُوا قَوَّامِینَ بِالْقِسْطِ (نساء:۱۳۵)

اے ایمان والوں! مضبوطی کے ساتھ انصاف پر قائم رهو۔

جیسا کہ حضرت پیغمبرؐ فرماتے ہیں:"ایک گھنٹہ عدالت،ستر سال عبادت سے بہتر ہے"۔اور حضرت علیؑ فرماتے ہیں:"دوست اور دشمن سے عادلانہ برتاؤ کرو"۔اسلامی قضاوت میں عدل وانصاف اور مساوات کی مراعات،سب سے زیادہ چمک کے ساتھ جلوہ گر ہوتی ہے اور اسلامی قضاوت،دقیق (Precise) اور تعجب خیز برابری کا ضامن ہے۔

جیسا کہ فرانسیسی گوستاولبون () لکھتے ہیں:"مسلم معاشرے میں،مساوات و برابری درجۂ کمال پر ہے۔اور وہ برابری جس کا جلوہ گاہ یورپ میں صرف کتابوں اور تحریروں تک محدود ہے،اسلام میں عملاً موجود ہے۔یورپ میں موجود سخت وشدید طبقاتی اختلاف،اسلام میں یکسر نہیں

ہے۔''اسی طرح اسلام میں ہر طرح کے ظلم وستم سے مقابلہ کیا جاتا ہے اور کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت کی جاتی ہے۔

۱۔يُدْخِلُ مَنْ يَشَاءُ فِي رَحْمَتِهِ وَالظَّالِمُونَ مَا لَهُمْ مِنْ وَلِيٍّ وَلَانَصِيرٍ(شوریٰ:۸)

جس کو چاهتا هے (هدایت کر کے) اپنی رحمت میں داخل کر لیتا هے اور ظالموں کا تو (اس دن) نه کوئی یار هے اور نه مددگار۔

۲۔ فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ إِنَّهُ لَايُحِبُّ الظَّالِمِين(شوریٰ:۴۰)

جو شخص معاف کردے اور (معامله) کی اصلاح کردے تو اس کا ثواب خدا کے ذمه هے، بے شک وه ظلم کرنے والوں کو پسند نهیں کرتا هے۔

۳۔وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُوْلَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ۔ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ(شوری:۴۲، ۴۱)

اور جس پر ظلم هوا هو اگر وه اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نهیں۔الزام تو بس انهیں لوگوں پر هوگا جو لوگوں پر ظلم کرتے هیں اور روئے زمین پر ناحق زیادتیاں کرتے پھرتے هیں، انهیں لوگوں کے لئے دردناک عذاب هے۔

آج کے بین الاقوامی تعلقات میں بھی یہ اصول قائم ہیں۔ چنانچہ اقوام متحدہ کے منشور کو مرتب کرنے میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ بڑی اور چھوٹی حکومتوں کے درمیان ماضی (۱۹۴۵ء سے قبل) کی بہ نسبت زیادہ عملی برابری پیدا ہوجائے اور اسی لئے بین الاقوامی ادارے اور کانفرنسوں کے منظر نامے پر، رائے دہی کے سلسلے میں نئی تبدیلیاں پیدا کی گئی ہیں۔ بین الاقوامی فیصلوں میں اتفاق رائے کے اصل کی تعدیل اور بعض مواقع پر اکثریت آرا کے کافی ہونے کو، بین الاقوامی اداروں اور تنظیموں کو جمہوریت کے راہ پر لگانے کے سلسلے میں ایک فتح سمجھنا چاہئے۔

ان سب کے باوجود یہ کہنا پڑے گا کہ آج تک جیسا کہ ہونا چاہئے، بڑی اور چھوٹی حکومتوں کے دونوں گروپوں کو راضی کرنے کے لئے کوئی قطعی راہ حل نہیں مل سکا ہے، کیونکہ عملی برابری اور نظری برابری کے درمیان کچھ تعارضات پائے جاتے ہیں۔ایک طرف آج کی حکومتیں، وسعت، طاقت، آبادی اور پیسے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اتنا فرق رکھتی ہیں کہ ان کو برابر نہیں مانا جاسکتا ہے اور دوسری طرف یہ بھی نہیں مانا جاسکتا ہے کہ بڑی، ترقی یافتہ اور دولتمند حکومتیں، اپنی امتیازات کی وجہ سے جو انھوں نے صحیح طریقے سے حاصل کئے ہیں، چھوٹی حکومتوں پر حکومت کریں اور یہاں تک کہ بعض اوقات ان کی ترقی کے راہ میں حائل ہوں۔

لیکن آج کے دور میں اقوام متحدہ کی یہ کوشش ہے کہ اس مشکل کو حل کرے۔اقوام متحدہ عالمی امن، سلامتی اور اقتصادی، سیاسی، سماجی اور بین الاقوامی تہذیب کی ترقی کی غرض سے، ملکوں کو ہماہنگ کر کے، طاقتوں کو جمع کر کے اور ان میں تعاون پیدا کر کے، اور حکومتوں کی حاکمیت کو معتدل کر کے، یہ چاہتا ہے کہ طاقت، قانون اور سرکاری وغیر سرکاری اداروں کی ذمہ داریوں کو اصل عدالت کی بنیاد پر تعیین کرے۔اس بیچ تمام بشری اجتماعات کے افراد، تعاون اور لگاؤ کی وجہ سے ایک دوسرے کے جیسی سیاسی اور اقتصادی حالت کے مالک ہوجائیں گے۔اور اسی حالت کا تسلسل ان کو ایک عملی برابری سے جو کہ ہمیشہ سے فلاسفہ اور قانون دانوں کی آرزو تھی، نزدیک کرے گا۔

بین الاقوامی قانون میں انصاف کا اصول، ایک فطری مفہوم ''عدالت'' سے ماخوذ ہے اور بین الاقوامی عدالت، متعدد مقامات پر اپنا فرض سمجھتی ہے کہ عدالت کے نافذ کرنے والے کی حیثیت سے، اس کو نافذ کرے۔ اس عدالت کے نظر مطابق، انصاف ایک انتزاعی (Abstract) اصول نہیں ہے بلکہ یہ معیار قانون (Law Standard) پر منطبق اور قابل پیشنگوئی اصول ہے۔ بین الاقوامی عدالت کے اساس نامہ کے حصہ دو، دفعہ ۳۸ کے مطابق، بین الاقوامی تنازعات کے تصفیہ میں، فریقین کے درمیان موافقت و مصالحت اور انصاف کی غرض سے، عدالت، انصاف و استحسان کے اصول کے مطابق فیصلہ صادر کرسکتی ہے۔

بین الاقوامی منظر نامے پر بھی، اسلام کی طرح ہر قسم کے ظلم وستم اور تبعیض سے مقابلہ کیا جاتا ہے، جیسا کہ حقوق بشر، طاقت کے عدم استعمال، کیمیاوی، نیوکلیائی اور بایولاجیکل ہتھیاروں کے استعمال کی ممانعت، عالمی صلیب احمر (Red Cross) جیسی تنظیم جو جنگ، زلزلہ وغیرہ سے متاثرہ افراد کی مدد کی کوشش کرتے ہیں، کی حمایت کے سلسلے میں مختلف کنونشن (Convention) اور توافق نامے، بین الاقوامی دنیا میں پاس کئے جا چکے ہیں۔ مثال کے طور پر مختلف ملکوں کے معاہدات میں اقلیتوں کی حمایت کی شرط، جیسے بلغاریہ اور یونان کے مابین ۱۹۱۹ء کا کنونشن، جنگی مجرموں پر دفعہ ۲۲۷ کے تحت مقدمہ، پہلی عالمی جنگ کے بعد وارسا (Warsw Pact) کا معاہدہ، جنرل اسمبلی کا ۱۹۴۶ء کی قرارداد جس میں بین الاقوامی قوانین اور امن کے خلاف جرم کی مذمت (Condemn) شامل تھی۔ قتل عام سے ممانعت اور اس کی سزا کے لئے جنرل اسمبلی کا کنونشن (۱۹۴۸ء)، نسلی منافرت کے ساری شکلوں کے خاتمے کے لئے بین ا لاقوامی کنونشن مصوب ۱۹۶۵ء۔

قرآن میں، جو قید زمان و مکان سے باہر، ابدی، مکمل اور آفاقی کتاب ہے، اتحاد کے سلسلے میں اس طرح بیان ہوا ہے: ''سارے انسان واحد فطری طبیعت کے مالک ہیں اور شروع

میں ایک امت تھے اور اس کے بعد خود اختلاف کر کے، فرقہ فرقہ ہو گئے۔''

۱۔ فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (روم:۳۰)

یھی خدا کی بناوٹ ھے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ھے۔

۲۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلاَّ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا (یونس:۱۹)

اور سب لوگ تو (پھلے) ایک ھی امت تھے

۳۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً (ھود:۱۱۸)

اور اگر تمھارا پروردگار چاھتا تو بیشک تمام لوگوں کو ایک ھی (قسم کی) امت بنادیتا۔

اللہ تعالیٰ اتحاد کی تعریف اس طرح بیان کرتا ہے:

۴۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران:۱۰۳)

خدا کی رسی مضبوطی سے تھامے رھو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور اپنے حال زار پر خدا کے احسان کو تو یاد کرو جب تم آپس میں (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو خدا نے تمھارے دلوں میں (ایک دوسرے کی) الفت پیدا کردی تو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ھو گئے

اور تم گویا سلگتی ہوئی آگ کی بھٹی کے لب پر (کھڑے تھے) کہ خدا نے تم کو اس سے بچا لیا تو خدا اپنے احکام کو یوں واضح کر کے بیان کرتا ہے تا کہ تم راہ راست پر آجاو"۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو الفت و مودت کی نعمت عطا کیا ہے۔ قرآن، اختلاف پیدا کرنے والے عناصر اور مختلف فرقوں کے باوجود، ان کو ایک واحد مقصد کی سمت چلتے ہوئے ایک منظم قافلہ جانتا ہے اور ان کو ہمہ گیر انتظام کی دعوت دیتا ہے اور اسی حالت کو انسانی سماج کی پہلی کیفیت اور انسان کے مستقبل کا ایک مطلوب اور معقول شکل جانتا ہے۔ اسلام، انسانوں کو عالمی اتحاد کی دعوت دیتا ہے اور تفرقہ و اختلاف سے روکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اپنے پیغمبر کو تمام لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے:

۱۔ هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَی وَدِینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَی الدِّینِ كُلِّهِ وَكَفَی بِاللّٰهِ شَهِیدًا (فتح:۲۸)

وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تھا تا کہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور گواہی کے لئے تو بس خدا کافی ہے۔

۲۔ إِنَّ الَّذِینَ فَرَّقُوا دِینَهُمْ وَكَانُوا شِیَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِی شَیْءٍ (انعام: ۱۵۹)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فریق بن گئے تمھیں ان سے کوئی سرو کار نہیں۔

اسلام نے انسانی اتحاد اور تمام انسانوں کے فرائض اور حقوق میں برابری پر انحصار کرتے ہوئے، مسلمانوں کو امن پسند پالیسی اپنانے کو کہتا ہے جس کے ماتحت ان کے آپسی تعلقات نیز دیگر

قوموں سے ان کے تعلقات بنیں۔ چنانچہ عالمی اتحاد، امن اور قوموں کے ساتھ مل جل کر ایک ساتھ رہنے (Peacefull Co-existence) کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ امن، انسانوں کو ایک دوسرے سے جان پہچان اور تعاون کا ذریعہ فراہم کرتا ہے اور لوگوں میں نیکیوں کے پھیلنے کا باعث ہوتا ہے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِی السِّلْمِ كَافَّةً۔ (بقرہ:۲۰۸)

ایمان والو! تم سب کے سب اک بار اسلام میں پوری طرح داخل ہوجاؤ۔

چنانچہ اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں سب سے پہلے بندوں کو صلح و صفائی اپنانے کی دعوت دیتا ہے:

وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِینَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَیْنَهُمَا (حجرات: ۹)

اور اگر مومنین کے دو فریق آپس میں لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرادو۔

عالمی اتحاد ایسا مسئلہ ہے جس کا نہ صرف اسلام و قرآن میں تذکرہ ہوا ہے، بلکہ ماضی و حال کے دوسرے مذاہب، اقوام و ملل اور مکاتب فکر میں بھی ذکر ہوا ہے اور اس کی باقاعدہ تائید و حمایت ہوئی ہے۔

تاریخ کی سمت کو، جو کہ بین الاقوامی معاشرے کے عالمی ہونے کی طرف بڑھ رہی ہے اور جس کے آثار اب کچھ کچھ ظاہر بھی ہو رہے ہیں، مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا پڑے گا کہ بین الاقوامی تعلقات اور اس کے زیر اثر میں بین الاقوامی قانون، ترقی اور عالمی ہونے (Globolization) کی سمت بڑھ رہے ہیں۔ ہر بین الاقوامی ادارے کا وجود میں آنا حقیقت میں عالمی ہونے کی سمت ایک قدم ہے۔ چنانچہ انجمن اقوام (Leage Of Nations) اور اس کے بعد اقوام متحدہ (United Nations Organization) کے قیام کو انسانوں کا آرمان (Heman Ideal)، بین الاقوامی

سماج اور عالمی اتحاد، کے وجود کا نقطۂ آغاز مانا جا سکتا ہے۔ اس طرح تیسرا نظام جو انسانی سماج میں وقوع پذیر ہو رہا ہے وہ ایک عالمی نظام ہے۔

ایسا نظام جس میں تمام سماجی ،سیاسی ،اقتصادی،علمی ،تہذیبی اوردفاعی ابعاد (Dimensions) ،ایک عالمی صورت اختیار کریں گے۔ ایسا نظام جس میں سارے انسان مقامی (Locale)طور پر سوچیں گے،لیکن عالمی طور پر عمل کریں گے۔اس نظام کے طفیل حکومتوں کے اختیارات معتدل ہوگئی ہیں،جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت گھٹ گئی ہے،بین الاقوامی تعلقات میں کلیدی کردار(Key Role)انسانوں کو دیا گیا ہے۔حکومتیں جمہوری ہیں،حکومتوں کے باہمی ربط،یگانگت اورتعاون، بین الاقوامی قانون کے منظم ہونے کا باعث ہوتا ہے۔اس نظام میں داخلی قانون اور بیرونی قانون کی برابری(Monoism) ظاہر ہوتی ہے اور داخلی قانون کو بین الاقوامی قانون کے دائرہ میں وضع کیا جاتا ہے۔نیا عالمی نظام حقیقت میں نسلی،قومی اورلسانی تعصّبات سے دور،انسانی ارادے کے بنیاد پر مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنے(Peaceful Co-existence)،شایستہ سالاری اورعدالت کے نفاذ کے لئے ہے،اوراسلام میں ''تقویٰ'' اسی مفہوم کو اچھی طرح بیان کرتا ہے۔

عالمی ہونا ایک ایسا عمل ہے جس میں تمام سماجی ،اقتصادی،سیاسی اور تہذیبی تبدیلیاں ایک ایسا نظام وجود میں لاتیہیں جو ماضی سے ممتاز ہے،اوراسی وجہ سے اسے ''نئی نظم'' کہتے ہیں ،چونکہ یہ ایک یا چند ملکوں کے ارادے سے باہر ہے۔اصولاً انسانی سماج میں ،ثروت اور سیاسی ،سماجی وتہذیبی عناصر کی عادلانہ تقسیم کے لئے مفہوم ''عدالت'' کی ضرورت،اور جو کچھ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی پر عمل کے ذریعہ انسان کے سعادت وکمال کا مقصد بیان ہوا ہے، کے در میان سب کے لئے ایک مشترکہ نقطہ وجود میں لاتا ہے،جس کو ہم ''وحدت میں کثرت'' کہہ سکتے ہیں۔

۹۔ تحقیق کا نظام:

یہ تحقیق ایک مقدمہ اور پانچ ابواب پر مشتمل ہے جو حسب ذیل ہیں:

پہلا باب: قرآن اور بین الاقوامی تعلقات

دوسرا باب: اقتدار اور اس کے عناصر

تیسرا باب: بین الاقوامی تعلقات میں سفارت کاری

چوتھا باب: بین الاقوامی قوانین اور اس کے رہبر اصول

پانچواں باب: عالمی اتحاد

۱۰۔ تحقیق کا طریقہ کار:

اس کاوش میں تحقیق سے متعلق مواد کی جانچ ،مطالعہ اور جمع کرنے کے لئے کتابخانہ کے طریقے سے مدد لی گئی ہے۔

باب ۱

قرآن
اور
بین الاقوامی
تعلقات

قرآن

تعریف:

لغت میں قرآن کے معنی، فراہم کرنے اور کسی چیز کو دوسری چیز میں تبدیل کرنے کے ہیں۔(۱) یہ رجحان اور غفران کے وزن پر مصدر ہے، مادہ'' قراء'' سے مشتق ہوا ہے، جو پڑھنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔(۲)

جیسا کہ راغب اصفہانی کہتے ہیں:''ان حروف وکلمات کے پڑھنے کو جو ایک دوسرے کے پاس اکٹھا ہوتے ہیں، قرائت کہتے ہیں۔قرآن اصل میں مصدر ہے اور پیغمبر اسلامؐ پر نازل کی گئی کتاب سے مخصوص ہے۔جیسا کہ بعض علما نے کہا ہے کہ آسمانی کتابوں میں اس کتاب کو'قرآن' سے مسمیٰ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب، تمام کتب آسمانی کے آثار و فوائد بلکہ تمام علوم کی جامع ہے۔''(۳) اس لفظ کا ایک معنی والا مادہ ہے'قاف وراء وحرف معتل ہمزہ'، جو کہ جمع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔(۴)

لفظ'' قرآن'' سب سے پہلے سورۂ مزمل کی چوتھی آیت میں آیا ہے جو جابر بن زید اور ابن

(۱) علی اکبر دہخدا، **لغتنامۂ دہخدا**، زیر نظر محمد معین و سید جعفر شہیدی، (تہران: انتشارات دانشگاہ تہران، ۱۳۷۳)، مادہ

'قراءُ'/لویس معلوف، **المنجد**، ج اول، (تہران: انتشارات اسلام، ۱۳۷۹)، مادہ 'قراءُ'، ص ۶۱۷۔

(۲) حسین جوان آراستہ، **درسنامۂ علوم قرآنی**، ج چہارم، (قم: انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی حوزۂ علمیۂ قم، ۱۳۷۹)، ص ۴۴

(۳) الراغب الاصفہانی، **معجم مفردات الالفاظ القرآن**، تحقیق: ندیم مرعشی، المکتبۃ المرتضویۃ الاخبار الآثار الجعفریۃ، ۱۳۹۲ ہ۔ق۔۔ ۱۹۷۲م۔

(۴) ابی الحسین احمد بن فارس بن زکریای رازی، معجم مقائیس اللغۃ، (قم، انتشارات دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۳۶۲)، مادہ 'قری'۔

عباس کی مشہور و معروف حدیث کے مطابق ترتیب نزولی کی حساب سے تیسرا سورہ ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرآنَ تَرتیلاً (مزمل: ۴)

اور قرآن کو اچھی آواز سے ٹھر ٹھر کر پڑھو۔

مفسرین اور قرآن پر تحقیق کرنے والوں نے قرآن کے مختلف نام گنوائے ہیں، جو زیادہ تر قرآن کے اوصاف مانے جاتے ہیں۔لیکن ان میں پانچ عنوان، قرآن کے نام کے صورت میں بیان ہوئے ہیں، جن میں سے چار کا ذکر قرآن میں بھی ہوا ہے:

۱۔قران:

بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَجِيدٌ (بروج: ۲۱) یہ نام قرآن میں ۵۵ مرتبہ اسی صورت میں اور ۹ مرتبہ ''قرانًا'' کی صورت میں آیا ہے۔

۲۔کتاب:

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ (ص: ۲۹) یہ نام قریب سو جگھوں پر استعمال ہوا ہے۔

۳۔ذکر:

هَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ (انبیاء: ۵۰، حجر: ۹) یہ لفظ ۲۰ جگھوں پر قرآن کے لئے

استعمال ہوا ہے۔

۴۔فرقان:

تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلَى عَبْدِهِ (فرقان: ۱)

قرآن کا پانچواں نام ''مصحف'' ہے، جس کا ذکر قرآن میں نہیں ہوا ہے بلکہ پیغمبرؐ کی رحلت کے بعد قرآن کے ایک جلد میں جمع ہونے کی وجہ سے رائج ہوا۔(۱)

(۱) حسین جوان آراستہ، ایضاً، ص ۳۷ و ۴۲۔

قرآنی قوانین کی ہمہ گیری(۱)

قرآن سارے انسانوں، تمام ادوار اور ہر جگہ کے لئے ہمیشہ رہنے والی، جامع مکمل اور آفاقی کتاب ہے۔قرآن ایک عالمی کتاب ہے، کیونکہ قوموں میں ایک خاص قوم، جیسے قوم عرب یا مختلف گروہوں میں ایک خاص گروہ جیسے مسلمانوں کے لئے نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنی آیات میں اسلام سے خارج قومیں جیسے مشرکین، کفار، یہود، نصاریٰ اور مجوسیوں سے الگ الگ بات کی ہے اور ان کو اسلام کی دعوت دیہے۔مثلاً فرماتا ہے:

فَإِنْ تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ (توبہ: ۱۱)

اگر (اب بھی شرک سے) توبہ کریں اور نماز پڑھنے لگیں اور زکات دیں تو تمھارے دینی بھائی ھیں۔

یا دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ

اللہ (آل عمران: ۶۴)

تم ان سے کهه دو که اے اهل کتاب تم ایسی (ٹھکانے کی) بات پر تو آؤ جو همارے اور تمهارے درمیان یکساں هے که خدا کے سوا کسی کی عبادت نه کریں، اور کسی چیز کو اس کا شریک نه بنائیں اور خدا کے سوا هم میں سے کوئی کسی کو اپنا پروردگار نه بنائے۔

(۱) سید محمد حسین طباطبائی، **قرآن در اسلام**، ج نہم، (قم: انتشارات اسلامی، ۱۳۷۸)، ص ۲۰-۴۰۔

ہاں، اسلام نے، طلوع ہوتے ہی ، زمان اور مکان ونسل کی تمام بندشوں کو ختم کردیا۔ اسلام کی دعوت دینے والی آیتیں بھی عام ہیں، صرف پیغمبرؐ کے زمانے اور سعودیہ عربیہ کے جغرافیائی حدود اور عربوں اور مسلمانوں سے مختص نہیں ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَذَا الْقُرْآنُ لِأُنذِرَكُم بِهِ وَمَن بَلَغَ (انعام: ۱۹)

اور میرے پاس یه قرآن وحی کے طور پر اس لئے نازل کیا گیا تا که میں تمهیں اور جسے (اس کی) خبر پهنچنے اسکے ذریعے سے ڈراؤں۔

اور وہ آیتیں جہاں قرآن کا خطاب سارے لوگوں (ناس) سے ہے:

۱۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ نَذِيرٌ مُبِينٌ (حج: ۴۹)

تم کهه دو که لوگو! میں تو صرف تم کو کهلم کهلا (عذاب سے) ڈرانے والا هوں۔

۲۔ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (اعراف: ۱۵۸)

تم (ان لوگوں سے) کهه دو که میں تم سب لوگوں کے

پاس اس خدا کا بهیجا هوا (پیغمبر) هوں۔

۳۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ (سبا: ۲۸)

هم نے تو تم کو تمام (دنیا کے) لوگوں کے لئے خوشخبری دینے والا ڈرانے والا (پیغمبر) بنا کر بهیجا مگر بهتیرے لوگ (اتنا بهی) نهیں جانتے هیں۔

۴۔ وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ (نحل: ۴۴)

اور تمهارے پاس قرآن نازل کیا هے تا که جو احکام لوگوں کے لئے نازل کئے گئے هیں تم ان سے صاف صاف بیان کردو۔

بعض آیتیں، عام الفاظ کو استعمال کر کے، تمام لوگوں پر دلالت کرتی ہیں:

۱۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (انبیاء: ۱۰۷)

هم نے تو تم کو سارے دنیا جهاں کے لوگوں کے حق میں از سر تا پا رحمت بنا کر بهیجا هے۔

۲۔ وَغَدَوْا عَلَى حَرْدٍ قَادِرِينَ (قلم: ۲۵)

۳۔ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ (ص: ۸۷)

یه (قرآن) تو بس سارے جهاں کے لئے نصیحت هے۔

۴۔ إِنَّهَا لَإِحْدَى الْكُبَرِ ، نَذِيرًا لِلْبَشَرِ (مدثر: ۳۵،۳۶)

وہ(جھنم)بھی ایک بھت بڑی (آفت) ھے
(اور)لوگوں کوڈرانے والی ھے۔

قرآن کریم، انسانیت کے مکمل مقصد اور تمام ابعاد زندگی (اعتقادات، اخلاق، سماجی، سیاسی، تہذیبی، علمی، اقتصادی دفاعی وغیرہ) کی کلیات پر مشتمل کتاب ہے:

۱۔إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ(اسراء:۹)

اس میں شک نھیں کہ یہ قرآن اس راہ کی ھدایت کرتا ھے جو سب سے زیادہ سیدھی ھے۔

۲۔يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقٍ مُسْتَقِيمٍ(احقاف:۳۰)

سچے(دین)اور سیدھی راہ کی ھدایت کرتی ھے۔

۳۔وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ(نحل:۸۹)

اور ھم نے تم پر کتاب(قرآن)نازل کی جس میں ھر چیز کا(شافی)بیان ھے۔

اسی طرح قرآن مجید دوسری آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتے ہوئے، انبیائے ماسبق کی شریعتوں کی حقیقت پر مشتمل ہے:

۱۔وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ(مائدہ:۴۸)

(اے رسول)ھم نے تم پر بھی برحق کتاب نازل کی کہ جو کتاب (اس کے پھلے سے) اس کے وقت میں موجود

ھے،اس کی تصدیق کرتی ھے اور اس کی نگھباں(بھی) ھے۔

۲۔شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى(شوری:۱۳)

اس نے تمھارے لئے دین کا وھی رستہ مقرر کیا ھے جس (پر چلنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور (اے رسول)اسی کی ھم نے تمھارے پاس وحی بھیجی ھے اور اسی کا ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا۔

۳۔هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ(فتح:۲۸)

وہ وھی تو ھے جس نے اپنے رسول کو ھدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے۔

قرآن ہمیشہ باقی رہنے والی کتاب ہے، کیونکہ اس کے قاعدے اور قانون، ترقی یافتہ اور نئے زمانے کے لئے بھی ہیں۔اور زمانی، مکانی، سیاسی اور سماجی شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے، ہر شعبے سے متعلق کوئی نہ کوئی بات، قرآنی آیت میں مل سکتی ہے اور اس سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، لہٰذا یہ ایک بے مصرف کتاب نہیں ہوگی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ(طارق:۱۴) اور لغو نھیں ھے۔

اسلام کے اخلاقی اور اعتقادی اصول نیز اس کے عملی قوانین، خالص حقیقتیں اور واقعیات کا نتیجہ ہے۔ثابت شدہ حقیقتیں اور واقعیات کو باطل نہیں کیا جاسکتا ہے اور یہ گزرتے ہوئے زمانے کے ساتھ منسوخ بھی نہیں ہوتے ہیں۔وَبِالْحَقِّ أَنزَلْنَاهُ وَبِالْحَقِّ

نَزَلَ''(اسراء:۱۰۵) یعنی اپنے حادث ہونے اور بقا کے لئے حق سے جدا نہیں ہوا، کیونکہ حق کے بعد گمراہی وضلالت کے سوا کچھ نہیں ہے۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلاَّ الضَّلاَلُ''(یونس:۳۲)

پھر حق کے بعد گمراھی کے سوا اور کیاھے۔

قرآن نا قابل تحریف اور نا قابل تردید ہے۔

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ، لاَيَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلاَمِنْ خَلْفِهِ(فصلت:۴۲)

اور یہ قرآن تو یقینی ایک عالی رتبہ کتاب ھے کہ جھوٹ نہ تو اس کے آگے پھٹک سکتاھے نہ اس کے پیچھے۔

قرآن کے سلسلے میں ہماری بصیرت جتنی وسیع وعمیق ہوتی جاتی ہے اور جتنا زیادہ تحقیق و مطالعہ کیا جاتا ہے، اتنے ہی قرآنی آیات سے نئے نئے راز اور باتیں حاصل ہوتی جاتی ہیں، اور اس معجزۂ الٰہی کی تراوت وتازگی بڑھتی جاتی ہے۔پیغمبرؐ کے قول کے مطابق:''قرآن کا ظاہر خوبصورت اور اس کا باطن عمیق ہے۔اس کی ایک حد ہے اور اس حد کے بعد دوسری حد ہے۔اس کے اعجاز ختم نہیں ہوتے ہیں اور اس کی تازگی پرانی نہیں ہوتی ہے۔''

امام جعفر صادقؑ اس تازگی کی وجہ یوں بیان فرماتے ہیں:''ایسا اس وجہ سے ہے کہ قرآن ایک خاص زمانہ، خاص دور اور خاص لوگوں کے لئے نازل نہیں ہوا ہے۔قرآن ہر زمانے اور تمام لوگوں کے لئے ہے۔اس لئے ہر زمانے اور تمام لوگوں کے لئے اس میں تازگی مل سکتی ہے۔''(۱)

جہان آفرینش (عالم مخلوقات) میں انسان کی منزلت

معاشرے کے بنیادی عنصر کو، انسانوں کا ایک گروہ شکل دیتا ہے، وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ نے دیگر موجودات پر مسلط کیا:

أَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَافِي السَّمَاوَاتِ وَمَافِي الْأَرْض (لقمان:۲۰)

جو کچھ آسمانوں میں ھے اور جو کچھ زمین میں ھے (غرض سب کچھ) خدا ھی نے یقینی تمھارا تابع کر دیاھے۔

(۱) **مجموعہ مقالات محمدؐ خاتم پیامبران**، (مرتضیٰ مطہری، مقالہ ختم نبوت)، (تہران: انتشارات حسینیہ ارشاد، ۱۳۴۷، ص ۵۷۴-۵۷۲

خداوند عالم انسان کو بہترین اور اشرف المخلوقات قرار دیتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً (اسرا:۷۰)

اور ھم نے یقیناً اولاد آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں ان کو (جانوروں کشتیوں کے ذریعے) لئے پھرے اور انھیں اچھی اچھی چیزیں کھانے کو دیں اور اپنے بھتیرے مخلوقات پر ان کو اچھی خاصی فضیلت دی۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت اور خوبصورت ترکیب سے خلق کیا اور اس میں اپنی روح پھونکی اور اس کو ذاتی شرافت عطا فرمائی:

الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ وَبَدَأَ خَلْقَ الْإِنسَانِ مِنْ طِينٍ (۷) ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهُ مِنْ سُلاَلَةٍ مِنْ مَاءٍ مَهِينٍ (۸) ثُمَّ سَوَّاهُ وَنَفَخَ فِيهِ مِنْ

رُوحِهِ (سجدہ:۷،۸،۹)

وہ قادر جس نے جو چیز بنائی خوب (درست) بنائی اور انسان کی ابتدائی خلقت مٹی سے کی پھر اس کی نسل (انسانی جسم کے) خلاصہ یعنی (نطفہ کے سے) ذلیل پانی سے بنائی پھر اس (کے پتلے) کو درست کیا اور اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی۔

اس کو خلیفۂ الٰہی اور زمین پر اپنے جانشین کا مقام عطا فرمایا:

إِنِّی جَاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً (بقرہ:۳۰)

میں اپنا ایک نائب زمین میں بنانے والا ہوں۔

اس کو بلند علمی مقام (علم اسماء) عطا کیا:

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ (بقرہ:۳۱)

آدم کو سب چیزوں کے نام سکھادئے پھر فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

فرشتوں کو آدم پر سجدہ کرنے کا حکم دیا:

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ (بقرہ:۳۴)

جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب کے سب جھک گئے مگر شیطان نے انکار کیا۔

انسان کو عقل واختیار عطا کیا، جب کہ دیگر جاندار اس سے عاری ہیں۔ عقل انسانوں کی صلاحیتوں کے پھلنے پھولنے اور انسانی۔ ربانی علوم ومعارف کے پھیلنے کا باعث ہوتی ہے۔ اور ارادہ واختیار، رشد وکمال کے لامحدود راستوں کو اس کے لئے ہموار کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے:

فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا (شمس:۸)

پھر اس کی بدکاری اور پرہیزگاری کو اسے سمجھایا۔

اس کو زندگی کے راستے کو منتخب کرنے کے لئے آزاد چھوڑ دیا ہے اور فرماتا ہے:

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف:۲۹)

اور (اے رسول) تم کہہ دو کہ سچی بات (کلمہ توحید) تمہارے پروردگار کی طرف سے (نازل ہو چکی ہے) بس جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔

یہ انسان ہی ہے جو اپنے کو قرب الٰہی اور اوج کمال یا اسفل السافلین 'سب سے ادنیٰ درجے' تک پہنچا سکتا ہے۔ یہ انسان ہے جس کو اپنے بارے میں فیصلہ کرنا ہے اور اپنے آخری انجام کو خود ہی معین کرنا ہے اور اپنے اعمال کی ذمہ داری بھی خود قبول کرنا ہے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کے اللہ تعالیٰ، انسان کے تمام جوانب کو ہر طرح کے اندھے تعصب سے دور، تقویٰ کے خوبصورت ترازو سے جانچتا ہے اور اہمیت دیتا ہے۔

اسلام

کتاب ''مفردات راغب'' میں مادہ ''سَلَمَ'' کے عنوان میں یوں لکھا ہے:

''السِّلمُ و السَّلامة ،التَعَزی مِنَ الافاتِ الظَّاهِرةِ و الباطِنَةِ وَ الاسلامُ الدُّخول فِی السِّلم''۔

یعنی بے شک، سلامتی، ظاھری و باطنی آفات سے دور رھنا ھے، اور اسلام یعنی سلامتی و تندرستی میں داخل ھونا۔''

''السین و اللام و المیم،معظم بابهِ مِنَ الصحَّةِ و العَافیةِ فالسّلامة أن یَسلِمَ الانسانُ مِنَ العَاهَةِوَ الاذی۔''(۱)

اس کلو احد معنی و الامادھے، اور اس کے اکثر ابواب، سلامتی و تندرستی کے لئے استعمال ھوتے ھیں۔ سلامتی یعنی انسان، آفت، رنج و آزار سے سلامت ھو۔

لفظ اسلام کے مشتقات

اَسلَمَ: تسلیم ہوا، گردن کو جھکا دیا، مسلمان ہوا، واگزار کر دیا، (باب افعال کا ماضی)۔ قرآن میں تکرار ۲۲/مرتبہ

سَلَمَ: سلام کیا، حوالے کیا، سلامتی میں دیا (باب تفعیل کا ماضی)۔ قرآن میں تکرار ۶/مرتبہ

-

(۱) ابی الحسین، احمد بن فارس بن زکریای رازی، **معجم مقائیس اللغة**، تحقیق: عبد السلام محمد ہارون، (قم: دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۴۰۴ق۔)، مادہ ''سَلَمَ''۔

سِلم: صلح، آرامش (ثلاثی مجرد کا مصدر)۔ قرآن میں تکرار ۱/مرتبہ

سَلم: اطاعت کرنا، تسلیم (ثلاثی مجرد کا مصدر)۔ قرآن میں تکرار ۵/مرتبہ

سَلام: تحیت کے ساتھ صلح، درود، شاباشی (باب تفعیل کا مصدر)۔ قرآن میں تکرار ۲/مرتبہ

سَالِم: تندرست، (ثلاثی مجرد کا اسم فاعل)۔ قرآن میں تکرار ۱/مرتبہ

سَلیم: اخلاقی اور اعتقادی بیماریوں سے پاک (وزن فعل پر صفت مشبہ)۔ قرآن میں تکرار ۲/مرتبہ

مُسلم: مسلمان، اسلام کا ماننے والا۔ (باب افعال سے اسم فاعل)۔ قرآن میں تکرار ۴۳/مرتبہ

مُسَلَّم: ہر عیب و نقص سے سلامت (باب تفعیل سے اسم مفعول)۔ قرآن میں تکرار ۳/مرتبہ

مُستَسلم: تسلیم ہوا، سلامتی کا طالب (باب استفعال سے اسم فاعل) قرآن میں تکرار ۱/مرتبہ

سُلَّم: سیڑھی (اسم جنس) قرآن میں تکرار ۲/مرتبہ

سلیمان: خدا کے پیغمبروں میں سے ایک پیغمبر کا نام۔ حضرت داود کے فرزند (سلمان کا اسم مصغر) قرآن میں تکرار ۱۷ مرتبہ۔

لفظ اسلام کے معانی

باب افعال (اسلام) سے مادہ ''سَلَمْ'' کے لئے کچھ معانی بیان ہوئے ہیں:

۱۔ نفس، عمل اور عبادت کو خدا کے لئے خالص کرنا (۱)

(۱) طبرسی، ابوعلی الفضل بن حسن، **مجمع البیان**، نرم افزار ترجمہ وتفسیر قرآنیجا۔ ۴۰۱ نشر حدیث اہل بیت علیہم السلام۔ / **مجمع البحرین**، ج ۶، ص ۸۶۔/ تفلیسی، حبیش، **وجوہ قرآن**، تصحیح مہدی محقق، ص ۲۰۔

۲۔ دلی یقین کے بغیر اقرار و تصدیق۔ (۱)

۳۔ جنگ میں ہتھیار ڈالنے والا، حاکم کے اقتدار کے سامنے فرماں بردار (سر جھکانے والا)۔ (۲)

۴۔ فرماں برداری، بندگی کا اقرار۔ (۳)

لہٰذا اسلام وہ دین ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے سر جھکانے اور اس کی فرمانبرداری کو، سعادت کی انتہا، اصلی مقصد اور سب سے اعلیٰ انسانی کمال جانتا ہے۔ یہ ہر موحد کا دین ہے اور قرآن کریم نے بھی ہمیں خبر دی ہے کہ تمام انبیائے ماسبق کا دین یہی تھا۔ لیکن یہود، نسل کو انسانی کمال جانتے ہیں اور معتقد ہیں کہ شرافت میں، اللہ کے نزدیک، کوئی بھی فرزندان یعقوب تک نہیں پہنچ سکتا ہے، چاہے مطیع ہو یا عاصی۔ عیسائی کہتے ہیں کہ کوئی خدا کے فرزند کی اطاعت کے بغیر سعادت مند نہیں ہوسکتا حتیٰ کہ خود انبیاء۔ خدا انسان کی صورت میں ظاہر ہوا اور مارا گیا تا کہ سب کے گناہوں کو ختم کردے۔

اسلام کی ایک ظاہری اور قانونی صورت ہے: جس نے بھی کلمۂ شہادتین زبان پر جاری کرلیا وہ مسلمانوں کے مسلک میں داخل ہوجاتا ہے اور اسلامی احکام اس پر نافذ ہوجاتے

ہیں۔ لیکن ایمان، حقیقی اور باطنی امر ہے اور اس کی منزل انسان کا دل ہے، نہ کہ اس کی زبان اور اس کا ظاہر۔ پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں:

''الاسلامُ علانیۃ و الایمان فی القلب''۔

اسلام ایک کھلا ہوا امر ہے، لیکن ایمان دل میں ہوتا ہے۔

(۱) طبرسی، ابوعلی الفضل بن حسن، **ایضاً**۔/ مصطفوی، حسن، **التحقیق فی کلمات القرآن**، ج ۵، ص ۲۰۔

(۲) طبرسی، ابوعلی الفضل بن حسن، **ایضاً**۔/ طباطبائی، محمد حسین، **المیزان فی تفسیر القرآن**، ج ۱۵، (بیروت: مؤسسۃ الاعلمی، ۱۳۹۴ق۔۔ ۱۹۷۴م۔) ص ۳۹۳۔

(۳) طبرسی، ابوعلی الفضل بن حسن، **ایضاً**، ج ۸، ص ۷۰۷۔

لہٰذا یہاں پر ''تسلیم'' کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ تسلیم کی منزل ایک ایسی منزل ہے جو توکل و رضا کی منزل سے بلند ہے۔ ''تسلیم'' یعنی انسان خدا کے مقابلے میں کسی چیز کا مالک نہ ہو اور اپنی زندگی کو مکمل طور پر خدا کے سپرد کردے۔ اگر ''رضا'' کی حالت میں کہتا تھا 'پسند کرتا ہوں اس کو جو محبوب پسند کرتا ہے'، تو ''تسلیم'' کی حالت کہے حکم وہی ہے جو تو کہے، لطف وہی جو تو کرے۔

''تسلیم'' کو تین مرحلوں میں تقسیم کیا گیا ہے: تسلیم جسم، تسلیم عقل اور تسلیم قلب۔ بدن کا تسلیم ہونا ظاہری ہے لیکن عقل وفکر، دلیل ومنطق کی رو سے تسلیم ہوتی ہے، اور قلب کی تسلیم، دل سے اعتقاد اور فرد کا مطیع وفرماں بردار ہونا ہے، جو کہ ایمان وعمل کے ساتھ ہوتا ہے۔ لہٰذا بیان کئے گئے معنی کے مدنظر، اسلام کو امن وسلامتی کا دین کہا جاسکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (بقرہ: ۲۰۸)

اے ایمان والو! تم سب کے سب اکبار اسلام میں (پوری طرح) داخل ہوجاؤ۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ تمام مومنین کو امن وسلامتی کی دعوت دیتا ہے۔ امن وسلامتی

صرف ایمان کے پرتو میں ممکن ہے۔صرف ایمان کی معنوی طاقت کے استعمال کے ذریعے تمام نوع انساں ختلافات کے باوجود، بھائی بھائی کی طرح ایک دوسرے کے قریب آ کر عالمی حکومت کی تشکیل کر سکتے ہیں اور امن ودوستی ہر طرف سایہ فگن ہوسکتی ہے۔لفظ اسلام قرآن میں ۸ مرتبہ اوراس کے مادے سے ۱۴۰ مرتبہ استعمال ہوا ہے اوراس کے مشتقات ۱۴ مرتبہ قرآن میں آئے ہیں۔

اسلام کے سلسلے میں آیتیں

۱۔مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلاَنَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِين۔(آل عمران:۶۷)

ابراهیم نہ تو یهودی تھے نہ نصرانی بلکہ نرے کھرے حق پرست تھے (اور) فرمانبردار(بنے) اور مشرکوں سے بھی نہ تھے۔

۲۔إِنَّ أَوْلَى النَّاسِ بِإِبْرَاهِيمَ لَلَّذِينَ اتَّبَعُوهُ وَهَذَا النَّبِيُّ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاللهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ۔(آل عمران:۶۸)

ابراهیم سے زیادہ خصوصیت تو اِن لوگوں کو تھی

جو ان کی پیروی کرتے تھے اور اس پیغمبر اور ایمانداروں کو (بھی)ھے اور مومنوں کا خدامالک ھے۔

۳۔وَإِذْيَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَمِنْ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَاتَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔(بقرہ:۱۲۷)

اور جب ابراهیم و اسماعیل خانۂ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رھے تھے (اور دعا مانگتے جاتے تھے) اے ھمارے پروردگارھماری(یہ خدمت)قبول کر،بے شک تو ھی (دعاکا) سننے والا (اور نیت کو)جاننے والا ھے۔

۴۔رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ۔ (بقرہ:۱۲۸)

اے ھمارے پالنے والے تو ھمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنا اور ھماری اولاد سے ایک گروہ (پیدا کر) جو تیرا فرمانبردار ھواور ھم کو ھمارے حج کی جگھیں دکھا دے،اور ھماری توبہ قبول کر۔بے شک تو ھی بڑا توبہ قبول کرنے والا مهربان ھے۔

۵۔وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًاوَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ(بقرہ:۱۳۵)

(یهودی عیسائی مسلمانوں سے) کھتے ھیں کہ

یهودی یا نصرانی هو جاؤ تو راہ راست پر آجاو گے (اے رسول ان سے) کهه دو که هم ابراهیم کے طریقه پر هیں جو باطل سے کترا کر چلتے تهے اور مشرکین سے نه تهے۔

۶۔ أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللهِ وَمَا اللهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ (بقرہ:۱۴۰)

کیا تم کهتے هو که ابراهیم و اسماعیل و اسحاق و اولاد یعقوب یه سب کے سب یهودی یا نصرانی تهے (اے رسول ان سے) پوچهو تو که تم زیاده واقف هو یا خدا۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم هو گا جس کے پاس خدا کی طرف سے گواهی (موجود) هو (که وه یهودی نه تهے) اور پهر وه چهپائے، اور جو کچھ تم کرتے هو خدا اس سے بے خبر نهیں۔

۷۔ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ (بقرہ:۱۴۱)

یه وه لوگ تهے جو سدهار چکے هیں۔ جو کچھ وه کما گئے ان کے لئے تها اور جو کچھ تم کماو گے تمهارے لئے هو گا۔ اور جو کچھ وه کر گزرے اس کی پوچھ گچھ تم سے نه هو گی۔

۸۔ وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا (نساء:۱۲۵)

اور اس شخص سے دین میں بهتر کون هو گا جس نے خدا کے سامنے اپنا سر تسلیم جهکادیا اور وه نیکو کار بهی هے اور ابراهیم کے طریقه پر چلتا هے جو باطل سے کترا کے چلتے تهے، اور خدا نے ابراهیم کو تو خالص دوست بنالیا۔

۹۔ إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَائَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللهِ فَإِنَّ اللهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ (آل عمران:۱۹)

دین تو خدا کے نزدیک یقیناً اسلام هے اور اهل کتاب نے جو (اس دین حق سے) اختلاف کیا تو محض آپس کی شرارت اور (اصلی امر) معلوم هو جانے کے بعد (هی کیا هے) اور جس شخص نے خدا کی نشانیوں سے انکار کیا تو (وه سمجھ لے کے خدا اس سے) بهت جلد حساب لینے والا هے۔

۱۰۔ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ (آل عمران:۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی خواهش کرے تو اس کا وه دین هرگز قبول هی نه کیا جائے گا اور وه آخرت میں سخت گهاٹے میں رهے گا۔

۱۱۔ فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا
لَاتَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَايَعْلَمُونَ (روم:۳۰)

تو (اے رسول) تم باطل سے کترا کے اپنا رخ دین کی طرف کئے رھو۔یھی خدا کی بناوٹ ھے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ھے خدا کی (درست کی ھوئی) بناوٹ میں (تغیر) تبدل نھیں ھوسکتا ۔یھی مضبوط اور (بالکل سیدھا) دین ھے۔مگر بھت سے لوگ نھیں جانتے۔

۱۲۔قُلْ آمَنَّا بِاللهِ وَمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنْزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ
وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ
وَعِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ
مُسْلِمُونَ (آل عمران:۸۴)

(اے رسول ان لوگوں سے) کھه دو ھم تو خدا پر ایمان اور جو (کتاب) ھم پر نازل ھوئی اور جو (صحیفے) ابراھیم اور اسماعیل اور اسحاق یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل ھوئے اور موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو (جو کتاب) ان کے پروردگار کی طرف سے عنایت ھوئیں (سب پر ایمان لائے) ھم تو ان میں سے کسی ایک میں بھی فرق نھیں کرتے اور ھم تو اسی (یکتا خدا) کے فرمانبردار ھیں۔

۱۳۔شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ

وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ
وَلَاتَتَفَرَّقُوا فِيهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِينَ مَا تَدْعُوهُمْ إِلَيْهِ اللهُ يَجْتَبِي
إِلَيْهِ مَنْ يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ يُنِيبُ (شوریٰ:۱۳)

اس نے تمھارے لئے دین کا وھی رسته مقرر کیا جس (پر چلنے) کا نوح کو حکم دیا تھا اور (اے رسول) اسی کی ھم نے تمھارے پاس وحی بھیجی ھے اور اسی کا ابراھیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی حکم دیا تھا۔(وہ) یه ھے که دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقه نه ڈالنا۔جس دین کی طرف تم مشرکین کو بلاتے ھو وہ ان پر بھت شاق گذرتا ھے ۔خدا جس کو چاھتا ھے اپنی بارگاہ کا برگزیدہ کرلیتا ھے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اپنی طرف (پھنچنے) کا رسته دکھادیتا ھے۔

۱۴۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُوا بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ
الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا
مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ (ھود:۱۱۶)

پھر جو لوگ تم سے پھلے گذرچکے ھیں ان میں کچھ لوگ ایسے عقل والے کیوں نه ھوئے جو (لوگوں کو) روئے زمین پر فساد پھیلانے سے روکا کرتے (ایسے لوگ تھے تو) مگر بھت تھوڑے سے اور یه انھیں لوگوں سے تھے جن کو ھم نے (عذاب) سے بچالیا اور جن لوگوں نے نافرمانی کی

تھی وہ اِن ہی (لذتوں) کے پیچھے پڑے رہے جو انھیں دی گئی تھیں اور یہ لوگ مجرم تھے۔

۱۵۔وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرَى بِظُلْمٍ وَأَهْلُهَا مُصْلِحُونَ (ہود:۱۱۷)

اور تمہارا پروردگار ایسا (بے انصاف) کبھی نہ تھا کہ بستیوں کو زبردستی اجاڑ دیتا اور وہاں کے لوگ نیک چلن ہوں۔

۱۶۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لاتَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لايَأْلُونَكُمْ خَبالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ (آل عمران:۱۱۸)

اے ایمانداروں اپنے (مومنین کے) سوا غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ (کیونکہ) یہ غیر لوگ تمھاری بربادی میں کچھ کسر اٹھا نہیں رکھیں گے (بلکہ) جتنا تم زیادہ تکلیف میں پڑو گے اتنا ہی یہ لوگ خوش ہونگے ۔دشمنی تو ان کے منہ سے ٹپکتی پڑتی ہے اور جو (بغض و حسد) ان کے دلوں میں بھرا ہے وہ کہیں اس سے بڑھ کر ہے ہم نے تم سے اپنے احکام صاف صاف بیان کردیے ہیں اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

۱۷۔الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ

لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (مائدہ:۳)

آج میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔اور تمہارے (اس) دین اسلام کو پسند کیا۔پس جو شخص بھوک میں مجبور ہو جائے (اور) گناہ کی طرف مائل بھی نہ ہو (اور کوئی چیز کھالے) تو خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۸۔إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِ (انبیاء:۹۲)

بے شک یہ تمہارا دین (اسلام) ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔

۱۹۔وَتَقَطَّعُوا أَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ إِلَيْنَا رَاجِعُونَ (انبیاء:۹۳)

اور لوگوں نے باہم (اختلاف کر کے) اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا (حالانکہ) وہ سب کے سب پھر کے ہمارے پاس آنے والے ہیں۔

۲۰۔وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِااللهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ (حج:۷۸)

اور جو حق جهاد کرنے کا هے خدا کی راہ میں جهاد کرو۔اسی نے تم کو برگزیدہ کیا اور امور دین میں تم پر کسی طرح کی سختی نهیں کی،تمهارے باپ ابراهیم کے مذهب کو(تمهارا مذهب بنادیا هے) اسی(خدا)نے تمهارا پهلے هی سے مسلمان(فرمانبردار بندے) نام رکها اور اس قرآن میں بهی(تو جهاد کرو)تاکہ رسول تمهارے مقابلہ میں گواہ بنیں اور تم تمام لوگوں کے مقابلہ میں گواہ بنو اور تم پابندی سے نماز پڑها کرو،زکات دیتے رهو اور خدا کے احکام کو مضبوط پکڑو،وهی تمهارا سرپرست هے تو کیا اچها سرپرست هے اور کیا اچها مددگار هے۔

۲۱۔وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (مومنون:۵۲)

یہ(دین اسلام)تم سب کا مذهب ایک هی مذهب هے اور میں تم لوگوں کا پروردگار هوں تو بس مجه هی سے ڈرتے رهو۔

۲۲۔وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلاَّ مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنتُمْ صَادِقِينَ (بقرہ:۱۱۱)

اور(یهود) کهتے هیں کہ یهود(کے سوا) اور (نصاریٰ کهتے هیں کہ) نصاریٰ کے سوا کوئی جنت میں جانے هی نہ پائے گا۔یہ ان کے خیالی پلاؤ هیں۔اے رسولؐ تم

ان سے کهو کہ بهلا اگر تم سچے هو کہ هم هی جنت میں جائیں گے تو اپنی دلیل پیش کرو۔

۲۳۔ بَلَى مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلاَ خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلاَ هُمْ يَحْزَنُونَ (بقرہ:۱۱۲)

هاں البتہ جس شخص نے خدا کے آگے اپنا سر جهکادیا اور اچهے کام بهی کرتا هے تو اس کے لئے اس کے پروردگار کے یهاں اس کا بدلہ(موجود هے) اور آخرت میں ایسے لوگوں پر کسی طرح کا خوف هوگا اور نہ ایسے لوگ غمگین هوں گے۔

۲۴۔یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلاَ تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (بقرہ:۲۰۸)

ایمان والو تم سب کے سب اکبار اسلام میں (پوری طرح)داخل هوجاؤ اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو وہ تمهارا یقینی ظاهر بہ ظاهر دشمن هے۔

۲۵۔أُوْلَئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (بقرہ:۲۲۱)

یہ (مشرک مرد هو یا عورت)لوگوں کو دوزخ کی طرف بلاتے هیں اور خدا اپنی عنایت سے بهشت اور بخشش کی طرف بلاتا هے اور اپنے احکام صاف صاف بیان کرتا هے تا کہ یہ لوگ چیتیں۔

۲۶۔ أَفَمَنْ شَرَحَ اللهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلاَمِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللهِ أُوْلَئِكَ فِي ضَلاَلٍ مُبِينٍ (زمر:۲۲)

تو کیا وہ شخص جس کے سینے کو خدا نے قبول اسلام کے لئے گشادہ کردیا ھے تو وہ اپنے پروردگار کی ھدایت کی روشنی پر چلتا ھے ، گمراھوں کے برابر ھوسکتا ھے ۔افسوس تو ان لوگوں پر ھے جن کے دل خدا کی یاد سے (غافل ھوکر) سخت ھوگئے ھیں یہ لوگوں صریحی گمراھی میں (پڑے)ھیں۔

۲۷۔ وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِمَّنْ دَعَا إِلَى اللهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَقَالَ إِنَّنِي مِنَ الْمُسْلِمِينَ (فصلت:۳۳)

اور اس سے بھتر کس کی بات ھوسکتی ھے جو (لوگوں کو) خدا کی طرف بلائے اور اچھے اچھے کام کرے اور کھے کہ میں بھی یقیناً (خدا کے) فرمانبردار بندوں میں ھوں۔

۲۸۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (صف:۹)

وہ وھی ھے جس نے اپنے رسول کو ھدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے اور تمام دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرکین برا ھی کیوں نہ مانیں۔

۲۹۔ وَمَا أُمِرُوا إِلاَّ لِيَعْبُدُوا اللهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا

الصَّلاَةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ (بینۃ:۵)

اور انھیں تو بس یہ حکم دیا گیا تھا کہ نرا کھرا اسی کا اعتقاد رکھ کے باطل سے کترا کے خدا کی عبادت کریں اور پابندی سے نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کرتے رھیں اور یھی سچا دین ھے۔

۳۰۔ إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ (۱) وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللهِ أَفْوَاجًا (۲) فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا (نصر: تمام سورہ)

(اے رسول) جب خدا کی مدد آپھنچے گی اور فتح (مکہ) ھو جائے گی اور تم لوگوں کو دیکھو گے کہ غول در غول خدا کے دین میں داخل ھورھے ھیں تو تم اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرنا اور اسی سے مغفرت کی دعا مانگنا وہ بے شک بڑا معاف کرنے والا ھے۔

۳۱۔ وَإِذَا يُتْلَى عَلَيْهِمْ قَالُوا آمَنَّا بِهِ إِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا مِنْ قَبْلِهِ مُسْلِمِينَ (قصص:۵۳)

اور جب ان کے سامنے یہ پڑھا جاتا ھے تو بول اٹھتے ھیں کہ ھم تو اس پر ایمان لا چکے ھیں بے شک یہ ٹھیک ھے اور ھمارے پروردگار کی طرف سے ھے ھم تو اس کے پھلے ھی سے مانتے تھے۔

دین اسلام

دین اسلام، ایسا دین ہے جس کے ظاہری قوانین، انسان کی تمام ضرورتوں اور خیر وشر کے تمام احکام پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ اس کو لانے والی مقدس ہستی نے اپنی عمر کے آخری حصے میں صریحاً فرمایا ہے:

يَا ايُّها النَّاس مَامِن شَيئٍ يُقربُكم الی اللّٰهِ وَ يُبَحِّدَ كُم عَنِ النّار الا وَ قَد اَمَرتُكم بهِ وَ مِن يُبَعِّدَ كُم عَن اللّٰهِ وَ يُقَرَبُكم الى النّار الا قَد نَهيكُم عَنهُ۔

اے لوگوں ! کوئی شیء ایسی نہ تھی جو تم کو خداسے نزدیک اور اگ سے دور کرتی، مگر یہ کہ میں نے اس کاحکم دیا، اور کوئی شیء ایسی نہ تھی جو تم کو اللہ سے دور اور اگ سے نزدیک کرتی، مگر یہ کہ میں نے اس سے منع کیا۔

اسلام ایسا دین ہے جس کے کے احکام فطری، جس کے معارف حسی، اور حقایق قابل مشاہدہ ہیں، اس کے احکام فطرت کے مطابق، اس کے احکام، کمال آدمیت کے درجات اور اس کے نتائج، انسانیت کی روح ہیں۔۔۔۔۔۔ایک سماجی دین جس نے اخوت ومساوات کی اساس کو سچائی اور درستی کی محکم بنیاد پر رکھا ہے، جو کبھی ڈھیلی نہ ہوگی اور ساتھ ہی ساتھ لوگوں کے حقوق کو مکمل طور پر مدنظر رکھتا ہے اور ان کے حق میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کرتا ہے۔ دوسرے دین، اس دین کا مقدمہ محسوب ہوتے ہیں۔ اسلام وہ واحد دین ہے جس میں اس اہم موضوع میں، مادی اور

معنوی دونوں ا پہلوؤں پر، حساب سے توجہ دی ہے، دوسری طرف، اس دین میں، عارف و معروف، عاشق ومعشوق، عاقل معقول وغیرہ رابطے کو بڑی خوبی سے بنایا اور پروان چڑھایا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات

بین الاقوامی تعلقات کا علم:

بین الاقوامی تعلقات کا علم، دوسرے علوم کی طرح، مشاہدہ، تجرباتی جانچ، درجہ بندی (Classification) اور تعمیم (Generalization) کے قابل ہوتا ہے، نیز اس کا اپنا مخصوص نظام ہوتا ہے۔

قوموں کے درمیان ظاہر ومحسوس تعلقات، مشاہدے (Observation) کے قابل ہوتے ہیں، حالانکہ اس مشاہدے کی کیفیت اور درجے، مختلف واقعات کے لئے، الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن بہرحال ہم ان تعلقات کے آثار کو مشاہدہ کرنے پر قادر ہیں۔ ان تعلقات کا تجزیہ وتحلیل، مختلف طریقوں سے ممکن ہے جیسے دستاویزوں کا مطالعہ، تاریخ، خاطرات اور سیاسی ۔اقتصادی واقعات و دستاویزات۔ علمی نظریات کے حصول کے لئے، واقعات کی ترتیب اور درجہ بندی (Classification) کرنا ہوگا اور اسی طریقے سے ہم، مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کے لئے، اصول اور دریافت شدہ نتائج (Findings) کے تعمیم سے، ایک خاص نظام اور کچھ قوانین تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہت سے محققین مانتے ہیں کہ 'بین الاقوامی تعلقات' کا علم، ابھی اپنے ابتدائی مرحلے میں ہے، اور ابھی تک باقاعدہ علمی شکل وصورت اختیار نہیں کر سکا ہے، بلکہ فلسفہ، تاریخ اور ہنر کا امتزاج ہے، اس کے علمی اصول محدود اور جانچ کے قابل نہیں ہیں اور جو کچھ اس موضوع پر لکھا گیا ہے، زیادہ تر توصیفی صورت رکھتا ہے۔

شاید اس نظریہ کی وجہ یہ بات ہو کہ دوسری عالمی جنگ کے بعد، بین الاقوامی تعلقات کے ماہرین مختلف علمی میدانوں سے، اس میدان میں کھنچ کر آئے ہیں اور یہ کوشش کی ہے کہ قوموں یا حکومتوں کے درمیان تعلقات کو علمی نظریات کے سایے میں پیش کریں، لیکن ان کو اپنے کام میں کوئی کامیابی نہیں ملی۔ حقیقت میں، وہ لوگ رونما ہو چکے واقعات سے، ظاہری نتائج تک نہیں پہنچ سکے۔ مثال کے طور پر کیا جنگ کے رونما ہونے کا امکان ہے یا نہیں؟(۱)

بین الاقوامی تعلقات— عمل میں

بہت سے مفکرین بین الاقوامی تعلقات کے علم کو عملی مرحلہ میں صفر مانتے ہیں، یعنی مستقبل کے حالات کی پیشین گوئی نہ کی جاسکنے کی وجہ سے، اس پر عمل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود دیگر محققین بین الاقوامی تعلقات کے بعض مقولات اور مباحث، علم کیمیا(Chemistry) اور طبیعیات (Physics) جیسے دقیق علوم کی طرح خالص علمی پہلو رکھنے اور سائنسی۔ ریاضی طریقوں کے ذریعے، مستقبل کے واقعات نیز ان کے پھیلاؤ کی حتمی پیشین گوئی کے امکان کے قائل ہیں۔ مثال کے طور پر، بین بر اعظمی اسٹریٹجک اسلحوں(Intercontinental Strategic Weapons) کے بارود خانوں کے نقصانات یا نیوکلیائی میزائیل (Nuclear Warhead) کے دھماکوں کی طاقت کی حد اور شہروں نیز دشمن کے جمع ہونے کے مراکز کو مسمار کرنے کی ان کی طاقت اور پھیلاؤ کا حتمی اندازہ لگایا جاسکتا ہے اور سیاسی۔ دفاعی فیصلوں میں ان کا استعمال کیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ فیصلوں کے صدور اور ان کے نفاذ اور قضاوت و انتخاب میں، انسان کی فطری اور طبعی محدودیت سامنے آتی ہے، لہٰذا استفادہ کی مطلوبہ حد مطلوب تک پہنچنا ایک نسبتی امر ہے، اور سیاست کے نقطہ نظر سے اعتباری ہے۔(۲)

بین الاقوامی تعلقات اور دیگر علوم

بین الاقوامی تعلقات کا علم، دوسرے علمی، فلسفی اور تاریخی نظام سے مانوس ہونے کے ساتھ ساتھ، عالمی تعلقات کے منظرنامے پر، سیاسی اکائیوں کے طرز عمل کی تفتیش بھی کرتا ہے، اسی

(۱) علی اصغر کاظمی، **روابط بین الملل در تئوری و در عمل**، ج ۲، (تہران: انتشارات قومس، ۱۳۷۳)، ص ص ۲۳ اور ۲۴۔

(۲) **ایضاً**، ص ۲۴۔

لئے سیاسی علوم کے میدان میں، زیادہ تر اپنے عام مفہوم میں پیش ہوتا ہے۔

لیکن مستقل یا برسر اقتدار کھلاڑیوں کے درمیان تعلقات صرف سیاسی تعلقات میں منحصر نہیں ہیں، کیونکہ عالمی منظرنامے پر، بین الاقوامی تعلقات کے جہات، حکومتوں کی طاقت اور کردار کے سلسلے میں، سامنے آتے ہیں۔

بین الاقوامی تعلقات کا علم، تقریباً تمام سماجی علوم جیسے علم نفسیات(Psychology)، عمرانیات (Anthropolgy)، اقتصادیات(Economics)، جغرافیہ(Geography)، قانون(Law)، سیاسیات وسفارت کاری(Politics & Diplomacy)، ریاضی (Math)، طبیعیات(Physics)، تاریخ(History)، ہنر(Art)، ادب(Literature) وغیرہ سے استفادہ کرتا ہے۔ اسی لئے مغربی سیاسی زبان میں، اس کو، بین شعبہ جاتی Interdisciplinary یا کثیر شعبہ جاتی Multidisciplinary علم کہتے ہیں۔ یعنی وہ علم جو انسانی علوم کے مختلف شعبوں سے استفادہ کرتا ہے۔ مثال کے طور پر جغرافیہ جو حکومتوں اور انسانوں کے برتاؤ پر طبعی ماحول کے اثرات کا مطالعہ کرتی ہے، ارضی سیاسیات(Geopolitics) میں ایک خاص مقام رکھتی ہے اور بعض ماہرین کی نظر میں، مختلف سیاسی اکائیوں(Units) کے درمیان تعلقات پر تحقیق میں اس کی سخت ضرورت ہے۔ علم قانون عام طور سے، اور بین الاقوامی قانون خاص طور سے، بین الاقوامی تعلقات کی چھان بین میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، کیونکہ محدود کرنے والے معاہداتی دائرے، قومی حکومت کے اقتدار کو معین کرتے ہیں۔ (جیسے سرحدوں کا تعین) اسٹراٹجک علوم بھی جو خود سیاسی علوم کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں، بین الاقوامی تعلقات میں اہم مقام رکھتے ہیں، جس میں نیوکلیائی اسلحوں کے دور میں روک تھام، عالمی اور علاقائی سطح پر طاقت کے توازن پر ٹکنالوجی کے اثرات اور اس کا

استعمال، عملی تحقیق، جنگ بازی وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں ،زیادہ تر فکری خاکے (Models) یا ڈھانچوں (framework) سے سروکار رہتا ہے۔ ان نمونوں یا ڈھانچوں کے اعتبار اور تعمیم (Generalization) کی صلاحیت، علمی نظریات کی بہ نسبت کمزور ہوتی ہے اور صرف واقعات اور ان کے درمیان اسباب ونتائج کے ممکنہ تعلقات کے بہتر ادراک کے لئے ہیں۔یعنی حقیقت میں وہ شبہ نظریاتی ہیں نہ کہ عام اور کلی اصول۔اسی وجہ سے، بین الاقوامی تعلقات کے مطالعے میں مختلف نظریات اور فکری مکاتب ہمارے سامنے آتے ہیں۔مثلاً قدامت پسند (Traditionalist)، (Behaviourist)، حقیقت پسند (Realist)، اور مثالیت پسند (Idealist) افراد اور ہر ایک، بین الاقوامی تعلقات کے مباحث کو، اپنے اپنے نقطہ نظر سے مطالعہ کرتے ہیں۔(۱)

بین الاقوامی تعلقات—اصطلاح میں

بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح اپنی تمام صورتوں اور حالات میں، عالمی منظرنامے یا قومی معاشرے کے افراد یا کھلاڑیوں کے درمیان تعامل وتبادل سے مرتبط ہوتی ہے۔بین الاقوامی تعلقات کے مطالعے میں، خارجہ سفارت کاری (Foreign Diplomacy) یا اپنے عام مفہوم میں قوموں کے درمیان سیاسی طریقہ کار کا تجزیہ وتحلیل شامل ہے۔(۲)

بین الاقوامی تعلقات ، سرحد پار کرنے والے یا سرحد پار کرنے کا رجحان (Tendency) رکھنے والے تعلقات اور مسئلوں کا ایک مجموعہ ہے۔دوسرے لفظوں میں 'سرحدوں کے پار جانے کو' بین الاقوامی تعلقات کا معیار اور مظہر ماننا چاہئے۔(۳) یہ تعلقات، سرحدوں کے ذریعے ایک دوسرے سے جدا ہونے والے تمام حکومتوں، اشخاص، خصوصی اور عمومی گروپوں اور اداروں کے درمیان تعلقات پر مشتمل ہے۔اس طرح ریمون آرون

(۱) ایضاً، ص ۱۲۵، ۲۶

(۲) ایضاً، ص ۴۱

(۳) ماہرین کے نظریہ کے مطابق، بین الاقوامی تعلقات کی یہ بہترین تعریف ہے جو فرامیلیون () کے ذریعے بیان کی گئی ہے۔

(Ramon Arwin) کے نظریہ کے مطابق، حکومتوں کی خارجہ پالیسی (Foreign Policy)، خود ان کے داخلی عمل اور ردعمل کا نتیجہ ہونے کے علاوہ، عالمی سطح پر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تعلقات کا ایک جال بناتی ہے، جو کہ ایک جہتی یا حکومتوں کے درمیان موجودہ حالات کے علاوہ نئے تعلقات پیدا ہونے کا باعث ہوتی ہے۔(۱)

بین الاقوامی تعلقات کے علم کا فائدہ

بین الاقوامی تعلقات کے علم کے ذریعے (طاقت واقتدار کے دائرہ اور اس کے اساسی اصول کے سلسلے میں کچھ معاملاتی قوانین (Behavioural Laws) کا علم حاصل کرنے کے بعد) رونما ہونے والے واقعات اور بین الاقوامی مسائل کے بارے میں زیادہ علمی طریقے اور حقیقت پسندانہ انداز سے قضاوت اور ان کا باقاعدہ منظم (Systematic) طریقے سے تجزیہ وتحلیل کرسکتے ہیں، اور سیاست داں اس کے اور لازمی سفارتی (Diplomatic) مہارت کے ذریعے نہ صرف اپنے قومی مفادات کو حاصل کرسکتے ہیں، بلکہ بین الاقوامی منظرنامے پر اپنے ملک کی ساکھ کو بھی بڑھا سکتے ہیں۔ فیصلوں (Decision) اور اقدامات (Measures) میں اصلاح ،ایک ملک کی ساکھ کو قلیل مدت (Short Term) میں بالکل چھوٹی طاقت سے چھوٹی طاقت، وسطی مدت میں متوسط طاقت اور لمبے عرصے (Long Term) میں ایک بڑی طاقت یا سوپر پاور (Super Power) میں بدل سکتے ہیں۔اس کے برخلاف اگر نظری وعملی سیاست غلط ہوگی تو حکومت کی قدرومنزلت کی تنزلی کا راستہ ہموار ہوجائے گا۔مثال کے طور پر قاچار کے زمانے میں ایران، آہستہ آہستہ اپنا اثر ونفوذ کھو بیٹھا۔(۲)

(۱) احمد نقیب زادہ، **نظریہ ہای کلان روابط بین الملل**، (تہران: انتشارات قومس، ۱۳۷۳)، ص ۲۴۔

(۲) حسین سیف زادہ، **اصول روابط بین الملل (الف وب)**، (تہران: انتشارات دادگستر، ۱۳۷۳)، صص ۲۰۔۲۱

بین الاقوامی تعلقات کے تشکیلی عناصر(۱)

اب یہ سوال پیش آتا ہے کہ بین الاقوامی تعلقات میں کون لوگ کردار ادا کرتے ہیں؟ بین الاقوامی تعلقات کے کارپرداز دو قسم کے ہوتے ہیں: اصلی و حقیقی یعنی حکومتیں، اور ذیلی و مجازی یعنی علاقائی (Regional) اور بین الاقوامی ادارے۔

حکومت (State) حقیقت میں سیاسی اداروں کی سب سے اعلیٰ شکل ہے، جو قانونی ضابطوں اور خاص اصول کے ذریعے ان کے حوالہ کی گئی کسی ملک کی جائز طاقت کو، ملک کے دائرے میں نافذ کرتے ہیں۔ حکومت، طاقت اور اقتدار کے نفاذ کے وسائل کو اپنی اجارہ داری (Monopoly) میں رکھتی ہے اور اس کے قوانین، اس کی ماتحتی میں رہنے والے تمام افراد کے لئے لازم الاجرا ہے۔ حکومتیں زیادہ تر جاری اور مستمر ہوتی ہیں اور اپنی قوم کی طرف سے دوسری قوموں سے تعلقات قائم کرتی ہیں۔ بین الاقوامی تعلقات میں ۔اس کے کلی مفہوم میں۔ بھی زیادہ تر، حکومتیں، جو قوموں کی نمائندہ ہیں، کردار ادا کرتی ہیں۔

دوسری عالمی جنگ (Second World War) کے بعد سے، ان کھلاڑیوں کی تعداد تقریباً تین گنا ہو چکی ہے۔ جیسا کہ اقوام متحدہ کا منشور، اس زمانے کے بین الاقوامی نظام میں دوسری عالمی جنگ کے فاتح، ۵۱ مستقل ملکوں کے ذریعے لکھا اور دستخط کیا گیا، لیکن آج یہ تعداد ۱۹۰/ تک پہنچ چکی ہے۔ یہ ممالک، چھوٹے بڑے رکن (Member) ہیں جو اپنے جغرافیائی ارضی سیاسیات (Geopolitics) کے اعتبار سے، بین الاقوامی منظرنامے پر ایک کردار ادا کرتے

ہیں۔ لیکن اصلی کھلاڑیوں کی اس باڑھ کے باوجود، بین الاقوامی نظام میں کوئی محسوس تبدیلی پیدا

(۱) علی اصغر کاظمی، **روابط بین الملل در تئوری و در عمل**، ایضاً، صص ۸۵۔۹۸۔/۱۰۴ از **نجیرۂ تنازعی در سیاست و روابط بین الملل**، (تہران: انتشارات قومس، ۱۳۷۰)، صص ۲۱۳ الی ۲۷۴۔

نہیں ہوئی ہے۔ جس طرح ایک زمانے میں، دو بڑی طاقتیں (Super Powers)، روس اور امریکا بین الاقوامی منظرنامے پر دو بڑی بااثر اور غاصب طاقت شمار ہوتی تھیں، اسی طرح آج بھی، حقیقت میں، بین الاقوامی تعلقات کے اصلی معمار اور منتظم وہی قابض طاقتیں ہیں، جو ہر ممکن طریقہ سے، چاہے بین الاقوامی اجلاس (Conference) اور تنظیمیں ہوں یا دو فریقی یا چند فریقی اقرارنامے (Agreement) ہوں، بین الاقوامی نظام کی نبض کو اپنے قبضے میں رکھے ہیں۔

حکومتیں اپنے آپ میں احساس و ارادہ سے عاری ہوتی ہیں۔ جو کچھ ان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ ان لوگوں کی کارکردگی ہے جنہوں نے سیاست دانوں (Politician) اور فیصلہ کرنے والوں (Decision Maker) کا لباس پہن رکھا ہے۔ البتہ وہ لوگ اپنے سیاسی کارناموں کے جواز کو، حکومت اور گورنمنٹ (Government) کے قانونی اقتدار کے ذریعے حاصل کرتے ہیں۔ بہ ہر حال یہ ان کے رجحانات (Tendencies) اور معنوی و مادی محرکات (Motives) ہیں جو ان کے کردار کو بناتے ہیں، وہ کردار جو فیصلہ لینے (Decision making) اور پالیسی سازی Policy making کا باعث ہوتا ہے اور حکومت وقوم کے مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے۔

اصلی کھلاڑیوں کے ساتھ ساتھ، کچھ اور عناصر بھی ہیں جو بین الاقوامی تعلقات میں ذیلی و مجازی کردار ادا کرتے ہیں اور قومی حکومتوں کی درخواست پر، کچھ خاص اختیارات، اداراتی صورت میں اور حقوقی ڈھانچے میں، ان کے ذمہ کئے جاتے ہیں۔ جیسے بین الاقوامی ادارے اور کثیر الممالکی (Multinational) اور ملک پار (Transnational) کمپنیاں۔ یہ کمپنیاں اور ادارے اپنے

آپ میں کوئی طاقت نہیں رکھتی ہیں، بلکہ وہ کام انجام دیتی ہیں جوان کے رکن افراد چاہتے ہیں۔ یہ سامنے کی بات ہے کہ حکومتوں کے درمیان موجود اختلافات، دوستی اور رقابت، ان گروپوں میں بھی ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اقوام متحدہ میں بھی ہوتا ہے اور ہم ہمیشہ اس اہم ادارے کے تنازعات، تعطل (DeadLock)، ٹال مٹول اور انحراف (Deviation) کے شاہد ہیں۔ حال حاضر میں بین الاقوامی تعلقات کے ایک عنصر کی حیثیت سے، حقیقی افراد بھی، آہستہ آہستہ عالمی منظر نامے پر آرہے ہیں۔ مثال کے طور پر، شہریت کے مسئلے پر ایک شخص آزاد ہے تاکہ خاص شرائط کے تحت، کسی ملک کی شہریت کو قبول کرے یا کسی ملک کی شہریت سے دستبردار ہوجائے۔

بین الاقوامی تعلقات کی مختصر تاریخ

ایران، ہندوستان، چین اور قدیم یونان سے ملی تحریریں اور اس زمانے کی سلطنتوں کے درمیان روابط، اس بات کے گواہ ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ پیدایش سے صدیوں سال پہلے، مفکرین اور بڑے فلسفی حضرات نے، اقوام، ملل، بادشاہوں اور حکمرانوں کے درمیان روابط کے سلسلے میں بعض نظریات پیش کئے تھے، جن میں کچھ نظریے آج بھی اہم اور معتبر ہیں۔

جیسے افلاطون اور ارسطو کی تحریریں، مشہور یونانی مورخ ''توسیدیدز'' کی پانسیس (The Peloponnesian War) کی جنگوں کی تاریخ، چینی فلسفی کنفوشیس (Confucious) کا وصیت نامہ، لاؤتسو (Laotse) کی تعلیمات، ہندوستانی مفکر کوٹلیہ کی تحریریں (۴۴۰ ق۔م)، کتاب 'شہریار' یا 'شہزادہ' مصنفہ اطالوی سیاستداں میکیاولی (Machiavelle) (۱۴۶۹ء)، نظام الملک کا سیاست نامہ (۱۱ صدی عیسوی)، ابن خلدون کی تحریریں اور نظریات (۱۳۳۲ ہ۔ق۔۔۱۴۰۶ء) اور بہت سے دوسرے مفکرین کی تحریریں، اس وقت بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ (۱)

حضرت عیسیٰ کی پیدایش کے برسوں بعد، سنہ ۶۱۰ ئ میں اسلام کے طلوع ہونے سے

عالم

-

(۱) علی اصغر کاظمی، **روابط بین الملل در تئوری وعمل**، ایضاً، صص ۲۸و۲۹

انسانیت بدل گیا۔ جس زمانے میں یورپ اپنے تعصب آمیز تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا، خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمدؐ، چالیس سال کے سن میں مبعوث ہوئے۔

هُوَ الَّذِى بَعَثَ فِى الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِى ضَلَالٍ مُبِينٍ (جمعہ:۲)

وهی تو هے جس نے جاهلوں میں ان هی میں کا ایک رسول (محمد) بهیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب و عقل کی باتیں سکهاتے هیں، اگر چهاس کے پهلے تو یه لوگ صریحی گمراهی میں تهے۔

حضرت محمدؐ ایسے دور اور ایسی جگہ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے جو انسانی تاریخ کا سب سے زیادہ زوال پذیر دور تھا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ مُحَمَّداً صلى اللّٰهُ عَليهِ وَ آلهِ وَ سَلَّم نَذيراً لِلعالَمينَ، و اَميناً عَلى التَّنزيلِ، وَ اَنْتُم مَعْشَرَ العَرَبِ عَلى شَرِّ دِينٍ، وَ فِى شَرِّ دَارٍ، مُنِيخُونَ بَيْنَ حِجارَةٍ خُشْنٍ، وَحَيّاتٍ صُمٍّ، تَشْرَبُونَ الْكَدِرَ وَتَأكُلونَ الجَشَبَ وَتَسفِكُونَ دِماءَكُم، وَتَقطَعُونَ اَرحامَكُم، الاَصنامُ فِيكُم مَنصوبَةٌ، و

الآثامُ بکم مَعصوبَۃٌ۔

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلامؐ کو لوگوں کو ڈرانے والا والابنایا، تاکو حیِ الٰھی کے امین ہوں۔ جب تم قوم عرب بدترین دین کے حامل تھے اور بدترین مکان میں زندگی گزارتے تھے۔ غاروں ،بڑے پتھروں اور خطرناک زھریلے سانپوں کے در میان ،شنوائی سے عاری زندگی گزارتے تھے، گندا پانی پیتے تھے، اور خراب غذا کھاتے تھے۔ ایک دوسرے کا خون ناحق بھاتے تھے اور رشتے داریوں کو قطع کرتے تھے۔ تمھارے درمیان بتوں کی پوجا ہوتی تھی اور فتنہ و گناہ تمھارے وجود کو گھیرے ہوئے تھا۔(۱)

پیغمبر اسلامؐ اپنے جوانی کے دور میں، بعثت سے قبل ''محمد امینؐ'' کے نام سے مشہور اور ''حلف الفضول'' کے معاہدے میں شریک تھے۔ مکے میں قیام پذیر قبیلوں نے ایک دوسرے کے ساتھ کچھ معاہدے کئے ہوئے تھے، جن کے رو سے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے تعرض سے محفوظ رہتا تھا۔ لیکن اگر کوئی اجنبی شہر میں آتا تھا اور کوئی ظلم اس پر ہوتا تھا تو کوئی قبیلہ یا معاہدہ ایسا نہ تھا جو اس کی
حمایت کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ بنی اسد بن حزیمہ کے قبیلے کا ایک فرد تجارت کی غرض سے مکہ آیا اور بنی سہم کے کسی شخص نے اس کے مال کو خریدا، لیکن اس کی قیمت ادا نہیں کی۔

اسدی شخص نے قریش سے فریاد کی، لیکن قریش والوں نے کہا کہ چونکہ تم ہمارے حلیف نہیں ہو، اس لئے ہم تمہاری حمایت نہیں کر سکتے ہیں۔ اسدی شخص جب ہر طرف سے ناامید ہو گیا تو ابوقبیس کی پہاڑی پر گیا اور اپنی مظلومیت میں کچھ اشعار پڑھے اور قریش سے مدد مانگی۔

قریش والے پشیمان ہوئے اور عبداللہ بن جدعان کے مکان پر ایک معاہدہ کیا کہ آج کے بعد سے کسی اجنبی پر ظلم نہیں ہونے دیں گے۔ چونکہ یہ معاہدہ، پچھلے معاہدوں اور وعدوں کے علاوہ تھا،

(۱) نہج البلاغہ، ج ہفتم، محمد دشتی، (قم: انتشارات مشرقین، ۱۳۷۹)، خطبہ ۲۶، ص ۷۲۔۷۳۔

اس لئے اسے ''حلف الفضول'' کہا گیا۔(۱)

بعثت کے بعد تین سال تک لوگوں کو مخفی طریقے سے، توحید کی اور شرک و بت پرستی چھوڑنے کی دعوت دیتے رہے اور اس کے بعد (۶۱۳ء میں) اللہ کے حکم سے اپنی دعوت کو آشکار کر دیا۔ اس دعوت کو، اس زمانے کے عرب کی دو بڑی سیاسی اور اقتصادی طاقتیں، یعنی قبیلوں کے سردار اور دولت مندوں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔ دعوت کا علنی ہونا، قریش کے شدید رد العمل اور نا قابل برداشت دباؤ (Pressure) کے ہمراہ تھا، جیسے ساتھیوں کو اذیت و آزار اور ان کا قتل، شہر بدری، اقتصادی ناکہ بندی (بعثت کے ساتویں سال کی ابتدا سے نیمۂ رجب ۱۰ بعثت۔ ۶۱۷ سے ۶۱۹ تک) اور پیغمبرؐ کے ساتھیوں کا سیاسی بائیکاٹ۔ یہاں تک کہ رسول خداؐ نے مکے سے ''ہجرت'' اور ''پناہ'' (Asylum) کی بات پیش کی تا کہ مسلمانوں کی جان و ایمان محفوظ رہے۔ لہٰذا ۵ بعثت (۶۱۵م) میں دس یا پندرہ لوگوں پر مشتمل پہلے گروہ نے حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ کچھ عرصے بعد، جعفر بن ابیطالب کی سربراہی میں، دوسرا گروہ بھی حبشہ کی جانب رواں ہوا جس میں ۸۲ سے زائد افراد تھے۔

لیکن حبشہ کیوں؟ عرب اور دوسرے علاقوں کے حالات کا جائزہ لینے سے، حبشہ کے انتخاب کی دلیل واضح ہو جائے گی: (۱) عرب آبادی علاقوں کی طرف ہجرت، جہاں عموماً مشرک لوگ رہتے تھے، خطرناک تھا، کیونکہ وہ لوگ قریش کی خوشامد یا اپنے آباواجداد کے دین سے لگاؤ کی وجہ سے، مسلمانوں کو قبول کرنے سے انکار کر سکتے تھے۔ (۲) عرب کے عیسائی اور یہودی آبادی

علاقے بھی،ہجرت کے قابل نہ تھے،کیونکہ وہ لوگ روحانی اقتدار کے لئے ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے اور تیسرے رقیب کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔(۳) یمن،ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا اور ایرانی حکام،یمن میں مسلمانوں کے قیام کرنے پر راضی نہیں ہو سکتے تھے۔(۴) حیرہ بھی ،یمن کی

(۱) جعفر شہیدی،**تاریخ تحلیلی اسلام**،ج ۱۷،(تہران:نشر دانشگاہی،۱۳۷۳)،ص۳۹۔

طرح ایرانی حکومت کے زیر اثر تھا۔(۵) شام مکے سے دور تھا،اس کے علاوہ شام اور یمن،قریش کے بازار شمار ہوتے تھے۔(۱)

حبشہ کا انتخاب پیغمبرؐ کی رائ تھی۔ چنانچہ آن حضرتؐ بادشاہ حبشہ نجاشی کے وصف میں فرماتے ہیں:''وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے سامنے،کسی پر ظلم نہیں ہوتا ہے اور وہاں،سچائی کی سرزمین ہے۔''اس طریقے سے پیغمبرؐ نے اپنی طاقت کا اظہار کیا اور مشرکین کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور سخت ردعمل کے بحران کو مسلمانوں کے حق میں حل کر دیا اور یہ بیان کر دیا کہ مسلمانوں کو ایک خاص علاقے کی آب وخاک کا پابند نہیں ہونا چاہئے،اگر کوئی علاقہ،مسلمانوں کو برداشت نہیں کر رہا ہے اور وہاں مسلمانوں کی زندگی اور ترقی میں رکاوٹ ہو تو یہ ضروری ہے کہ اس جگہ کو ترک اور مناسب علاقے کو اقامت کے لئے انتخاب کیا جائے:

إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِيَّايَ فَاعْبُدُونِ (عنکبوت:۵۶)

میری زمین تو یقیناً گشادہ ھے تو تم میری ھی عبادت کرو۔

وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ (نحل:۴۱)

اور جن لوگوں نے (کفار کے) ظلم پر ظلم سھنے کے

بعد خدا کی خوشی کے لئے (گھر بار چھوڑا) اور ھجرت کی ،ھم ان کو ضرور دنیا میں بھی اچھی جگہ نچلا بٹھائیں گے اور آخرت کی جزا تو اس سے کھیں بڑھ کر ھے۔

۲۔سنہ ۱۲ بعثت (۶۲۱ء) میں ''عقبۂ اولیٰ'' کے معاہدے میں،پیغمبر اسلامؐ نے یثرب کے

(۱) جعفر سبحانی،**فراز ہایی از تاریخ پیامبر اسلام**،ج چہارم،(تہران،انتشارات مشعر،۱۳۷۴)،ص ص ۱۲۸۔۱۲۹

بارہ افراد سے ایک دینی ،اخلاقی معاہدہ کیا۔سنہ ۱۳ بعثت (۶۲۲ء) کے زمانۂ حج میں ''عقبۂ ثانی'' کے معاہدے کے ذریعے پیغمبرؐ نے یثرب کے پچھتر افراد سے سیاسی،سماجی معاہدہ کیا،جس کو ''بیعۃ الحرب''(۱) بھی کہتے ہیں،کیونکہ اس معاہدے میں،اہل یثرب نے یہ عہد کیا تھا کہ پیغمبرؐ کے دوستوں کے دوست اور پیغمبرؐ کے دشمنوں کے دشمن رہیں گے،پیغمبرؐ کی حمایت کریں گے اور ان کی اطاعت سے روگردانی نہیں کریں گے۔پیغمبرؐ نے بھی خود کو ان میں سے قرار دیا اور فرمایا:''میرا خون تمہارا خون اور میری حرمت تمہاری حرمت ہے،میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو۔جو تم سے جنگ کرے گا،اس سے میں جنگ کروں گا اور جو تم سے صلح سے رہے گا،اس سے میں صلح سے رہوں گا۔''اس معاہدے کے بعد ربیع الاول سنہ ۱۳ بعثت (۶۲۲ء) میں پیغمبرؐ نے مکے سے یثرب (جس کا نام ہجرت کے بعد مدینۃ النبی پڑا) ہجرت فرمائی (۲) اور اس کو ''اسلامی حکومت کا مرکز'' قرار دیا۔آنحضرتؐ نے اسلامی حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے کچھ اقدامات نجام دئے،جیسے:

(۱) **عوامی حمایت اور مقبولیت کو اپنی طرف کرنا** (عقبہ کے دونوں معاہدوں کے ذریعے)

(۲) مدینے میں سماجی اتحاد کا قیام:

(الف) مہاجر وانصار کے مؤمنین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کرنا: تاکہ حق کی راہ میں

ایک دوسرے کی مدد کریں اور موت کے بعد ایک دوسرے کی میراث پائیں۔ رسول خداؐ نے ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ اِخْوَۃ'' (حجرات:۱۰) کے حکم خداوندی سے، اپنے ساتھیوں سے فرمایا: ''تَاَخُّوا فِی اللّٰہِ اَخَوَینَ اَخَوَینَ''۔ اللہ کی راہ میں دو دو ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرو۔ پس خود، حضرت علیؑ کے ہاتھ کو پکڑا اور فرمایا: ''ھذا اخی''، البتہ رشتۂ اخوت سے قائم ہوا حکم میراث، جنگ بدر کے بعد سورۂ

(۱) جعفر شہیدی، **ایضاً**، ص ۵۶۔

(۲) یہ ہجرت خود پیغمبرؐ کے ذریعے تاریخ اسلام کا مبداء قرار پایا۔

انفال کی آیت نمبر ۷۵ کے ذریعے منسوخ ہو گیا۔

(ب) **پہلا عمومی معاہدہ یا پہلا اسلامی دستور** (First Islamic Constitution): غیر مستقیم طریقے سے ایک ایسے معاہدے کے ذریعے قبائلی ڈھانچے میں تبدیلی، جس میں قبیلوں کے سامنے زیادہ وسیع میدان تھے اور اس میں معین کئے گئی سماجی حقوق، قبیلوں کے ذریعے مانے جا چکے حقوق سے متعارض تھے، قبائلی زندگی کی تانے بانے (Texture) میں بنیادی تبدیلی کی راہ ہموار ہوئی۔ تنازعات کے تصفیہ کا نظام، قبائلی نظام سے مختلف اور اس سے متعارض تھا۔ اس معاہدے میں یہودیوں سے روابط کی کیفیت بیان ہوئی ہے۔ وہ لوگ جو دین الٰہی کے پیرو، خاص اقتصادی مقام کے حامل تھے اور قریش سے بہت ہی قریبی تجارتی تعلقات رکھتے تھے، لہٰذا یہودیوں سی معاہدے میں ان کو ''امت واحدہ'' کا ایک جزء کہا گیا ہے۔ اس معاہدے کے کچھ دفعات یہ تھے:

(۱) مدینے میں مسلمان اور یہودی ایک قوم کی طرح زندگی گزاریں گے۔ (۲) مسلمان اور یہودی اپنے مذہبی مراسم میں آزاد رہیں گے۔ (۳) جنگ کے موقع پر، ہر ایک دوسرے کی، اس صورت میں کہ وہ حملہ آور نہ ہو، دشمن کے خلاف مدد کریں گے۔ (۴) مدینے پر دشمن کے حملہ کی صورت میں، دونوں گروہ ایک دوسری کی مدد سے، شہر کا اور اس میں رہنے والوں کا دفاع کریں

گے۔ (۵) اختلافات اور تنازعات کے پیدا ہونے کی صورت میں، اختلاف کے رفع و دفع کے لئے آخری قاضی رسول خداؐ ہوں گے۔ (۱)

(۳) مسجد مسلمانوں کی سماجی بنیاد (Social Base):

پیغمبر اسلامؐ کا مدینے میں پہلا اقدام، مسجد کی تعمیر تھا۔ شروع شروع میں، مسجد نماز اور

(۱) علی اصغر نصرتی، **نظام سیاسی اسلام**، (قم: انتشارات امام عصرعج، ۱۳۸۲)، صص ۱۸۱۔۱۸۲۔

عبادت گاہ ہونے کے علاوہ، اموال غنیمت اور ٹیکس رکھنے کی جگہ بھی تھی۔ نئی حکومت کا پہلا قید خانہ بھی مسجد کے ایک گوشہ میں تھا۔ مسجد، ایک سماجی، سیاسی، تہذیبی، تعلیمی، عبادی، اعتقادی، اخلاقی اور قضائی جگہ تھی۔

(۴) تفریق (Discrimination) کا خاتمہ:

اس عمل کو پیغمبر اسلامؐ نے رشتۂ اخوت کے قیام اور ''اِنَّ اَکْرَمَکُم عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ'' (حجرات:۱۳) ''اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو'' کے مدنظر، دولت، قبیلہ، چمڑے کا رنگ، نسل وغیرہ کو نظر انداز کر کے، نئے انسانی روابط و تعلقات کو منظم کر کے انجام دیا۔

(۵) دینی حاکم سے متعلق امور کی رعایت:

لَقَد کَانَ لَکُم فِی رَسُولِ اللّٰہِ اُسوَۃٌ حَسَنَۃٌ (سورۂ احزاب:۲۱) بے شک رسول تمھاری زندگی کے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں۔

دینی حاکم کی حیثیت سے، پیغمبر اسلامؐ کا کردار، رہبری اور اسلامی سماج کی قیادت کا نمونہ (Pattern) ہے۔ آن حضرتؐ نے اسلامی رہبری کے لئے مطلوبہ معیاروں کو پیش کیا

ہے: عدالت، عوامی مقبولیت، اخلاقی کشش، عمل میں پیش قدمی، استقامت اور بردباری۔

(۶) دعوت و جہاد کے ذریعے اسلام کو پھیلانے کی کوشش:

دعوت: مسلّم اور منصوص اصولوں میں ایک اصل، اللہ کی عبادت و پرستش کی دعوت بھی ہے۔

ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ (نحل:۱۲۵)

(اے رسول) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو ایسے طریقے سے جو (لوگوں کے) نزدیک سب سے اچھا ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جو لوگ خدا کی راہ سے بھٹک گئے ان کو تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی خوب واقف ہے۔

اسلام یہ نہیں چاہتا کہ زبردستی ان عقاید کو جو وہ حق جانتا ہے دوسروں پر تھوپے۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ:۲۵۶)

دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں کیونکہ ہدایت، گمراہی سے (الگ) ظاہر ہو چکی ہے۔

بلکہ حق کے بیان اور حق و باطل میں تمیز کے بعد، بشر کو عالمانہ انتخاب کی دعوت دیتا ہے۔

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللهِ عَلَى بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ

اتَّبَعَنِي (یوسف:۱۰۸)

ان سے کہہ دو کہ میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں (لوگوں کو) خدا کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور میرا پیرو (دونوں) مضبوط دلیل پر ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ اپنے اقربا کو اور مکہ، یثرب، طائف اور قرب و جوار کے قریوں میں رہنے والوں کو اسلام کی دعوت دینے کے علاوہ، سنہ ۷ ھ۔ (۶۲۹ ء) میں کچھ سفیروں کے ذریعے اپنے پیغام کو، دوسرے چھوٹے بڑے قبیلوں اور ملکوں کے سربراہوں تک پہنچایا، ان میں سے کچھ اہم نام یہ ہیں:

(۱) ساسانی بادشاہ خسرو پرویز عبداللہ بن حذافہؓ سہمی کے ذریعے: پیغمبرؐ نے اس کو فارس کے کسریٰ کے نام سے یاد کیا اور اس درخواست کی کہ اللہ کی وحدانیت اور آنحضرت کی نبوت کی گواہی دے، ورنہ مجوسیوں کے گناہ اس کے ذمے ہوں گے۔ کسریٰ نے خط کو پھاڑ ڈالا اور یمن میں اپنے عامل، باذان کو حکم دیا کہ پیغمبرؐ کو توبہ پر مجبور کرے، ورنہ حضرت کے سر کو اس کے پاس بھیج دے۔

(۲) مصر کا بادشاہ مقوقس، حاطب بن ابی بلتعہ کے ذریعے: پیغمبرؐ نے اس کو 'عظیم القبط' کے لقب سے یاد کیا۔ اس نے ادب و احترام سے خط کو پڑھا اور حاطب کا استقبال کیا۔ رسول خداؐ کو ایک خط لکھا اور دو کنیز کے ساتھ، جن میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں، حضرت کے لئے بھیجا۔

(۳) قیصر روم ہرقل (Hercules)، دحیۃ بن خلیفۃ کلبی کے ذریعے: قیصر روم جو ایسے پیغمبر کے ظہور کا منتظر تھا، آنحضرت کے خط کا جواب احترام اور کچھ تحفوں کے ساتھ دیا، لیکن بادشاہی کے چھن جانے کی ڈر سے اسلام قبول نہیں کیا۔

(۴) حبشہ کا بادشاہ نجاشی، عمر بن امیہ ضمری کے ذریعے: نجاشی مسلمان ہو گیا اور رسول خداؐ سے اپنے لگاؤ کا اظہار کرتے ہوئے، آنحضرتؐ کے لئے کچھ تحفے بھیجے اور مسلمان مہاجروں

کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا۔

(۵) **غسانی شام کا حاکم حارث بن ابی شمر**، شجاع بن وہب کے ذریعے: وہ قیصر روم کی جانب سے دمشق اور اس کے نواح پر حکومت کرتا تھا اور اس کا دار السلطنت جولان تھا۔ خط میں استعمال کی گئی تعبیروں سے بہت غضبناک ہوا اور کہا کہ ایک سپاہ کے ساتھ ان کی طرف آئے گا، اگر چہ وہ یمن میں ہوں۔

(۶) **حاکم یمامہ ہوزۃ بن علی حنفی**، سلیط بن عمرو کے ذریعے: اس نے پیغمبرؐ کے جواب میں جو اس سے اسلام قبول کر کے اپنی حکومت محفوظ رکھنے کی بات فرمائی تھی، لکھا: عرب میرے لئے بہت احترام کے قایل ہیں، بہتر یہ ہے مجھے اپنے کام میں شریک کرلو تا کہ میں تمہاری اطاعت کروں۔

(۷) حاکم بحرین **متدر بن ساوی**: (یہ خط سنہ ۸ ھ۔ میں بھیجا گیا)(۱) رسول خداؐ کے جواب میں لکھا: میں نے آپ کے خط کو بحرین کے لوگوں کے سامنے پڑھا، کچھ لوگوں نے اسلام کو پسند کر کے قبول کرلیا اور کچھ نے قبول نہیں کیا۔ میری حکومت میں یہودی اور مجوسی بھی رہتے ہیں، اگر ان کے بارے میں کوئی حکم ہو تو فرمائیے۔(۲)

(۸) یمن کے بادشاہ حارث حمیری کو بھی خط لکھا۔(۳)

’’جہاد‘‘: اسلام میں جنگ ذاتاً مطلوب امر (Desirable Matter) نہیں ہے، بلکہ پہلا اصول، اسلام کی دعوت دینا ہے۔ رسول خداؐ کی سیرت پاک سے بھی یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آن حضرت نے کبھی اسلام کی تبلیغ کے لئے جنگ نہیں کی، بلکہ اپنے اوپر کفار کی تھوپی ہوئی جنگوں میں بھی آن حضرت خون خرابہ سے پرہیز کے لئے، تمام ممکنہ طریقے اور وسائل کا استعمال کرتے تھے۔ اسلام کے ارشادی اسٹریٹجی (Strategy) کے دائرے میں، جہاد آخری حربہ ہے۔ شیعہ و سنی دونوں فریق، جہاد کو اسلام کا ایک مسلّم اصول مانتے ہیں، کیونکہ قرآن میں اس کی تصریح و

تاکید ہوئی ہے۔ جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۱) **مجموعہ مقالات محمد ختم پیامبران**، (علی شریعتی، مقالہ از ہجرت تا وفات)، **ایضاً**، ص ۳۱۱/

(۲) علی نصرتی، **ایضاً**، صص ۱۸۹/ تا ۱۹۱/

(۳) **مجموعہ مقالات محمد ختم پیامبران**، **ایضاً**، ص ۳۰۷/

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ (توبہ: ۷۳)

اے نبی کفار و منافقین سے جہاد کرو۔

اسلام کی جنگیں دو قسم کی ہیں:

۱۔ دفاعی جنگ جس میں مسلمان، دشمن کے حملوں کے سامنے، اپنا دفاع کرتے تھے اور پیغمبرؐ کے دور کی اکثر جنگیں اسی نوعیت کی تھیں۔ جیسے غزوۂ خندق (۵ ھ۔/ ۶۲۷ م)۔

۲۔ آزادی دلانے والی جنگیں جو کسی معاشرے کے افراد کو ظلم و ستم سے نجات دلانے اور ان لوگوں کو کچلنے کے لئے انجام پائی، جو اسلامی پیغام کو عوام کی سماعتوں تک پہنچنے میں حائل تھے۔ جیسے فتح مکہ (۸ ھ۔/ ۶۳۰ء)(۱)

پیغمبر اسلامؐ قرآنی ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے، اسیروں سے اچھا برتاؤ فرماتے تھے اور اسلام کے پھیلاؤ اور مسلمانوں کے علمی سطح کو بڑھانے کی غرض سے، اگر کوئی اسیر ایمان لے آتا تھا یا دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیتا تھا تو آزاد کر دیا جاتا تھا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (انفال: ۷۰)

اے رسول جو قیدی تمہارے قبضے میں ھیں ان سے

کهدو کہ اگر خدا تمهارے دلوں میں نیکی دیکھے گا، تو جو (مال) تم سے چهین لیا گیا هے اس سے کهیں بهتر تمهیں عطا فرمائے گا۔ اور تمهیں بخش بهی دے گا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مهربان هے۔

-

(۱) یعقوب جعفری، **مسلمانان در بستر تاریخ**، ج دوم ،(تہران،دفتر نشر فرہنگ اسلامی، ۱۳۸۰)،ص۳۶۔

پیغمبر کے گہر بار دور حیات میں بہت سے غزوات اور سرایات ہوئیں، ان کی مجموعی تعداد ۸۱ / ہے۔(۱) جیسے غزوہ بدر (۲ ھ۔/ ۶۲۴ء)، غزوۂ احد (۳ ھ۔/ ۶۲۵ ء)، غزوۂ بنی نضیر (۴ ھ۔/ ۶۲۶ء)، صلح حدیبیہ (۶ ھ۔/ ۶۲۸ ء)، سریۂ ذات سلاسل (۸ ھ۔/ ۶۳۰ ء)، غزوۂ تبوک (۹ ھ۔/ ۶۳۱ء)۔

دیگر رہبروں کی طرح، (حضرت موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون کو اپنا جانشین اور وزیر منتخب کیا) پیغمبر اسلامؐ نے بھی حضرت علیؑ کو اپنے جانشین اور وصی کی حیثیت سے منتخب فرمایا اور مکرراً مختلف مجلسوں میں اس کو بیان فرمایا اور اس پر تاکید کی۔ بعثت کے ابتدائی دور میں، اپنے اقرباء کی دعوت اور حجۃ الوداع کے واقعۂ غدیر خم (۱۰ھ۔ ۶۳۲ء) میں آن حضرت کا بیان اور اس بات کی تائید، اس کے کھلے ہوئے مثال ہیں۔(۲)

اس زمانے کی دو بڑی طاقتیں یعنی ایران و روم سے پیغمبر اسلامؐ کے تعلقات، خط و کتابت سے آگے نہ بڑھ سکے، ہر چند ایران کی بعض نوآبادیوں جیسے یمن، اسلام کے حدود میں داخل ہوگئے تھے۔ جنگ تبوک میں مسلمانوں نے، روم کے لشکر کا سامنا کیا۔ اسی طرح حیات رسولؐ کے آخری ایام میں (۱۰ھ۔ کے اواخر/ ۶۳۲ء)، جیش اسامہ رومیوں سے جنگ کے لئے تیار ہوا تھا۔ لیکن پیغمبرؐ کے بعد، مسلمانوں نے ایرانیوں سے جنگ کی، بہت سے فتوحات حاصل کئے

اور ساسانیوں کی حکومت کو ختم کر کے، ان کو اسلامی حکومت کے ماتحتی میں کر دیا۔ رومیوں سے بھی کئی بار جنگ کی اور کئی بار ایک دوسرے کے قیدیوں کا تبادلہ کیا، اور قسطنطنیہ تک پیش قدمی کی۔ سنہ ۹۲

-

(۱) پیغمبرؐ کے غزوات کی تعداد سلسلے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ صاحب امتاع الاسماع، ان کی تعداد کو ۳۴ جانتے ہیں، طبقات ابن سعد میں ۲۷، مروج الذہب میں ۲۶ یا ۲۷ کی تعداد بیان ہوئی ہے ایک قول کے مطابق ۲۹ غزوہ ہے۔ البتہ بعض لوگوں نے خیبر اور وادی القریٰ کو ایک ہی مانا ہے۔

(۲) علی نصرتی، **ایضاً**، ص ۱۹۳۔

ھ۔ (۷۱۲ ء) میں اندلس (آج کا اسپین) کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ سنہ ۱۱۲ھ۔ (۷۳۱ء) میں جزیرۂ سیسیلی (Sicily) کو فتح کیا۔(۱) دوسری طرف اسلام کا جھنڈا، ہسپانیا سے لیکر دیوار چین تک لہرانے لگا۔

دوسری صدی کے آخر اور تیسری صدی کی ابتدا میں (نویں صدی عیسوی)، اسلام کی وسیع و عریض خطہ پر تین حکومتیں تھیں لیکن افسوس وہ ایک دوسرے سے متحد نہ تھیں، ہر ایک خلافت کی مدعی اور ایک دوسرے سے نزاع و جنگ میں مصروف تھی۔ ایک عباسی سلطنت، دوسری فاطمی حکومت اور تیسری اندلس کے امویوں کا راج۔

زمانے کے حالات (Circumstances) کو ذہن میں رکھتے ہوئے، آیات قرآنی اور احکام الٰہی پر ایک نئی اور قید مکان و زمان سے آزاد اور وسیع نظر اور عالمی تحولات کو مدنظر رکھتے ہوئے، صدیوں کے عرصے میں، آج اسلام پھیل چکا ہے اور دنیا کے دیگر ملکوں کے توازن میں، ہر اسلامی ملک، ایک طرح کی مستقل حکومت کا مالک ہے۔

اوپر بیان کی گئی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیوں پہلے بعثت سے قبل یا بعثت کے

بعد، پیغمبر اسلامؐ نے ایسے قوانین وحقوق کو جاری کیا، جو حالیہ دو صدیوں میں، بین الاقوامی تعلقات میں سامنے آرہے ہیں اوران پر عمل کیا جارہا ہے۔ جیسا کہ ژاک ریزلر( ) کہتے ہیں:

''پانچ صدی کے عرصے میں، اسلام اپنے برتر علم وتہذیب کی طاقت کے بدولت، اس زمانے کی دنیا پر حاوی رہا اوراسلامی نظریات کو یونان کے علوم وفلسفہ کے گنجینوں سے مکمل کرنے کے بعد، ان کو یورپ میں منتقل کیا۔ اسلامی تمدن کا پھیلاؤ، یورپیوں کے افق فکر پر چھا گیا تھا اوران کی فکر اور علمی حیات کے چشم انداز پر چمک رہا تھا۔''(۲)

-

(۱) یعقوب جعفری، **ایضاً**، ص ۵۶۔۵۷۔

(۲) فخر الدین حجازی، نقش پیامبران در تمدن انسان، ج دوم، (تہران: انتشارات بعثت، ۱۳۵۸)، ص ۱۴۰۔

بین الاقوامی تعلقات کا علمی صورت میں آغاز، سنہ ۱۶۶۸ء بتایا گیا ہے۔(۲) پہلی عالمی جنگ سے پہلے، تاریخ، حقوق اور فلسفے کے کالجوں میں، بین الاقوامی تعلقات کی تدریس ہوتی تھی اور فلسفی حضرات، انسانی فطرت، جنگ، صلح اور عدالت پر گفتگو کرتے تھے۔(۳) اسی طرح سنہ ۱۹۱۹ء میں، ویلز (Wales) یونیورسٹی میں، پہلی بار بین الاقوامی تعلقات کا شعبہ بنایا گیا۔(۴) سنہ ۱۶۴۸ء وسٹفالی ( ) کے معاہدے کے ذریعے، سیاسی ڈھانچہ، پہلے سلطنت سے ملک اور حکومت، اور بعد میں بین الاقوامی نظام میں تبدیل ہو گیا۔

چنانچہ یورپ کی تاریخ میں، سنہ ۱۶۴۸ء سے ۱۹۱۴ء کا عرصہ، ڈپلومیسی (Diplomacy)، طاقت کے توازن (Power Balance)، اتحاد اور بین الاقوامی حقوق کے سنہرے دور کے نام سے جانا جاتا ہے۔(۵) لہٰذا طاقت کے توازن کو بنانے کے لئے، پہلا بین الاقوامی نظام، ایک دوسرے سے رقابت کرنے والی پانچ بڑی طاقتوں کے ذریعے ایجاد ہوا۔ پہلی عالمی جنگ (۱۹۱۸ء۔ ۱۹۱۴ء) اوراس کے بعد دوسری عالمی جنگ (۱۹۴۵ء۔ ۱۹۴۰ء) نے بہت

تاخیر سے، سیاسی مفکرین کو اس میدان سے واقف کرایا۔

جنگ سے نفرت اور جنگ کی ممنوعیت کے لئے بین الاقوامی اجلاس کی تشکیل، تخفیف اسلحہ (Disarmament) اور بعض جنگی اوزاروں اور اسلحوں کے استعمال کی محدودیت کی وجہ سے، سنہ ۱۹۱۹ء اور ۱۹۵۳ء کے بیچ کے عرصے کو ''طولانی ناجنگی وقفہ'' کہتے ہیں۔ اس عرصے میں دنیا
میں دو قطبی نظام وجود میں آیا جس میں شرق وغرب میں دو بلاک (Block) (امریکہ اور روس) تھے

-

(۲) حسین سیف زادہ، **اصول روابط بین الملل** (الف وب)، ایضاً، ص ۱۹۔

(۳ کارل دوئیچ، رابرت کیوہین و غیرہ، **نظریہ ہای روابط بین الملل**، ج ۱، وحید بزرگی، (تہران: انتشارات ماجد، ۱۳۷۵)، ص ۱۰۱۔

(۴) حسین سیف زادہ، **اصول روابط بین الملل** (الف وب)، ایضاً، ایضاً

(۵) حسین سیف زادہ، **نظریہ ہای مختلف درروابط بین الملل**، ج ۳، (انتشارات سفیر، ۱۳۷۲)، ص ۱۸۔

اور ہر بلاک میں ایک ایک سوپر پاور کی سرپرستی میں چند بڑی طاقتیں تھیں۔

سنہ ۱۹۹۱ء میں روس (U.S.S.R) کے بکھرنے سے، نیا عالمی نظام یعنی تہذیبوں کے درمیان تعلقات، اور غیر دستوری صف بندی کا بین الاقوامی نظام وجود میں آیا، جس میں طاقتوں کے مراتب پانچ درجوں اور ایک دوسرے سے جڑے ہوئے نظام کی صورت میں وجود میں آئے: سپر پاور (Super Power)، بڑی طاقت، وسطی طاقت، چھوٹی طاقت اور بالکل چھوٹی طاقت۔(۱)

(۱) حسین سیف زادہ، **اصول روابط بین المللی (الف و ب)**، ایضاً ص۷۹۔۸۰

دوسرا باب

اقتدار

اور
اس کے عناصر

طاقت

طاقت کی تعریف:

مادی اور معنوی عناصر کا ایک مجموعہ جو قومی مفادات کے حصول کے لئے، حکومت نام کے ایک معین اور شناخت شدہ گروہ کے حوالے ہوتا ہے، طاقت کہلاتا ہے۔ طاقت، لغت میں قوت، قدرت، توانائی اور کسی کام کے انجام دینے کے استعداد کو کہتے ہیں۔ طاقت مختلف قسم کی ہوتی ہے: انسان کی طاقت (کائنات پر، اپنے اوپر، دوسروں پر، زبان، قول، آواز وغیرہ پر) اقتصادی طاقت، سیاسی طاقت، دفاعی طاقت، علمی طاقت، تہذیبی طاقت وغیرہ۔ انسانی طاقت سے مراد لوگوں کے افکار و افعال کو قابو میں کرنا ہے۔

سیاسی طاقت سے مراد خود صاحبان اقتدار کے درمیان نیز ان کے اور عوام کے درمیان متقابل روابط کو کنٹرول کرنا ہے۔ سیاسی طاقت اس کے نافذ کرنے والوں اور جن پر یہ طاقت نافذ کی جاتی ہے کے درمیان ایک رابطہ ہے۔ سیاسی طاقت پہلے گروہ کو دوسرے گروہ کے ذہنوں پر دباؤ(Pressure) ڈال کر (اپنی انسانی طاقت کے ذریعے) ان کے کچھ افعال کو اپنے قابو میں کر نے کا موقع فراہم کرتی ہے۔ اس دباؤ کے تین مقصد ہوتے ہیں: فائدے کی لالچ، نقصان کا ڈر نیز عوام اور اداروں سے لگاؤ جو بین الاقوامی سیاست میں، داخلی سیاست کی طرح، اپنی حقیقت رکھتے ہیں اگر چہ بہت کم واضح ہوتے ہیں۔ یہ دباؤ(Pressure) تین طریقے سے نافذ کئے جاتے ہیں: فرمان(O r d e r)، تہدید(T h r e a t) اورفرد یا مقام کی کشش(P erson or post's charisma)۔ (یہ تینوں طریقے ممکن ہے مل کر عمل میں آئیں)

بین الاقوامی سیاست میں دفاعی طاقت، کسی حکومت کی سیاسی طاقت کو بنانے میں ایک دھمکی یا بالقوہ(Potential) امکان کی صورت میں استعمال ہوتی ہے۔ جنگ کی صورت میں دفاعی طاقت کا عملی مظاہرے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ دفاعی طاقت، سیاسی طاقت کا متبادل ہو چکی ہے۔ جسمانی تشدد(Violence)، دو جسم کے درمیان جسمانی رابطے کو (جس میں ایک کی طاقت دوسرے کے افعال وحرکات پر قابو پانے کے لئے کافی ہے)، دو ذہنوں کے درمیان نفسیاتی رابطے (جو سیاسی طاقت کی بنیاد ہے) کا جانشین بنا دیتا ہے۔(۱)

سیاسی طاقت کی تعریف کی بنیاد پر، بین الاقوامی تعلقات میں، طاقت، بین الاقوامی منظرنامے کے 'کھلاڑیوں' یعنی حکومتوں کے درمیان ایک تعلق اور رابطہ ہوتی ہے۔ مٹافیزکس (Metaphysics) کے نقطہ نظر سے، سماج میں طاقت کا ذریعہ انسان اور عوام ہیں۔ البتہ طبیعی اور ما بعد طبیعاتی دنیا میں، قدرت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات لایزل ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِير. (نحل:۷۷)

بے شک اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

اسلام میں انسان اللہ کی قدرت کا مظہر ہے، جو زمین پر اعلیٰ صفات کی طرف حرکت میں ہے، یہاں تک کہ اللہ کی جانشینی یعنی خلافت الٰہیہ کے مقام کو حاصل کر سکتا ہے۔(۲) لیکن حکومتیں طاقت کے دائرے میں ان سیاسی اختیارات میں ہوتی ہیں: موجودہ حالت کو باقی رکھنا، طاقت کو بڑھا وادینا اور طاقت کی نمایش۔

(۱) ہانس جی، موگنتا، **سیاست میان ملتھا**، حمیرا مشیرزادہ، ج اول، (تہران: انتشارات وزارت امور خارجہ، ۱۳۷۴) ص ۴۷۔۴۸

(۲) علی اصغر کاظمی، **روابط بین الملل در تئوری و در عمل**، ایضاً، ص ۱۶۴۔

قومی طاقت

بین الاقوامی تعلقات میں، طاقت سے مراد وہی قومی طاقت ہے: مادی و نفسیاتی قوتوں(Abilities) کا مجموعہ جو حکومت نام کے ایک جغرافیائی وسیاسی اکائی کے قلمرو میں موجود ہوتا ہے۔(۱) چونکہ ہر قوم اپنی خارجہ سیاست کو حکومت نامی حقوقی ادارے کے ذریعے انجام دیتی ہے، لہٰذا اس حکومت کے کارندے، بین الاقوامی امور میں، اس قوم کے نمایندوں کا کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ لوگ قوم کی جانب سے بولتے ہیں، قوم کے نام پر معاہدے کرتے ہیں، قومی مقاصد کا تعین کرتے ہیں اور اس مقاصد کے حصول کے ذرائع کو چنتے ہیں اور قومی طاقت کو برقرار رکھنے، بڑھانے اور اس کی نمایش کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ افراد جب بین الاقوامی منظرنامے پر

اپنی اپنی قوم کے نمایندوں کی حیثیت سے آتے ہیں تو اپنی اپنی قوم کی طاقت کو نافذ کرتے ہیں اور اس کی پالیسیوں کا تعاقب کرتے ہیں۔(۲)

بین الاقوامی تعلقات کے پس منظر میں، طاقت کے تقسیم کے بموجب، بڑی طاقتیں، بین الاقوامی سیاست کے منظرنامے پر، اپنی حیثیت کو باقی رکھنا چاہتی ہیں، اسی لئے طاقت کے تقسیم کے سلسلے میں بین الاقوامی تنازعات کا حل اپنے فائدے کی شکل میں کرتی ہیں، اس کے برخلاف بین الاقوامی نظام میں کمزور حکومتیں جو طاقت کے نابرابر تقسیم سے ناراضی ہیں، موجودہ حالت کے برقرار رہنے کے حق میں نہیں ہوتیں اور اپنی طاقت کے اضافے بین الاقوامی نظام کی بناوٹ (Texture) اور نمونہ میں نظر ثانی چاہتی ہیں۔(۳)

(۱) **ایضاً** ص ۱۷۰

(۲) ہانس جی، مورگنتا، **ایضاً** ص ۱۸۴۔

(۳) عبدالعلی قوام، **اصول سیاست خارجی وسیاست بین الملل**، ج سوم، (تہران: انتشارات سمت، ۱۳۷۳) ص ۶۵

تمام سماجی مظاہر (Phenomenon)، مختلف درجات میں، قومی طاقت کو وجود میں لانے میں کردار ادا کرتے ہیں۔ ان میں سے تو بعض قومی طاقت کو بڑھانے میں مثبت کردار ادا کرتے ہیں اور بعض منفی کردار، قومی طاقت میں کمی یا ٹھہراؤ کا باعث ہوتے ہیں۔ قومی خصوصیات، قومی جذبہ، حکمراں نظریات، یا بعض جغرافیائی عناصر اس گروہ میں شامل ہیں جو ایک سماج کے طاقت حاصل کرنے کی راہ میں حائل ہوسکتے ہیں۔ عام طور پر قومی طاقت پر اثر انداز ہونے والے اہم اور تشکیلی عناصر کو چھ عنوان میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ نظریات (Ideology)

۲۔ سماجی۔انسانی عناصر (Socio- Anthropological Factors)

۳۔ سیاسی عناصر (Political Factors)

۴۔ جغرافیائی عناصر (Geographical Factors)

۵۔ دفاعی عناصر (Defence Factors)

۶۔ اقتصادی عناصر (Commercial Factors)

ان عناصر سے شکل پانے والی قومی طاقت، ایک دوسرے سے جڑی ہوئی اور ناقابل تجزیہ ہے۔ ان عناصر میں عملی طور پر تفکیک نہیں کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ ہم ان کو بہتر سمجھنے کے لئے ان کا تجزیہ وتحلیل کرتے ہیں۔ کیونکہ ممکن ہے کسی خاص شرائط وحالات میں، طاقت کا کوئی عامل اہم جلوہ گر ہو، لیکن حالات کے بدلنے سے اس کی اہمیت کم ہوجائے۔(۱)

(۱) **ایضاً** ص ۹۸۔

قومی طاقت کے عناصر

(ا) **نظریہ** (Ideology):

لغت میں آئیڈیالوجی، عقیدہ اور نظر کے معنی میں ہے۔ آئیڈیالوجی یا نظریہ، اقتصادی، سماجی، دفاعی اور سیاسی قدروں (Values) اور مقاصد کے سلسلے میں فکروں کا ایک مجموعہ ہے اور ان قدروں اور مقاصد کے حصول کے لئے بعض منصوبوں کو پیش کرتا ہے۔ قومی طاقت پر آئیڈیالوجی کی تاثیر ان امور کا باعث ہوتی ہے:

۱۔ قومی جذبے کی تقویت

۲۔ عوام کو ملک میں موجود سرکاری عملہ اور نظام پر بھروسہ دلانا

۳۔ ملک میں اتحاد و یکجہتی پیدا کرنا

۴۔ آئیڈیالوجی دوسرے ممالک میں نفوذ کا بہترین ذریعہ

۵۔ بین الاقوامی منظرنامے پر، ہم خیال ملکوں کے اتحاد کا باعث

۶۔ فوج کے استقرار یا تبدیلی کے لئے اسٹراٹیجی اور فوجی تدبیر (Tactics) وضع کرنے میں معاون۔(۱)

مفکرین اور سیاسی نظام کے اقوال و کارکردگی کو صحیح سمجھنے کی صورت میں ہی، عوام فیصلوں کے اخذ کرنے اور ان پر صحیح عمل درآمد میں باہمی تعاون و شرکت کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ اور یہ امر حکومت کی طرف سے ایک صحیح آئیڈیالوجی کے تعین کا رہین منت ہے۔

(۱) حسین سیف زادہ، **اصول روابط بین الملل (الف و ب)**، ایضاً، ص۱۷۸/ عبدالعلی قوام، ایضاً، ص۷۵۔۷۶

(۲) **سماجی۔انسانی عناصر** (Socio-Anthropological Factors):

اس میں آبادی، قومی خصوصیتیں، قومی جذبہ اور سماجی اتحاد جیسے امور کا دخل ہوتا ہے۔

(الف) **آبادی** (Population): آبادی اور اس کی کیفیت، صلح یا جنگ کے دوران، کسی ملک اور حکومت کی طاقت کے لئے ایک اہم عامل شمار ہوتی ہے۔ اس عامل پر، دوسرے عناصر جیسے ماہر افراد کا وجود، فوجی عملہ کی تعداد، آبادی کے بڑھنے کا تناسب اور سیاسی نظام کی صلاحیت اثر ڈالتی ہیں۔ مثال کے طور پر چین، ایک ارب سے زیادہ آبادی کے ساتھ، بین الاقوامی سیاست پر، ۳۰ لاکھ سے کم آبادی والے آلبانیہ (Albania) سے زیادہ اثر رکھتا ہے، کیونکہ زیادہ آبادی، اقتصادی ٹکنالوجی اور دفاعی وسائل کی فراہمی کا باعث ہوتا ہے اور اگر حکومت دوسرے عناصر قدرت میں ایک نسبتی برتری رکھتی ہے تو آبادی کے عامل پر بھروسہ کرکے، اپنے مفادات اور

قومی مقاصد کے تحقق میں بہتر کامیابی حاصل کرسکتی ہے۔ لیکن منفی صورت میں آبادی، بین الاقوامی منظرنامے پر، حکومت کی سرگرمیوں میں کمی کا باعث ہوسکتی ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ملک دوسرے شعبوں میں بچھڑا ہوا ہوگا تو آبادی اس کی طاقت کو بڑھانے میں مدد نہیں کرسکتی ہے۔ بعض اوقات زیادہ آبادی، بین الاقوامی منظرنامے پر حکومت کی سرگرمی کو کم کردیتی ہے۔(۱)

(ب) **قومی خصوصیات** (National Charateristics): فکری، تہذیبی، سماجی اور علمی خصوصیات اور قومی طرز عمل، اس کی قومی خصوصیات میں شامل ہیں، ان میں سے ہر ایک کسی نہ کسی طرح سے قومی طاقت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر جرمن کے لوگ، تقسیم کے پہلے سے، ہمیشہ نظم و ضبط کی روشنی میں خاص صلاحیتوں کی حامل قوم کے طور پر پہچانے جاتے ہیں۔ اس کے برخلاف اطالوی لوگ اس میدان میں ہمیشہ کمزور تھے، چنانچہ پہلی عالمی جنگ میں، مجبوراً، انگریز اور

(۱) عبدالعلی قوام، ایضاً، ص۷۷۔

فرانسیسی فوج کے ذریعے ان کی حمایت کی گئی۔(۱) کسی ملک کی قومی خصوصیات کو اس ملک کے تمام افراد پر عمومیت نہیں دی جاسکتی ہے، دوسری طرف ہر قوم کی صفات تغیر پذیر ہوتے ہیں اور دوامی نہیں ہیں۔ جس طرح دوسری عالمی جنگ میں جرمنوں کی شقاوت و تشدد، آج کے جرمنی کی خصوصیت نہیں مانی جاسکتی ہے۔ دوسری طرف ایک قوم کی خصوصیات دوسری قوموں میں دیکھی جاسکتی ہے اور اس طرح قومی خصوصیات کو کسی خاص قوم سے مختص کرنا بہت مشکل ہے۔(۲)

(ج) **قومی جذبہ اور حوصلہ** (National Morale): قومی جذبہ کسی ملک کے افراد کی مشترکہ نفسیاتی اور اخلاقی خصوصیت ہے جو متغیر اور خاص مواقع کے تابع ہے۔ قومی جذبہ، عوام کی اپنے ملک کی پالیسیوں کی حمایت اور اس کی تبعیت میں حکومت کی مشروعیت اور سیاسی استحکام میں

موثر واقع ہوسکتی ہے اور آخر کار قومی طاقت میں ایک اہم عامل شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ صلح یا جنگ کے زمانے میں، کسی ملک کے لوگوں کا جذبہ (Morale) اس ملک کے status اور اس کی خارجہ سیاست پر اہم اثر رکھتا ہے۔ مثلاً چیکوسلوا کیہ (Chekoslavia) کے لوگ، پہلی عالمی جنگ کے اختتام تک، اپنی الگ پہچان (Identity) کے حصول کے لئے، ایک اچھے جذبے کے حامل تھے۔ لیکن صلح نامے کے خفیہ معاملات کے فاش ہونے اور اپنے ملک کی خودمختاری (Independence) کو خطرے میں پڑتا دیکھ کر، اپنا وہ جذبہ کھو بیٹھے اور خود کو موجودہ حالات کے حوالے کر دیا۔

(د) **سماجی سالمیت** (Social Integrity): یہ عامل قومی طاقت کا ایک اہم مظہر ہے۔ قومی مقاصد کے تحقق اور قومی مفادات کے حصول کے لئے، کسی حکومت کی اہلیت کو بڑھانے میں سیاسی، سماجی اور نظریاتی اتحاد بہت اہم ہیں۔ یہ اتحاد، عوام کے وسیع اشتراک -

(۱) ایضاً، ص۸۷۔

(۱) حسین سیف زادہ، اصول وروابط بین الملل (الف وب)، ایضاً، ص ۱۷۵۔

اور مشترکہ قومی آگاہی (Common National Awareness) اور نظریات سے استفادہ سے وابستہ ہے۔ مختلف نسلی، قومی اور مذہبی گروہوں کے درمیان یکجہتی اور اتحاد کا فقدان، حکومت کے کمزور ہونے سے لیکر اس کے بکھرنے اور خودمختاری کے خاتمہ کی حد تک جاسکتی ہے۔ حتیٰ کہ جغرافیائی اور بین الاقوامی منظرنامے سے اس حکومت کے ختم ہونے کا باعث ہوجائے۔(۱) جیسے وہ قومی، نسلی، مذہبی اور نظریاتی اختلافات جو روس (U.S.S.R) میں پیدا ہوئے اور آخر کار اس کے بکھرنے کا باعث ہوئے۔(۲)

(۳) سیاسی عناصر (Political Factors)(۳))

اس میں، سیاسی استحکام، قیادت کی کیفیت، حکومت کی شکل اور قومی اعتبار کی طرف اشارہ

کیا جاسکتا ہے:

(الف) **سیاسی استحکام** (Political Stability): حکومتوں کے قومی مفادات، کچھ استحکام بخش عناصر سے اثر لیتے ہوئے، ایک لمبے عرصے میں تشکیل پاتے ہیں۔ لیکن آسانی سے تبدیل نہیں ہوتے ہیں، اگرچہ حکومتوں کی تبدیلی سے، خارجہ پالیسی کے مقاصد کے رجحانات میں تبدیلی آسکتی ہے۔

بنیادی تبدیلی اور خارجہ پالیسی کے ترجیحات میں بدلاؤ، وسائل کی تقسیم میں تبدیلی، یعنی کسی شعبے کے کچھ مادی ومعنوی مفادات کو دوسرے شعبے سے مختص اور منتقل کرنے کے ہمراہ ہوتا ہے۔ قومی مقاصد پر نگاہ کرنے کا انداز، سماجی دفاعی، اقتصادی، تہذیبی اور سیاسی منصوبہ بندیوں کی

(۱) عبدالعلی قوام، ایضاً، ص ۸۰۔

(۲) جوزف فرانکل، روابط بین الملل در جہان متغیر، عبد الرحمن عالم، ج پنجم، (تہران: انتشارات وزارت خارجہ، ۱۳۷۶)، ص ۱۶۰۔

(۳) عبدالعلی قوام، ایضاً، ص ۸۲۔۸۷

تبدیلی کا باعث ہوتا ہے، اور اگر یہ تبدیلیاں، مختلف بحرانوں کے ظاہر ہونے کا باعث ہوں تو قومی طاقت کی کمی اور ملک کے اندر نیز بین الاقوامی تعلقات میں اس کی کمزوری کا سبب بنتی ہے اور سیاسی استحکام ختم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا سیاسی استحکام کو مستقل نہیں بلکہ غیر مستقل تغیر پذیر لازمہ کی حیثیت سے مطالعہ کرنا چاہیئے، کیونکہ اقتصادی عنصر، ایک مستقل تغیر پذیر (Variable) کی صورت میں، سیاسی استحکام کو کنٹرول کرتا ہے اور قومی طاقت کو کم کرتا ہے۔

(ب) **قیادت** (Leadership): قیادت مختلف پہلووں سے قابل غور ہے: سفارتی، اقتصادی، نظریاتی اور دفاعی انتظام۔ حکمت عملی بنانے اور اس کے نافذ کرنے کے عمل میں مختلف

افراد، گروہ، ادارے اور انجمنوں کے شامل ہونے کے با وجود، خارجہ پالیسی اور بین الاقوامی تعلقات اور اس کے عملی کرنے کے طریقوں کو منظم کرنے کے لئے، ایسے لیڈروں اور انتظام کاروں کی ضرورت ہے جو، حالات اور بین الاقوامی تقاضوں (Circumstances) کا ادراک (Perception) اور شناخت کر کے اپنے قومی مفادات صحیح طریقے سے تعین کریں اور قومی مقاصد کے حصول کے لئے سرگرم ہو جائیں۔

قیادت ایسا عنصر ہے جو قومی طاقت کو بڑھانے میں مدد کر سکتا ہے اور بعض حقایق جیسے مادی و معنوی وسائل کی تیاری اور استعمال کے طریقے، سماجی اتحاد و استحکام کے قیام اور تقویت کے لئے آئیڈیالوجی سے استفادہ اور بحرانی حالات و جنگ میں دفاعی سہولتوں (Facilities) کے صحیح استعمال پر منحصر ہوتی ہے۔

(ج) **حکومت کی قسم**(Type of Government): حکومتی ڈھانچہ (Government Structure)، فیصلہ لینے اور پالیسی بنانے Policy making کے طریقے، حکمت عملی (Strategy) کے اتخاذ اور اس کے نفاذ پر بہت اثر رکھتے ہیں۔ کوئی ملک، صرف خاص خصوصیات کی حامل حکومت کے ذریعہ ہی، قومی طاقت کو بڑھاوا دینے اور دوسروں کے کردار پر اثر اندازی کی بنیاد کو حاصل نہیں کر سکتا ہے، بلکہ ہر ملک، چاہے وہاں کسی بھی قسم کی حکومت ہو، حکومت کے سیاسی استحکام، خارجہ پالیسی کے ذمہ داروں کی مہارت اور اہلیت، ان کی تیز طراری اور تحرک، قیادت کی کیفیت، عوامی ادراک و آگاہی اور آخر کار بنائی گئی پالیسیوں کی عوامی حمایت اور پشت پناہی کے ذریعے، داخلی اور بین الاقوامی منظرنامے پر اپنی قومی طاقت کا بڑھاوا دے سکتے ہیں۔

(د) **قومی اعتبار**(National Status): عالمی سماج میں کسی حکومت کی حیثیت Position، قومی اعتبار یا بین الاقوامی ساکھ (International Prestige)(۱)) کے لحاظ سے اس

حکومت کی طاقت کے گھٹانے یا بڑھانے میں اہم ہوتی ہے۔ حکومت عالمی سماج کے سامنے اپنے کردار اور ڈھانچہ کے سلسلے میں جو کچھ پیش کرتی ہے، وہ سیاسی اور اقتصادی بات چیت میں بہت مؤثر ہوتی ہے، اسی طرح کسی حکومت کا ایک برتر و مطلوب حالت سے بہرہ ور ہونا، سفارتی مذاکرات میں ایک اہم عنصر شمار ہوتا ہے۔ کسی حکومت کا جنگ جیتنا، باہری حملے کی صورت میں نقصان سے محفوظ رہنے کی صلاحیت (Non-Vulnerable)، طاقت ور حریف کی موجودگی، چشمگیر اقتصادی و صنعتی کامیابی اور مستقل حکمت عملی سبھی ان موارد میں سے ہیں جو کسی حکومت کی Position کو اندرون ملک اور اس کی اتباع میں بین الاقوامی منظرنامے پر قومی طاقت کو بڑھانے میں مدد کر سکتے ہیں۔

(۴) **جغرافیائی عناصر**(Geographical Factors(۲)):

اکیسویں صدی کی حیرت انگیز تبدیلیوں کے باوجود، جغرافیائی وسعت، شکل، طبیعی حالت اور سرحدیں، بین الاقوامی تعلقات میں قومی طاقت کو گھٹانے یا بڑھانے میں سب سے اہم عناصر ہوتی ہیں۔

(۱) حسین سیف زادہ، اصول و روابط بین الملل (الف و ب)، ایضاً، ص ۱۷۷۔

(۲) عبد العلی قوام، ایضاً، ص ۸۷ الی ۹۲/ عزت اللہ عزتی، ژئوپولتیک در قرن بیست و یکم، (تہران: انتشارات سمت، ۱۳۸۰) ص ۷۸ الی ۱۰۵۔

(الف) **وسعت**(Expanse): وسیع و عریض خطۂ زمین بہت ساری انسانی طاقت کو اپنے اندر سما لینے کے علاوہ، جنگ کے دوران، فوج کے پیچھے ہٹنے کے امکان کو آسان بناتا ہے اور اسے ناقابل تسخیر (Invincible) حالت عطا کرتا ہے۔ لیکن دوسری صورت میں، دفاعی طاقت اور طاقت میں مؤثر دیگر عناصر میں کمزوری کی صورت میں، وسیع و عریض ملک کے چپہ چپہ سے مناسب دفاع کرنے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ملک میں دشمنوں کی دراندازی

کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور ملک کے اندر اور باہر قومی طاقت گھٹ سکتی ہے۔آج کے عمومی نظریے کے بموجب، ملک کی آبادی کے پھیلاؤ کے متناسب وسعت مثالی (Ideal) ہوتی ہے۔

(ب) **شکل** (Shape): اگر کسی ملک کی جغرافیائی شکل ایک منظم ہندسی صورت میں ہو تو اچھی تدافعی حالت سے برخوردار ہوگا۔

(ج) **طبیعی حالت** (Physical Position): کسی ملک کا پہاڑی ہونا، اپنے متعلق ہ مسائل کے باوجود دفاعی نقطہ نظر سے مفید ہوسکتا ہے۔زمین کا دھنسا ہونا (Sunken Surface) بھی ملک کے لئے دفاعی سہولیات یا مشکلات کا باعث ہوتا ہے۔

(د) **طبیعی سرحدیں** (Physical Borders): سب سے زیادہ مناسب سرحد وہ ہوتی ہے جس کا دفاع آسانی سے کیا جاسکے، جیسے پہاڑ یا دریا۔بعض مواقع پر ندیاں بھی مناسب سرحدیں ثابت ہوتی ہیں، لیکن اکثر ندیوں کا اہم تجارتی راستہ شمار ہونا، ان کی اہمیت کو پہاڑ یا دریا کے مقابلے میں گھٹا دیتا ہے۔کسی ملک کے پڑوسیوں کی حالت (Position) بھی، قومی طاقت نیز تعلقات پر مؤثر ہوتی ہے، چنانچہ کمزور پڑوسیوں سے پیدا ہونے والی حفاظتی خلا باہری طاقتوں کے حملے کا باعث ہوسکتا ہے۔

(۵) **دفاعی عناصر** (Defensive factors)(۱)) اس عامل میں، اسلحے اور جنگی ساز و سامان، دفاعی

-

(۱) عبدالعلی قوام، ایضاً ص ۹۲-۹۳۔

افراد کی تعداد و کیفیت، دفاعی قیادت و نظامت، دفاعی بجٹ (Bugdet)، فوجی چھاؤنی، دفاعی فنون، فوجوں کی حرکت خیزی، فوجی نظم و انصرام (Logistics) اور دستیابی (Provision) کے امکانات وغیرہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔دفاعی طاقت میں کسی بھی طرح کی افراط و تفریط، خارجہ سیاست پر عملدرآمد کرنے والوں کو بہت سارے مشکلات سے دوچار کرتا ہے۔دفاعی عنصر مستقل نہیں بلکہ تغیر پذیر ہوتا ہے، کیونکہ دفاعی طاقت خود، نظریاتی، اقتصادی، نفسیاتی اور ارضی

سیاسیات (Geopolitics) سے متاثر ہوتی ہے۔بین الاقوامی تعلقات میں کسی ملک کی قومی طاقت میں دفاعی قیادت اور جنگی اسلحے بہت اہم ہوتے ہیں، چاہے دو ملکوں کے درمیان تنازعات کے حل کے لئے جنگ اور مقابلے کی جگہ، مصالحت آمیز راستے موجود ہوں۔

(۶) **اقتصادی عناصر** (Economical Factors)(۱)):

موجودہ وسائل کے صحیح استعمال کے لئے سیاسی نظام کی سنورنے اور حرکت آمیزی، قومی طاقت کے اہم معیاروں میں شمار ہوتا ہے۔چنانچہ وہی حکومت طویل مدتی جنگ میں شریک ہوسکتی ہے جو معاشی امکانات کے نقطہ نظر سے بےفکر ہو۔کوئی حکومت جتنا زیادہ امکانات و ذرائع سے مالا مال ہوگی، اتنا ہی صلح یا جنگ کے دوران اس کی نقصان پذیری کم ہوگی۔اس عنصر میں بعض متغیرہ (Variable) اور اندرونی و خارجی مسائل پر توجہ دینی چاہئے۔جیسے: مجموعی پیداوار (Gross National Product G.N.P.)، سالانہ آمدنی، صنعتی و زرعی پیداوار کی تعداد و کیفیت، وسائل کی فراہمی (Availability)، حکومت کا دوسری سیاسی اکائیوں کے مالی و اقتصادی ذرائع پر انحصار و عدم انحصار کے درجے، دوسری عالمی جنگ (Second World War) کے بعد سے بین الاقوامی اقتصادی نظام کی پیچیدگی (Complicated)، غریب و امیر ملکوں کے درمیان خلیج، تیسری

-

(۱) ایضاً ص ۹۴-۹۵

دنیا کے ممالک کے اقتصادی، سیاسی اور تہذیبی نظام کی بڑی صنعتی طاقتوں کی سیاستوں سے اثر پذیری، بڑی طاقتوں کے ذریعے مختلف حربوں کو استعمال کر کے، پچھڑے ملکوں کو اپنے قابو میں کرنے کی کوشش۔

دھیان میں رکھنا چاہئے کہ کسی ایک شعبے پر حد سے زیادہ زور دینا اور سرمایہ کاری اور تاکید، دوسرے شعبوں میں کمزوری اور پچھڑے پن کا باعث ہوسکتا ہے، اور لمبے عرصے میں قومی

طاقت میں کمی کا باعث بھی۔لہٰذا طاقت واقتدار کے عناصر میں اقتصادی تقسیم کے سلسلے میں ایک طرح کا توازن و اعتدال ہونا چاہیے۔

طاقت قرآن اور اسلام میں

اسلام میں بھی طاقت کا بیان ہوا ہے،لیکن یہ حقیقت پسندی (Realism) کی طرح نہیں، جو طاقت کو سیاست کا اساس جانتا ہے۔قرآن واسلام میں سیاست، اقتدار حاصل کرنا نہیں ہے،لیکن اپنی جگہ پر اور اعتدال وتناسب کی حد میں اہمیت کا حامل ہے اور اس کو اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے ایک وسیلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔چنانچہ آغاز بعثت میں،مخفی تبلیغ اور ساتھیوں کی تعداد کم ہونے کی وجہ سے،پیغمبرؐ کی بہت زیادہ طاقت نہیں تھی،اس کے باوجود کبھی بھی آن حضور نے کسیلبھاوے میں،قریش کے وعدے و وعید کو اور اس کے ذریعے اپنی سیاسی و اقتصادی طاقت کو بڑھاوا دینے اور اس کے بدلے میں اللہ کی وحدانیت کی تبلیغ کو ترک کرنے کو قبول نہیں فرمایا۔

لیکن اعلانیہ تبلیغ کے بعد،مسلمانوں کی حبشہ اور اس کے بعد مدینہ کی طرف ہجرت کرنے اور ساتھیوں کی تعداد میں اضافہ اور اسلام کے فروغ کے ساتھ پیغمبرؐ کی طاقت روز بروز بڑھ رہی تھی۔مدینہ میں عقبہ کے دونوں معاہدوں کے ذریعے لوگوں کا اشتراک،تعاون اور حمایت کو حاصل کر کے اور ان کے اختلافات کو دور کر کے،مسلمانوں کے قومی جذبے کو تقویت دی۔

دوسری طرف اللہ کے حکم سے مسلمانوں کو رشتۂ اخوت سے باندھ کر، (إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (حجرات،۱۰)،''مومنین تو آپس میں بس بھائی بھائی ہیں۔'') ان کے زیادہ سے زیادہ ہمدلی اور قربت کا باعث ہوئے۔تفریق (Discrimination) کو ختم کیا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ (حجرات،۱۳)

اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک تم سب میں

سب سے بڑا عزت دار وہی ہے جو بڑا پرہیزگار ہو۔

مسجد کو مسلمانوں کا سماجی، سیاسی، دفاعی اور تہذیبی مرکز قرار دیا اور ان کو مختلف علوم کی تحصیل کا شوق دلایا۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (جمعہ:۲)

وہی تو ہے جس نے جاہلوں میں ان ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور ان کو کتاب اور عقل کی باتیں سکھاتے ہیں ،اگرچہ اس کے پہلے تو یہ لوگ صریحی گمراہی میں (پڑے ہوئے) تھے۔

أَفَلَمْ يَسِيرُوا فِی الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (یوسف:۱۰۹)

تو کیا یہ لوگ روئے زمین پر چلے پھرے نہیں کہ غور کرتے کہ جو لوگ ان سے پہلے گزرے ہیں ان کا انجام کیا ہوا

فَسِيرُوا فِی الْأَرْضِ فَانْظُروا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ (آل عمران:۱۳۷)

پس ذرا روئے زمین پر چل پھر کر دیکھو تو کہ (اپنے

اپنے وقت کے پیغمبروں کو) جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

تزکیۂ نفس ،لوگوں تک الٰہی آیات کو پہنچانا،کتاب وحکمت کی تعلیم اور تحصیل علم و دانش ایسے امور ہیں جو زمین کے کسی بھی کونے میں ،سماج کی تہذیبی ترقی کا باعث ہوتے ہیں۔آن حضرتؐ نے تمام اوقات اور تمام امور میں اچھے اخلاق ،خوشروئی اور مہربانی کی دعوت دیتے ہوئی فرماتے ہیں:

اِنّی بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلاق (۱)

بے شک میں مکارم اخلاق کو مکمل کرنے کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

ہمیشہ قسط وعدل سے برتاؤ کرتے تھے اور غنیمت کے اموال ،خمس وزکوۃ کو عادلانہ طور پر تقسیم کرتے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الإِحْسَان (نحل ۹۰)

بے شک اللہ عدل و احسان کا حکم دیتا ہے۔

دوسرے مذاہب کے ماننے والوں جیسے یہودیوں سے اچھا برتاؤ فرماتے تھے،جیسا کہ مدینہ کے منشور میں، ان کو امت واحدہ کے ایک جزء کے طور پر تعارف کراتے ہوئے ان سے ایک معاہدہ بھی کیا۔اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں، کسی طرح کی زور زبردستی نہیں کی ہے، بلکہ اس سلسلے میں انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہے:

لَاإِکْرَاہَ فِی الدِّینِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الغَی (بقرہ:۲۵۶)

(۱) ابو علی الفضل بن حسن طبرسی، مکارم الاخلاق، ج اول، (تہران: انتشارات اعلمی، ۱۳۷۷)، ص ۳۶۔

دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے کیونکہ ہدایت، گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے۔

ہمیشہ مسلمانوں کو اپنے ایمان کو مضبوط کرنے کا حکم دیتا ہے:

الَّذِینَ آمَنُوا وَلَمْ یَلْبِسُوا إِیمَانَهُمْ بِظُلْمٍ أُولَئِکَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُون (انعام:۸۲)

جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اپنے ایمان کو ظلم (شرک) سے آلودہ نہیں کیا انہیں لوگوں کے لئے امن و (اطمینان) ہے اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

أَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا لاَیَسْتَوُون (سجدہ:۱۸)

کیا جو شخص ایماندار ہے اس شخص کے برابر ہو جائے گا جو بدکار ہے (ہرگز نہیں یہ دونوں) برابر نہیں ہو سکتے۔

خدائے واحد اور اس کی مطلق حاکمیت پر ایمان لانا ،حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنا، اور مجموعی طور پر اسلامی اصول پر ایمان لانا، یہ سب مسلمانوں کی قومی خصوصیت، دینی و مذہبی مشترکات اور اسلام و پیغمبرؐ کی طاقت کے عناصر ہیں۔

پیغمبر اسلامؐ ،جنگوں میں مکمل درایت اور اصحاب سے مشورہ کر کے، بہترین اور ترقی یافتہ ترین ساز وسامان (Equipment)، جنگی و دفاعی صف آرائی (Deployment of Forces) حتیٰ کہ سچے اور وفادار جاسوسوں سے فائدہ اٹھاتے تھے۔جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ (انفال:۶۰)

اور (مسلمانو) ان کفار کے (مقابلے کے) واسطے
جہاں تک تم سے ہوسکے (اپنے بازو کے) زور سے اور
بندھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرو۔اس
سے خدا کے دشمن پر اپنے دھاک بٹھالو گے۔

پیغمبرؐ نے جمہوری حکومت کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ، ہمیشہ، تمام امور میں مسلمانوں اور اپنے ساتھیوں سے مشورہ فرماتے تھے۔

وَأَمۡرُهُمۡ شُورَىٰ بَيۡنَهُم (شوریٰ:۳۸)

اور ان کے کل کام آپس کے مشورے سے ہوتے ہیں۔

وَشَاوِرۡهُمۡ فِي الۡأَمۡرِ (آل عمران:۱۵۹)

اور ان سے کام کاج میں مشورہ کرلیا کرو۔

امر بہ معروف ونہی عن منکر کو پھیلایا:

وَأۡمُرۡ بِالۡمَعۡرُوفِ وَانۡهَ عَنِ الۡمُنكَرِ (لقمان:۱۷)

اور (لوگوں سے) اچھا کام کرنے کو کہو اور برے کام
سے روکو۔

آن حضرتؐ نے خاندانی اور قبائلی طرز حکومت کو، اسلامی حکومت میں تبدیل کردیا۔ ایک ایسی حکومت جس میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور پیغمبر اسلامؐ، اللہ کے بھیجے ہوئے، حامل وحی اور الٰہی احکام کو نافذ کرنے والے کی حیثیت سے، اللہ کی طرف سے، معاشرے کے عینی ولایت اور سرپرستی کو اپنے ذمے لئے ہوے تھے۔ پیغمبر اسلامؐ ایک پاک ومعصوم، عادل وعالم اور ومدبر و منتظم رہبر تھے، اور ایک اچھی قیادت کی خصوصیات کے حامل تھے۔

وَقَالَ لَهُمۡ نَبِيُّهُمۡ إِنَّ اللهَ قَدۡ بَعَثَ لَكُمۡ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوٓا أَنَّىٰ يَكُونُ

لَهُ الۡمُلۡكُ عَلَيۡنَا وَنَحۡنُ أَحَقُّ بِالۡمُلۡكِ مِنۡهُ وَلَمۡ يُؤۡتَ سَعَةً مِنَ الۡمَالِ قَالَ إِنَّ اللهَ اصۡطَفَاهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهُ بَسۡطَةً فِي الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ (بقرہ:۲۴۷)

اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ بیشک خدا نے
(تمہاری درخواست کے مطابق) طالوت کو تمہارا بادشاہ
مقرر کیا۔(تب) کہنے لگے اس کی حکومت ہم پر کیونکر
ہوسکتی ہے حالانکہ سلطنت کے حقدار اس سے زیادہ تو ہم
ہیں۔ کیونکہ اسے تو مال (کے اعتبار)سے بھی فارغالبالی
(تک) نصیب نہیں۔(نبی نے) کہا خدا نے اسے تم پر فضیلت
دی ہے اور (مال میں نہ سہی) مگر علم اور جسم کا
پھیلاؤ تو اسی کا خدا نے زیادہ فرمایا ہے۔

جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:وَ مَكَانُ الۡقَيِّمِ بِالامرِهِ مَكَانُ النِّظامِ مِنَ الخَرَزَ يَجۡمَعُهُ: [illegible] بِالاِسلامِ، عَزِيز [illegible] بِالاِجتِمَاعِ۔

پیغمبر اسلامؐ کے یہ تمام اقدامات، مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت اور اسلامی حکومت کے سیاسی استحکام کا باعث ہوئے۔ اس طرح مکہ کے فتح ہونے سے اور اسلام و مسلمین کے بڑے دشمنوں کو راستے سے ہٹانے سے، یہ طاقت اپنے کمال پر پہنچ گئی۔ اسلام، جغرافیائی نقطہ نظر سے بھی پھیلا اور وسیع ہوگیا۔ یہاں تک کہ جزیرۂ عرب کی سرحدوں سے بھی باہر پہنچ گیا۔ پیغمبر اسلامؐ نے

اسلام کی تبلیغ کے لئے، مختلف حکومتوں کے نام قاصد روانہ کئے اور اپنے بین الاقوامی تعلقات کو مکمل اقتدار کے ساتھ برقرار کیا۔ چنانچہ آنے والے زمانے میں، دو بڑی طاقتیں یعنی ایران و روم پر بھی حاوی ہوئے اور وہ ملک بھی، اسلام کی حدود میں داخل ہو گئے۔ اس طرح پیغمبرؐ نے، اللہ کی مدد اور قرآن کی ہدایت سے داخلی اور بین الاقوامی منظر نامے پر اپنی قومی طاقت کے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے۔ جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

هُوَ الَّذِی أَیَدَکَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِین (انفال:۶۲)

وھی تو وہ ھے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمھاری تائید کی۔

تیسرا باب

بین الاقوامی تعلقات میں سفارت کاری

سفارت کاری (Diplomacy)

سفارت کاری کی تعریف:

ڈپلومیسی (Diplomacy)، یونانی لفظ ''ڈپلوما'' (Diploma) سے لیا گیا ہے، جس کے معنی موڑے ہوئے صفحہ یا کسی بھی قسم کے موڑے ہوئے یا Roll کئے ہوئے پتّی ہے۔ اور

اصطلاح میں ایک رسمی سند (Official Document) کو کہتے ہیں جس کے بموجب ،کوئی عنوان ،امتیاز یا مراعات (Privilege) کسی شخص کو دیا جاتا ہے۔(۱)

بین الاقوامی تعلقات کی اصطلاح میں، ممالک کے درمیان تعلقات کو رسمی نمایندوں کے ذریعے، ہدایت، کنٹرول اور تنظیم کرنے کے عمل کو سفارت کاری یا ڈپلومیسی (Diplomacy) کہتے ہیں۔ڈپلومیسی یعنی، خارجہ سیاست، رہبر اصول اور ذرائع نیز ان پر عمل درآمد کرنے کی کیفیت کو کنٹرول کرنا، (۲) جس کے ذریعے ایک حکومت عملی و اجرائی تدابیر کی مدد سے اپنی سرحدوں سے باہر اپنے مفادات کا تعاقب (Pursuance) کرتی ہے۔

ملکوں کے ایک دوسرے پر بڑھتے ہوئے انحصار کی وجہ سے، بین الاقوامی نشستیں اور کثیر فریقی اجلاس (Diplomacy of Conference)(Multilateral Summit) اور پارلیمانی ڈپلومیسی (Parliamentry Diplomacy) روز بروز بڑھتی جارہی ہیں۔لیکن ممالک بہت سارے امور کے تحت، آپسی تعلقات رکھتے ہیں۔اس طرح کہ بیشتر ڈپلومیٹیک سرگرمیاں، دوفریقی ہوتی ہیں اور وزارت خارجہ کے عام ذرایع اور باہری ملکوں میں مقیم سفارتی وفد کے ذریعے انجام پاتی ہیں۔بعض اوقات سفارت کاری سرگرمیاں، قانون ساز اور عدالتی اداروں کے سربراہوں کے ذریعے (۳)، اور کبھی کبھی اہم اور حساس مسئلوں میں، چوٹی کی سطح پر، ممالک کے سربراہوں کے

(۱۔۲) جک سی پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۲۵ اور ۳۲۶۔

(۳) عبدالعلی قوام، ایضاً ص ۲۰۸

درمیان بات چیت کے ذریعے اور بعض مواقع بین الاقوامی اداروں کے ذریعے انجام پاتے ہیں۔

عوام کو اپنے کاموں میں شریک کرنے کے نقطہ نظر سے ڈپلومیسی خفیہ اور کھلی ڈپلومیسی میں تقسیم ہوتی ہے۔اس طرح پچھلے دور میں، مطلق العنان حکومتیں (Autocratic)، عوام اور قوم کو کوئی موقع نہیں دیتی تھیں اور حکام وسلاطین خود، فیصلے کرکے اس کو نافذ کرتے تھے، لیکن یہ طریقہ

کچھ عناصر سے متاثر ہوکر، کھلی ڈپلومیسی میں تبدیل ہوگیا۔بعض عناصر جیسے :ٹکنالوجی میں انقلاب، سیاسی اکائیوں کا ایک دوسرے سے وابستگی اور دوطرفہ انحصار، گروہی تعلقات کی پیش رفت، رائے عامہ (Public Opinion) کی اہمیت، آمریت (Dictatorship) کا خاتمہ اور نئی جمہوریتوں کا ظہور کی بنا پر کھلی ہوئی ڈپلومیسی میں کسی بھی طرح کا خفیہ معاہدہ اور قرارنامہ کرنا منع ہوگیا(۱) اور حکومتوں کو کم از کم بین الاقوامی مذاکرات کے نتائج اور خارجہ سیاست کے حقائق کو عوام کے سامنے لانا چاہئے، کیونکہ حکومتوں کو، بحرانی حالات میں، اپنے عوام کی حمایت واشتراک، تعاون اور ایثار کی ضرورت ہے۔اور قوم خود بھی اس بات کا مستحق جانتی ہے کہ ان ایثار وقربانی کے مواقع پر حقایق اور معلومات فراہم کئے جانے کی مستحق سمجھتی ہے۔(۲)

ممالک، سیاسی ماحول اور مدنظر مفادات کی بنیاد پر، بروئے کار لائی جانے والی Diplomacy مختلف اور متنوع ہوجاتی ہے۔بہر حال Diplomacy چاہی کسی بھی قسم کی ہو، لیکن بین الاقوامی تعلقات کے منظم وقاعدہ مند نظام کو مدد پہنچاتی ہے اور بین الاقوامی تنازعات کا پرامن طریقے سے تصفیہ کا رائج ترین طریقہ ہے۔۔اگرچہ Diplomacy ٹکنالوجی اور فنی علم سے بہرہ ور ہوتی ہے، لیکن یہ زیادہ تر فن (Art) ہے نہ کہ علم (۳) اور ممالک کے درمیان تعلقات میں،

(۱) جوزف فرانکل، ایضاً ص ۱۷۴۔

(۲) عبدالعلی قوام، ایضاً ص ۲۸۰۔

(۳) علی اصغر کاظمی، روابط بین الملل در تئوری ودر عمل، ایضاً ص ۲۴۲۔

ذاتی ربط کے لئے، یہ اصلی اور ضروری ہے۔

پیغمبر اسلامؐ بھی اس فن کے مالک تھے۔چنانچہ پانچ بار سفیر اور نمائندہ بھیجنے اور سران قریش سے مذاکرہ کرنے کے بعد، آخر کار، مذاکرات کا نتیجہ برآمد ہوا اور پیغمبر اسلام نے مشرکین سے موافقت حاصل کرکے، صلح حدیبیہ کے معاہدے پر دستخط کیا اور یہ بات پرامن طریقے سے

انجام پذیر ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورۂ نساء، آیت نمبر ۱۱۴ میں ارشاد فرماتا ہے:

لاَخَيْرَ فِى كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلاَّ مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاَحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا۔

ان کی راز کی باتوں سے اکثر میں بھلائی کا تو نام تک نہیں، مگر (ہاں) جوشخص کسی کو صدقہ دینے یا اچھے کام کرنے یا لوگوں کے در میان میں ملاپ کرانے کا حکم دے تو (البتہ ایک بات ہے) اور جو شخص محض خدا کی خوشنودی کی خواہش میں ایسے کام کریگا تو ہم عنقریب ہی اسے بڑا اچھا بدلہ عطا فرمائینگے۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سفارت کاری اور سفیر کے فرائض منصبی کو صدقہ دینے اور اچھے کام کرنے کے برابر مانا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر اس میں اللہ کی رضا جوئی چھپی ہوئی ہوتو بہت بڑی جزا کا حقدار ہوگا۔

سفارت کاری کے فرائض منصبی

ڈپلومیسی کے منصبی فرائض کو چھ عنوانوں میں ذکر کیا سکتا ہے:

۱۔ **نمائندگی** (Representation): سب سے اہم فریضہ ہے۔ نمایندہ اپنے اسناد تقرر (Credential(۱)) کو ظاہر کر کے، قومی یا اداری، سیاسی اجلاس اور نشستوں میں شریک ہوکر اپنا کام انجام دیتا ہے۔ نمایندے کا سب سے اہم سیاسی رخ، وہ بنیاد ہے جس میں سفارتخانہ اور دوسرے سفارتی ذرائع سے اپنی قومی سیاست کی وضاحت و مدافعت، مذاکرات اور قبول کرنے والی حکومت کی خارجہ اور داخلی سیاست کو تغیر دینا شامل ہے۔

۲۔ **انچاہی تبدیلیوں کے سلسلے میں بروقت پر آگاہی**: سفیروں کے خاص فرائض میں ایک یہ بھی ہے کہ رونما ہونے والے بنیادی مسائل اور اندرونی و بیرونی Pattern اور ان کے نتائج کا تجزیہ کرکے، اپنی حکومت کو آگاہ ومتنبہ کریں۔

۳۔ **نئی سیاستوں اور پہل کرنے والے اقدامات کی بنیاد ڈالنا یا ماحول فراہم کرنا۔**

۴۔ طرفین یا چند ممالک کے درمیان بالقوہ یا بالفعل تنازعات کی صورت میں اختلافات کوکم کرنا اور دوفریقی یا کثیر فریقی تعلقات کو آسان بنانا۔

۵۔ تبدیلیوں پر کنٹرول اور تغیرات میں نظم وضبط برقرار کرنا۔

۶۔ بین الاقوامی معیاروں کے قواعد کے ایک وسیع مجموعے کی تدوین، تنظیم، اصلاح اور Systematize جو بین الاقوامی نظام میں ایک طرح کے ڈھانچے کے ایجاد کا باعث ہوتا ہے۔(۱)

(۱) آر۔ پی۔ بارستون، **دیپلماسی نوین**، محمد جعفر جواد، (تہران: نشر دادگستر، ۱۳۷۹) ص ۲۲۔

سفارت کاری کے مختلف طریقے (Different Ways of Diplomacy)

(۱) **مذاکرہ** (Negotiation Diplomacy):

حکومتوں کے درمیان مذاکرہ سفارتی نظریات کا تبادلہ ہوتا ہے جو کہ دو یا چند فریقی

صورت میں، اقوام متحدہ (U.N.O.) کے مراکز اور دفاتر، نیز ممالک کے دار السلطنتوں اور بین الاقوامی اجلاس میں واقع ہوتے ہیں۔ اسی طرح تمام اہم بین الاقوامی معاہدوں پر دستخط کرنے سے قبل، غیر رسمی مذاکرات انجام پاتے ہیں۔

مذاکرہ معمول کی سفارتی سرگرمی ہے جو سفیر، سفارت خانے کے ممبران یا خاص سفارتی افسروں کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ مذاکرہ اطلاعات کے تبادلہ کے لئے انجام پاتا ہے اور افہام و تفہیم اور اتفاق کی ابتدا ہے۔(۱) اس کی بنیادی ٹکنیک، ترغیب (Encouragement) اور سمجھوتا (Compromise) ہے(۲)۔ مذاکرہ ایسا طریقۂ کار (Process) ہے جس کے ذریعے، کسی مبادلہ یا ایسے مشترکہ منافع جس میں متعارض منافع بھی موجود ہوں، کے سلسلے میں توافق حاصل کرنے کے لئے کچھ تجاویز پیش کئے جاتے ہیں۔ مذاکرہ، صریح و واضح تجاویز کا مقابلہ (Confrantation) ہوتا ہے جو مذاکرے کو ضمنی طور پر سودے بازی (Bargaining) اور تنازعات ظاہر کرنے والے برتاؤ کی دیگر شکلوں سے الگ کرتا ہے۔(۳) مثال کے طور پر وہ معاہدے جو پیغمبر اسلامؐ نے مختلف قبیلوں اور قوموں سے کئے۔

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۳۲۔

(۲) جوزف فرانکل، ایضاً ص ۱۷۸

(۳) آر۔ پی بارستون۔ ایضاً ص ۱۰۵۔

(۲) کثیر فریقی ڈپلومیسی یا کانفرنس (Multilateral Diplomacy):

کانفرنس کی ڈپلومیسی، کھلی سفارت کاری کی ایک شکل ہے جس میں بین الاقوامی نشستوں کے ذریعے سلسلے وار اور مفصل کثیر فریقی سفارتی مذاکرات ہوتے ہیں۔ ساری دنیا میں اقوام متحدہ اپنے سلسلے وار نشستوں میں اس ڈپلومیسی کو استعمال کرتا ہے۔ کانفرنس کی ڈپلومیسی کی کثیر فریقی

حیثیت، ایک بنیاد فراہم کرتی ہے تاکہ ہر رخ سے مسائل واضح و معین ہو جائیں، مختلف نظریات کا تبادلہ ہو اور مشترکہ مسائل کے راہ حل معلوم کرنے کے لئے تعاون کیا جائے۔ لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اس طریقے سے ہمیشہ اتفاق پر نہیں پہنچا جا سکتا ہے۔(۱)

چنانچہ سنہ ۹ ہجری میں جو 'سال وفوذ' کے نام سے مشہور ہوا، پیغمبرؐ نے مختلف قبیلوں، مذاہب اور قوموں کی طرف سے بھیجے گئے وفد اور گروہوں سے، اسلام و قرآن کے سلسلے میں بہت سارے مذاکرات و مباحثات انجام دئے۔

(۳) پارلیمانی ڈپلومیسی (Parliamentary Diplomacy):

یہ کانفرنس کی ڈپلومیسی کی ایک صورت ہے جس کے معنی بین الاقوامی اداروں میں، اکثریت کی رائے کو ہموار کر کے موافقت حاصل کرنا ہے۔ پارلیمانی سفارت کاری مختلف علاقائی اور مشترک المفاد گروہوں کے طریقے اور کارکردگی پر نظر رکھتی ہے اور ان کے طریقۂ عمل کو جو پارٹی بندی، حکومتوں کا اپنے نمایندوں کی حمایت کے لئے مخصوص بجٹ اور سیاسی لین دین کے لحاظ سے پارلیمنٹ سے مشابہ ہوتا ہے تائید کرتی ہے نیز مسائل کے طی ہونے، مسائل پر دقیق نظر اور خیالات کو ایک دوسرے سے ضم کرنے میں مدد کرتی ہے۔(۲)

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۳۰/ آر۔ پی بارستون، ایضاً ص ۱۳۰۔۱۳۸۔

(۲) جک سی پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۲۷

(۴) سربراہکی ڈپلومیسی (Summit Diplomacy):

ممالک یا حکومتوں کے سربراہوں کے ذریعے استعمال کی گئی ذاتی ڈپلومیسی کو سربراہ ڈپلومیسی کہتے ہیں، لیکن یہ اپنے میں، کامیابی کے حصول میں، دوسری ڈپلومیسیوں سے کوئی زیادہ صلاحیت نہیں رکھتی ہے۔ چوٹی کی ڈپلومیسی:

الف) اتفاق رائے کے مجموعی حدود کا تعین اور اس کی جزئیات کو نچلے سطح کے حوالے کرسکتی ہے۔

اور

ب) نچلی سطح پر پیدا ہوئی بن بست کو ختم کرسکتی ہے۔

حکومتوں کے مابین تعلقات میں اصلاح وفروغ کے لئے اس سفارتی ٹکنیک کا استعمال کیا جاتا ہے۔بعض مواقع پر بہت جلد نتیجہ مل سکتا ہے، کیونکہ کوئی دوسرا مرکز یا طاقت موجود نہیں ہے جس کے سامنے مسائل کو پیش کیا جاسکے اور ردعمل کے ظاہر ہونے کا انتظار کریں۔دوسری طرف قومی رہنما بہ ندرت، تجربہ کار اور ماہر سفارت کار ہوتے ہیں۔(۱) مثال کے طور پر وہ مذاکرے جو پیغمبرؐ نے فتح مکہ کے موقع پر، ابوسفیان سے کئے، جو ابوسفیان کے مسلمان ہونے اور مسلمانوں کے ذریعے جنگ اور خونریزی کے بغیر پرامن طریقے سے مکے کے فتح ہونے کا باعث ہوا۔

(۵) کمان ڈپلومیسی Command Diplomacy:

زیادہ طاقت ور ملک کا دوسرے ملک یا دوسرے خطے میں، اپنی طاقت کو نافذ کرنے کو کمان ڈپلومیسی Command Diplomacy کہتے ہیں اور یہ مختلف ممالک کی طاقت میں زیادہ فرق ہونے کی وجہ سے ظاہر ہوتی ہے۔اس قسم کی س فارت کاری کی نتیجہ ممکن

-

(۱)، ایضاً ص ۳۲۸۔

ہے ایک منحصر ملک، حاکم محکومی کے تعلقات یا قلمرو رسوخ کی پیدایش کے شکل میں ظاہر ہو۔(۱) جس طرح پیغمبرؐ نے اپنی حاکمیت اور طاقت کے بنیاد پر، مدینے کے منشور کے ذریعے، مدینے کے یہودیوں سے فرمایا کہ یہودی یا تو اسلام قبول کرکے مسلمان ہوجائیں یا جزیہ دے کر اور منشور مدینہ پر عمل کرکے مدینے میں رہیں اور ان کی حمایت کی جائے گی۔اسی طرح جنگ تبوک میں، پیغمبرؐ اور

اسلام کے لشکر کے پہنچنے سے پہلے، جب رومی لوگ اپنی سرحدوں تک پیچھے ہٹ گئے، تو پیغمبرؐ نے کمان کی ڈپلومیسی کی بنیاد پر، ان کو ہتھیار ڈالنے یا جنگ کرنے کے بیچ انتخاب کا موقع دیا۔انھوں نے ہتھیار ڈال دیا اور مسلمانوں کو فتح ملی۔

(۶) فیت اکمپلائی ڈپلومیسی (Fait accompli Diplomacy):

یہ لفظ فرانسیسی ہے جس کا لفظی مطلب ہے انجام شدہ فعل کے سامنے قرار پانا اور ڈپلومیسی کی اصطلاح میں بھی یہی معنی دہوتے ہیں۔ایک یا چند ممالک کے ذریعے انجام دیا گیا فعل جو دوسرے ملک یا ممالک کو نئی اور غیر مطلوب شرائط سے دوچار کرتا ہے۔یہ ڈپلومیسی یک طرفہ اقدام ہوتی ہے جو غالباً سفارتی بن بست (Diplomacy Deadlock) کا نتیجہ اور مذاکرہ کا نقطۂ مقابل ہوتی ہے۔(۲) مثال کے طور پر ربیع الاول ۱۳ ؁ھ (سنہ ۶۲۲ ء) میں لیلۃ المبیت کا واقعہ، جب مشرکین مکہ نے، پیغمبر کے قتل کے غرض سے، آن حضرت کے مکان پر حملہ کیا اور پیغمبر اسلامؐ، سورہ انفال کی آیت نمبر ۳۰ میں اللہ کے حکم کے ذریعے، مشرکوں کے اس سازش سے آگاہ ہوئے، رات میں مکے سے یثرب کی طرف ہجرت فرمائی اور حکم دیا کہ آن حضرت کے بستر پر حضرت علیؑ آرام فرمائیں۔پیغمبرؐ نے اس طرح قریش کو ایک 'انجام شدہ فعل' کے سامنے قرار دیا، کیونکہ وہ پیغمبرؐ کی

-

(۲) جک سی، پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۲۹۔

(۱)، ایضاً ص ۳۲۸۔

ہجرت میں مانع ہونا چاہتے تھے اور حقیقت میں ان کے قتل پر کمر کس لی تھی۔

(۷) میکاولی ڈپلومیسی:

میکاولی سفارت کاری کا معنی ہے: مقصد ہی، وسیلے کو توجیہ کرتا ہے۔ یہ سفارت کاری، قومی مقاصد کا فریب کارانہ، Cospiracy اور مزورانہ چالوں کے ذریعے تعاقب ہے، جس کا Motive صرف اپنے تنگ نظرانہ (Narrow-Minded) مقاصد کا حصول ہے۔ کسی بھی طریقے سے مقصد کا حصول۔ چنانچہ طاقت ور ممالک اس پالیسی کو استعمال کرکے، اپنی تمام فریب کاریوں، مکاریوں (Tricksiness) اور دراندازیوں (Invasion) کو اپنی سیاسی ہوشیاری عقلمندانہ ڈپلومیسی اور قومی مفادات سے دفاع کا نام دیتے ہیں۔ لیکن کمزور ممالک کی چھوٹی سے چھوٹی خطا اور غلطی کو مکیاولی پالیسی اور بین الاقوامی حقوق پر تجاوز مانتے ہیں۔(۱) جیسا کہ واضح ہے اس طرح کی ڈپلومیسی، اخلاقی نقطہ نظر سے مردود ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يُخَادِعُونَ اللهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلاَّ أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ (بقرہ:۹)

خدا کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے دھوکا دیتے ھیں حالانکہ وہ آپ اپنے ھی کو دھوکا دیتے ھیں اور کچھ شعور نھیں رکھتے ھیں۔

وَمَکَرُوا وَمَکَرَ اللهُ وَاللهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (آل عمران:۵۴)

اور یھودیوں نے (عیسیٰ) سے مکاری کی اور خدا نے تدبیر کی اور خدا سب سے بھتر تدبیر کرنے والا ھے۔

(۱) ایضاً ص ۳۳۲۔

سفارت کار (Diplomat)

سفارت کار، حکومتوں کو جوڑنے والی کڑی شمار ہوتے ہیں اور فریقین کی باہمی دلچسپی کے بہت سارے موضوعات کے حل وفصل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی حکومت کی آنکھ وکان ہوتے ہیں۔ میزبان ملک کی اقتصادی، سیاسی دفاعی، تہذیبی اور سماجی ترقی کو مشاہدہ کرکے اپنے ملک کو خبر دیتے ہیں۔ وہ لوگ اپنے ملک کے نمائندے اور تعارف کرانے والے ہوتے ہیں اور اپنے ذاتی برتاؤ میں، اپنے ملک کا نمونہ اور پہچان ہوتے ہیں۔ اپنے ملک کی حمایت اور اس کے مفادات کو آگے بڑھانے کے لئے، مفاہمت واتفاق پر پہنچنے تک، مختلف مسائل پر مسلسل مذاکرہ کرنا ان کا فریضہ ہوتا ہے۔(۱)

بین الاقوامی معاشرے میں Diplomat کو سفارتی چھوٹ یا سفارتی مراعاتیں (Diplomatic immunities) حاصل ہوتی ہیں اور ممالک ان مراعاتوں اور چھوٹ کے احترام کے مطلق پابند ہیں۔ انہیں عدالتوں کی گرفت سے مستثنیٰ ہونے کے علاوہ، دوسری آزادیاں اور مراعاتیں بھی حاصل ہیں۔ اسی طرح نمائندوں کے وفد کی عمارت (سفارت خانہ)، خصوصی قیام گاہ، سفارتی وفد کے ارکان، ارکائیو (Archive)، اسناد، رسمی خط وکتابت اور نمائندوں کے وفد یا ڈپلومیٹ سے متعلق دوسرے سامان تعرض سے محفوظ ہوتے ہیں۔ سفارتی نمائندوں کے وفد کی عمارت ٹیکس سے معاف ہوتے ہیں۔ نمائندوں کے وفد کے رسمی استعمال کی اشیاء یا ڈپلومیٹ اور ان کے اہل خانہ کے ذاتی استعمال کے سامان کو، ملک میں بغیر ٹیکس اور Custom Duty کے داخل کیا جاسکتا ہے۔ ضمناً ڈپلومیٹ کو گرفتار نہیں کیا جاسکتا ہے۔(۲) ڈپلومیٹ کے پاس اپنی حکومت کے صدر کی طرف سے اسناد تقرر (Credential) ہوتے ہیں

-

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۱۹۔

(۲) ہوشنگ مقتدر، حقوق بین المللی عمومی، ج پنجم، (تہران: انتشارات وزارت خارجہ، ۱۳۷۶)، ص ۹۵۔۱۰۱ تک

اور اسی عنوان اور سفارتی حفظ مراتب کے تحت میزبان ملک میں داخل ہوتے ہیں۔

۱۔**سفیر** (Ambassador): سفیر ایک ملک سے دوسرے ملک بھیجا جانے والا سب سے بلند درجہ کا نمائندہ ہے۔ یہ تین طرح کے ہوتے ہیں: الف) سفیر کبیر یا تام الاختیار سفیر جس کو اقامت اور مسلسل فرائض کی ادائیگی کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ب) خصوصی ایلچی جو کسی خاص کام کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ ج) پوپ کا نمائندہ۔

پیغمبر اسلامؐ نے بھی دوسرے ممالک کے لئے نمائندے اور سفیر بھیجے۔ مثلاً وہ زمانہ جب اسلام کی دعوت کے لئے، امراو سلاطین، قبیلوں کے سرداروں اور معنوی و سیاسی شخصیتوں کو خط لکھے اور اپنے نمائندوں اور سفیروں کے ذریعے ان کو بھیجے۔ آج بھی پیغمبر اسلامؐ کے ۱۸۵ خطوط جو اسلام کی دعوت و تبلیغ یا معاہدہ و میثاق کی صورت میں تحریر ہوا تھا موجود ہیں۔(۱) اسی طرح وہ مبلغ اور نمائندے جو مختلف قبائل جیسے اوس وخزرج کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجتے تھے۔

یہ جاننا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ پیغمبرؐ کے زمانے میں بھی سفیر اور ڈپلومیٹ کو تحفظ (Diplomatic Protection) حاصل تھا۔ مثلاً وہ پانچ سفیر جن کو قریش نے پیغمبرؐ کے پاس بھیجا تھا (پیغمبر اسلامؐ نے سنہ ۶ ہجری میں خانۂ خدا کی زیارت کی غرض سے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ، مکے کے قریب خیمہ لگائے ہوئے تھے کہ اگر مشرکوں سے صلح ہوگئی تو مکے میں داخل ہوں) انہیں مکمل جانی و مالی تحفظ حاصل تھا اور صحیح وسلامت اپنے شہر و اہل خانہ کے پاس واپس ہوئے۔

(۲)**مدار المھام** (   ): وہ اپنے اسناد تقرری کو میزبان ملک کے وزیر داخلہ کے حوالے کرتا ہے اور سفیر کے انتصاب (Appointment) سے قبل یا سفیر کے سفارتی وفد کی ریاست سے کنارہ کشی کر لینے یا بلا لئے جانے کے بعد، سفارتی وفد کی دیکھ بھال اس کے ذمے

(۱) جعفر سبحانی، ایضاً، ص ۳۸۱

ہوتی ہے۔ اسی طرح کم درجے کا سفارتی افسر جس کے ذمے، سفیر کبیر کی غیر حاضری،

بیماری، معذوری یا موت کی وجہ سے سفارتی وفد کی ذمہ داری ہو، وقتی مدار المھام کہلاتا ہے۔

(۳)**قونصل** (Consul): حکومت کا وہ عہدہ دار جو اپنی حکومت اور عوام کی تجارتی اور صنعتی مفاد کو ترقی دینے اور میزبان ملک میں رہنے والے یا وہاں سفر کرنے والے ہم وطنوں کی حمایت کے لئے ملک سے باہر بھیجا جاتا ہے۔ یہ لوگ، کشتی رانی اور دریائی حمل و نقل، شہریت، پاسپورٹ اور ویزا سے متعلق مسائل، ارتکاب جرم کے ملزم ہموطنوں کی حمایت اور نئے بازاروں کو کھولنے کے ذریعے اس فریضے کو انجام دیتے ہیں۔ سفیر اور مدار المھام کی طرح قونصل کی رسمی سفارتی حیثیت نہیں ہوتی نہ ہی سفیر و مدار المھام کو ملنے والے تحفظ اور مراعاتیں حاصل ہوتی ہیں، مگر یہ کہ سمجھوتہ کی بنیاد پر یا عرفاً یہ امتیازات اور تحفظات ان کو حاصل ہو جائیں۔ اس کے باوجود قونصل کو بہت سارے تحفظات اور مراعاتیں حاصل ہیں لیکن وہ لوگ صرف سرکاری افعال کے سلسلے میں، میزبان حکومت کی دیوانی اور تعزیری قوانین کی گرفت سے محفوظ رہتے ہیں اور اپنے ذاتی استعمال کی اشیائ ءاور سامان کو صرف تقرری کے بعد پہلے سفر میں بغیر ٹیکس کے ملک میں داخل کر سکتے ہیں۔

(۴)**اتاشی** (Attache): سفارتی وفد سے منسلک ایک ماہر فن، جس کو میزبان ملک میں اپنا کام انجام دے کر، اپنے مہارتی شعبے سے متعلق سرگرمیوں کے نتیجے کو اطلاع دینا ہوتا ہے۔ آتاشی حضرات مختلف شعبوں میں مہارت رکھتے ہیں اور ان کی معلومات، ان کے ملک کی خارجہ پالیسی کی تشکیل کے لئے ضروری مواد کا ایک اہم جز ہوتی ہے۔ لیکن یہ جاسوسی کے زمرے سے الگ ہے، کیونکہ میزبان ملک کی اطلاع اور اتاشی کے قانونی طریقے سے وہ ملک میں داخل ہوتا ہے اور کام کرتا ہے۔

چوتھا باب

بین الاقوامی حقوق اور اس پر حکمران اصول

بین الاقوامی حقوق

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا (حجرات:۱۳)

لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم ہی نے تمہارے قبیلے اور برادریاں بنائیں تا کہ ایک دوسرے کی شناخت کرے۔

مذکورہ بالا آیت پر دھیان دینے سے پتہ چلتا ہے کہ انسان نے جب سے، گروہی اور قبائلی طریقے سے، سماجی زندگی کا آغاز کیا، تب سے ایک دوسرے سے تعلقات قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ ایسے تعلقات جو کبھی دوستانہ اور کبھی مخاصمانہ تھے۔ معاہدوں اور موافقت ناموں کے ذریعے قائم کئے جانے والے روابط کو پرامن شرائط کی ضرورت تھی۔ اس وجہ سے ان تعلقات اور معاہدوں پر ایک اصول حاکم ہوگیا، جو قوموں کے درمیان حقوق کا بنیاد بن گیا۔ ایسے اصول جو معاشروں کی ترقی کے ساتھ ساتھ، روز بروز وسیع اور مکمل ہوتے گئے۔ اسلام و قرآن کی رو سے ان اصول کی بنیاد وہی ضرورتیں، اقدار اور فطرت کے مطابق اصول ہیں۔

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ (روم:۳۰)

تم باطل سے کترا کے اپنا رخ دین کی طرف کئے رہو۔ یہی خدا کی بناوٹ ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے خدا کی درست کی ہوئی بناوٹ میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی مضبوط اور (بالکل سیدھا) دین ہے۔

اسلام کے نقطہ نظر سے ،حقوق ایک فطری ، ربانی بنیاد رکھتے ہیں ۔ اسی لئے قرآن میں بین الاقوامی حقوق ، دوسرے اسلامی ضابطوں سے جدا نہیں ہے ۔ اسلام کا حقوقی نظام ، ایک واحد نظام اور توحیدی نظر کا مالک ہے اور اس کے قواعد برابر کی اہمیت رکھتے ہیں ۔

ہالینڈ کے مشہور قانون داں ،غربیاں گروسیوس ،کو بین الاقوامی حقوق کے علم کا باوا آدم مانا جاتا ہے ۔اس نے سنہ ۱۶۲۵م ،اس موضوع پر ''جنگ وصلح'' نامی کتاب شائع کی ۔جبکہ اسلام ، نے اب سے ۱۴صدی پہلے ،اپنے حقوقی اسکول کو پیش کیا ۔مسلمان نے اپنے حقوق کی ایک شاخ کو ''سیر'' کے عنوان سے الگ کرکے ،اس موضوع پر بحث وتحقیق میں مشغول ہوئے ،چنانچہ مسلمانوں کی اس پہل سے قبل ،علم حقوق میں یہ کام سامنے نہیں آیا تھا ۔مثال کے طور پر چھٹے امام جعفر صادقؑ کے شاگرد ،ابوعبداللہ بن الحسن کی کتاب ''السیر الکبیر'' (سنہ ۸۰۴ ۔سنہ ۷۶۹ء)(۱)

اسلام کا ظہور دو رخ سے ، بین الاقوامی حقوق کی تبدیلی میں مؤثر ہے ۔ پہلے : شریعت اسلام میں پائے جانے والے بین الاقوامی قوانین کے نقطہ نظر سے ۔ اور دوسرے ابتدائے اسلام کے تاریخی نقطہ نظر سے ، جو عیسائیت کے ذریعے یوروپی سماج کے اتحاد اور صلیبی جنگوں کا زمانہ تھا ۔(۲)

بین الاقوامی حقوق کی تعریف

بین الاقوامی حقوق ، ایک دوسرے سے تعلقات کے سلسلے میں ،مختلف ممالک کے حقوق و فرائض سے متعلق قوانین کا ایک مجموعہ ہوتا ہے ، (۳) جو بین الاقوامی سماج کے اراکین کے درمیان

(۱) خلیل خلیلیان ، ایضاً ،ص ۶۲ ۔/ محمد رضا ضیائی بیگد لی ، **حقوق بین الملل عمومی** ، ج ہشتم ، (تہران : انتشارات کتابخانہ گنج دانش ، ۱۳۷۳) ،ص ۲۹ ۔

(۲) محمد رضا ضیائی بیگد لی ، **ایضاً** ،ص ۲۸ ۔

(۳) جک سی ۔ پلینو ۔ روی آلتون ، **ایضاً** ،ص ۳۴۷ ۔

تعلقات کو مرتب کرتا ہے (۱) اور بین الاقوامی اداروں کے طرز تشکیل ، ان کے فرائض اور ان اداروں

کے آپسی تعلقات اور دیگر ممالک سے تعلقات کو ، نیز بعض مواقع پر ، انفرادی حقوق و فرائض کو بھی معین کرتا ہے ۔ (۲) اسلامی ماہرین قانون نے بھی بین الاقوامی حقوق کی یہی تعریف کی ہے ۔ بین الاقوامی حقوق ، مقصد و موضوع کے لحاظ سے دو زمروں میں تقسیم ہوتے ہیں :

(الف) عمومی بین الاقوامی حقوق : جو حکومتوں اور بین الاقوامی اداروں کے درمیان تعلقات پر نظر رکھتے ہیں ۔

(ب) خصوصی بین الاقوامی حقوق جو مختلف حکومتوں کے باشندوں کے آپسی تعلقات پر نظر رکھتے ہیں ۔ (۳)

بین الاقوامی حقوق کی بنیاد ، مختلف ممالک کی حاکمیت میں برابری کے مفہوم پر استوار ہے اور مختلف ملکوں میں باہمی اتفاق اور رضامندی پر مبنی ہے ، کیونکہ ممالک خود ان قوانین کو بناتے ہیں اور انہی پر حاکم بھی ہے ۔ اندرونی اور قومی حقوق کی پابندی ،حکومت اور حکومتی اداروں (مقننہ ، انتظامیہ اور عدلیہ) کی حاکمیت کی وجہ سے ہے ، لیکن بین الاقوامی قوانین ایسی پابندی پیدا نہیں کرتے ، کیونکہ بین الاقوامی منظرنامے پر حکومتوں کے اوپر ، قانون سازی اور اس پر عمل درآمد اور تنازعات کے فیصلے کے لئے کوئی حاکمیت نہیں ہوتی ہے ۔ اگرچہ آج کے دور میں ، کسی حد تک اقوام متحدہ یہ تینوں فرض نبھارہا ہے اور یہ کوشش کررہا ہے کہ حکومتوں کی حاکمیت کو کم کرکے ، بین الاقوامی دنیا کی حاکمیت کو اپنے ہاتھوں میں لے لے ۔

(۱) محمد رضا ضیائی بیگد لی ، **ایضاً** ،ص ۹ ۔/ علی اصغر کاظمی ، **روابط بین الملل در تموری و در عمل** ، ایضاً ،ص ۳۱۶ ۔

(۲) حمید حیدری ، **توسل بہ زور در روابط بین الملل از دیدگاہ حقوق بین الملل عمومی و فقہ شیعہ** ، (تہران : انتشارات اطلاعات ، ۱۳۷۶) ،ص ۲۶ ۔/ رضا موسی زادہ ، **بایستہ ہای حقوق بین الملل عمومی** ، (تہران : نشر میزان ، ۱۳۸۰) ،ص ۷ ۔

(۳) علی اصغر کاظمی ، **روابط بین الملل در تموری و در عمل** ، ایضاً ،ص ۳۱۶ ۔

لہٰذا باہری دنیا اور بین الاقوامی تعلقات میں حکومتوں کے اقتدار کو محدود نہیں کیا جاسکتا

ہے۔لیکن بین الاقوامی طاقت کے نفاذ کے سلسلے میں آخری فیصلہ حکومتوں کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود، ایک دوسرے سے تعلقات کے سلسلے میں کچھ پابندیوں کو قبول کرتے ہیں جو بین الاقوامی حقوق کے اصولوں کی وجہ سے ہوتی ہیں، لہٰذا حکومتیں ابتدا میں بین الاقوامی حقوق کا لحاظ، اپنی فطرت کی بنیاد پر کرتی ہیں اور بعد میں یا تو حسن نیت، وقت کی نزاکت اور اخلاق کی بنیاد پر یا ردعمل کی وجہ سے یا کچھ مراعات (Privilege) اعزاز (Prestige) یا بین الاقوامی تجارت کی تنظیم کے مدنظر تھا۔لیکن اگر کسی حکومت کے حیاتی مفاد کا تحفظ، بین الاقوامی حقوق منسوخ کرنے میں مضمر ہو تو اس صورت میں بین الاقوامی حقوق، قطعی طور پر دوسرے درجے کی اہمیت حاصل کر لیتے ہیں (۱) اور اس کے ساتھ، اقوام متحدہ کے منشور کے ساتویں باب کے مطابق، ایک گروہی حفاظتی نظام وجود میں آیا ہے جو سلامتی کونسل (Security Councel) کو، جس میں پانچ بڑے ملک دائمی رکنیت اور ویٹو کا حق رکھتے ہیں، مجاز کرتا ہے کہ بین الاقوامی حقوق کی خلاف ورزی کی صورت میں دفاعی طاقت کا استعمال کرے۔

سلامتی کونسل اقوام متحدہ کا واحد رکن ہے جس کے پاس اس طرح کا اختیار ہے۔منشور کے خاکے کے مطابق، ارکان کو یہ چاہئے کہ خاص مفاہمت کے ذریعے، کچھ فوج، سلامتی کونسل کے استعمال کے لئے اس کے حوالے کریں۔سلامتی کونسل پہلے بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی کو ثابت کرے، پھر اس کے مقابلے کے لئے غیر دفاعی تدابیر جیسے اقتصادی و سیاسی ناکہ بندی وغیرہ کا استعمال کرے اور ان تدابیر کی خلاف ورزی کرنے والے کا مقابلہ کرنے میں مؤثر نہ ہونے کی صورت میں، دفاعی طاقت کا استعمال کرے۔(۲)

(۱) ملکم شاو، **حقوق بین الملل**، ج دوم، محمد حسین وقار، (تہران: انتشارات اطلاعات، ۱۳۷۴)، ص ۱۶۔/علی اصغر کاظمی، **روابط بین الملل در تئوری و در عمل**، ایضاً، ص ۳۲۴ سے لیکر ۳۲۹۔

(۲) ہوشنگ مقتدر، **ایضاً**، ص ۱۳۹۔۱۴۰

آج کے ملکی نظام کے دور میں بہت سارے ممالک موجود ہیں اور ہر ایک بین الاقوامی منظرنامے

پر اپنے قومی مفادات کے حصول کے سلسلے میں خود مختاری و حاکمیت رکھتا ہے۔مفادات و مقاصد میں تعارض پیدا ہونے کی صورت میں، حکومتوں کے درمیان تنازعات کو روکنے کے لئے، حکومتیں اپنی مرضی اور ارادے سے، اپنے قومی مفادات کے حصول کے سلسلے میں دوسرے ممالک سے اپنے برتاؤ میں بعض پابندیاں قبول کرتی ہیں اور اس طرح بعض ضابطے بناتی ہیں جو ان کے بین الاقوامی برتاؤ کو اس طرح تنظیم کرتا ہے کہ امن وسکون کے ماحول میں اپنے اہداف و مقاصد کا تعاقب کرسکیں۔اس طرح کے ضابطوں کے مجموعہ کو بین الاقوامی قانون کہتے ہیں جس کا مقصد امن اور بین الاقوامی سلامتی ہے۔(۱)

بین الاقوامی تعلقات پر حاکم سیاسی وحقوقی اصولوں کا مجموعہ جن کو کبھی کبھی مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنے (Peaceful Co-existance) کے نام سے تعارف کرایا گیا ہے، بین الاقوامی حقوق کے عام اور بنیادی اصول وقواعد میں شمار ہوتے ہیں۔ان کا میدان عمل بہت وسیع ہوتا ہے۔لہٰذا حکومتوں کو اپنی خارجہ پالیسی میں ہر چیز سے پہلے ان اصولوں کو اپنی کارکردگی کی بنیاد بنانا چاہئے۔اسلام میں بھی، عمومی، عام اور ازلی ضوابط موجود ہیں جن کا اعتبار گذرتے وقت اور کسی بھی حالت میں ختم نہیں ہوتا ہے۔نئے بین الاقوامی حقوق اور اسلامی بین الاقوامی حقوق کو دھیان میں رکھتے ہوئے وہ اصول یہ ہیں:

۱۔مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنا (Co-exisence Peaceful)

۲۔ ایفائے عہد (Fulfilment of Agreement)

۳۔ناوابستگی (الف) عدم مداخلت (Non-Interference)

(ب) غیر جانبداری (Impartiality)

(۱) حمید حیدری، ایضاً، ص ۳۱۔

پہلا اصول: مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنا(Peacefull Co-existence)(۱)

اپنی نوع سے تعلقات و روابط کے سلسلے میں انسانی فطرت کا تقاضا ،ایک ساتھ رہنا(Co-existence)اور امن پسندی ہوتا ہے۔اس طرح کے تعلقات ہیں جن کے سائے میں انسان ،جنگ وخونریزی سے پاک اور موافقت ،مفاہمت اوردوستی سے بھرپور بین الاقوامی سماج میں،آزادانہ طور پر اپنے اعلیٰ مقاصد اور کمال ،جو انسان کی آفرینش کا مقصد ہے،کو حاصل کرسکتا ہے۔

اقوام متحدہ کی تاسیس کا مقصد بھی، بین الاقوامی امن(International Peace)اور سلامتی(Security)کو بنائے رکھنا،حقوق کی برابری کی اصل اور قوموں کی خودمختاری کوملحوظ رکھنے کی بنیاد پر ،قوموں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو وسعت دینا ،اقتصادی ،سماجی ،تہذیبی یا انسان دوستانہ رخ کے حامل بین الاقوامی مسائل کےحل کے لئے عالمی تعاون اور جنس،زبان یا مذہب کے بنیاد پر فرق کئے بغیر،انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں (Fundamental Freedoms)کوملحوظ رکھنے کی حوصلہ افزائی کرنااور بڑھاوا دینا ہے۔

جس طرح اسلام انسانی اتحاد اور فرائض وحقوق میں تمام انسانوں کی برابری پر اعتماد کرکے ،مسلمانوں سے امن پسند سیاست اپنانے کا خواہاں ہوتاہے،تاکہ ایک دوسرے سے تعلقات پر نیز دوسری قوموں سے تعلقات پر حاکم رہے۔

امن سے ایک ساتھ رہنے(Peacefull Co-existence)کانظریہ پہلی بارسنہ ۱۹۵۴ء میں ہندوستان اور چین کے ذریعے پانچ اصولوں کے تحت پیش کیا گیا،جس میں ارضی سالمیت(Territorial Integerity)،ایک دوسرے کی حاکمیت کا احترام،ایک دوسرے پر تجاوز نہ

(۱)دومینک کارو،**حقوق بین الملل عمومی**،مصطفیٰ تقی زادہ انصاری،(تہران:انتشارات قومس،۱۳۷۹)ص۱۲۹۔

کرنا،ایک دوسرے کے معاملات میں عدم مداخلت اور برابری کے اصول شامل تھے۔اس فکر کی بعض بین الاقوامی سندوں میں تشریح کی گئی ہے۔جیسے باندون(Bandung) کے کانفرنس کا آخری بیان مورخہ ۱۹۵۵ءاوراقوام متحدہ کی مختلف قرار دادیں(Resolution)اور بیان ۔اقوام متحدہ کی قراردادوں کی ایک قابل لحاظ تعداد، بین الاقوامی سلامتی(International Security)اورامن(Peace)کو بنائے رکھنے سے مربوط ہے جن کی لازمی پابندی کی بات(Binding)کی طاقت ،منشور کے دفعہ نمبر ۲۵ کے متن سے ملتی ہے۔اس دفعہ کے بموجب ،اقوام متحدہ کے ارکان یہ اتفاق کرتے ہیں کے سلامتی کونسل (Security Council)کے فیصلوں کواس منشور کےتحت قبول اور نافذ کریں گے۔سلامتی کونسل کا برتاؤ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ منشور کے چھٹے،ساتویں اور آٹھویں باب کی بنیاد پر،سلامتی کونسل کے تمام فیصلوں کا لحاظ اور پابندی لازمی ہوتی ہے۔

بین الاقوامی امن وسلامتی کے تعلق سے سب سے اہم قرارداد ،آکسون قرارداد یا ’امن کے لئے اتحاد‘ ہے جو ۴ نومبر ۱۹۵۰ء میں اقوام متحدہ کی دستورساز اسمبلی (General Assembly)کے ذریعے صادر اور تصویب ہوا۔اس قرارداد کے بموجب ،اگر کسی خاص مسئلے میں ،سلامتی کونسل کی سرگرمی ، وٹو(Veto Power)کے استعمال کے باوجود ،بےنتیجہ رہ جائے تو دستورساز اسمبلی ،گروہی اقدامات اور یہاں تک کہ طاقت کے استعمال کے سلسلے میں ضروری فیصلے لے سکتی ہے۔(۱) قیام امن کے سلسلے میں دوسری قراردادوں میں جوانسانی حقوق کی حمایت اور جنگ و طاقت کے استعمال سے روکنے کے سلسلے میں تمام قراردادوں اور بیانوں پر مشتمل ہیں،وہ یہ ہیں:

(۱)رضا موسیٰ زادہ،ایضاً،ص۲۲۵۔۲۲۷

ہیگ کے امن کانفرنس جو جنگ کے قوانین کو مرتب و مدون کرنے میں مشغول ہوئی (۱۸۹۹ء۔۱۹۰۷ء)، ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۲۸ء بریانڈ - کلوگ معاہدے کے ذریعے جنگ کومسترد کرنا، بین الاقوامی صلیب احمر تنظیم (Red Cross) کے ذریعے دومسودہ قانون (Draft Bill) کا تنظیم کرنا (۱۹۲۹)، اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ دو کا چوتھا شق: تمام اراکین اپنے بین الاقوامی تعلقات میں کسی بھی حکومت کی ارضی سلامتی یا سیاسی خودمختاری کے خلاف طاقت کے استعمال کی دھمکی یا اس کا استعمال یا ہر ایسے طریقے کے استعمال سے جو اقوام متحدہ کے مقاصد کے خلاف ہو رکھتا ہے، باز رہیں گے، انسانی حقوق کا عالمی اعلامیہ (۱۰ دسمبر ۱۹۴۸ء)، جینیوا کے ۱۹۴۹ء کے کنونشن اور اس سے ملحق پہلے اور دوسرے پروٹوکول (Protocol) جو ۱۹۷۷ء میں پاس ہوئے، بین الاقوامی تہذیبی تعاون کے ضابطوں کا اعلان (۱۴ نومبر ۱۹۶۶ء میں یونیسکو کی عام کانفرنس) اور حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات سے مرتبط بین الاقوامی حقوق کے اصول کا اعلان (۱۹ اکتوبر ۱۹۷۰ء)۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا، آج کے بین الاقوامی سماج میں یہ بات کہ قومی مقاصد مفادات کے حصول کا واحد ذریعہ امن پسندانہ طریقے ہیں، ثابت ہوچکی ہے۔ اقوام متحدہ میں اس پر بہت زور دیا گیا ہے، نیز بین الاقوامی امن اور انسانی حقوق کی مخالفت اور ان کو پامال کرنے والی حکومتوں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ایران پر عراق کے حملے کو محکوم کیا گیا۔

اسلام میں، انسانوں کے درمیان فطری کی بنیاد کی حیثیت سے امن کا تعارف کرایا گیا ہے۔ یہ وہی ہے جو انسانوں کو ایک دوسرے سے تعاون اور جان پہچان بنانے کے مواقع فراہم کرتا ہے اور سارے انسانوں میں نیکیوں کے فروغ کا باعث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بھی اس بات پر بہت تاکید کی ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ

الْعَلِيمُ ★ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (انفال:۶۱۔۶۲)

اور اگر یہ کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کی طرف مایل ہو۔ اور خدا پر بھروسہ رکھو۔ (کیونکہ) وہ بے شک (سب کچھ) سنتا جانتا ھے اور اگر وہ لوگ تمھیں فریب دینا چاھتے ھیں تو (کچھ پروا نھیں) خدا تو تمھارے واسطے یقینی کافی ھے۔ وھی تو وہ (خدا) ھے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمھاری تائید کی۔

۲۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً (بقرہ:۲۰۸)

ایمان والو! تن سب کے سب اکبار اسلام میں (پوری طرح) داخل ھو جاؤ۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اختلافات کے ظاہر ہونے کی صورت میں اپنے بندوں کو پہلے، امن اور سمجھوتا اپنانے کی دعوت دیتے ہوئے اس طرح کی عبارتوں کا استعمال فرمایا ہے:

اِصْلاحَ بَيْنَ النَّاس (نساء:۱۱۴) لوگوں کے درمیان ملاپ کرانا

یا

الصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء:۱۲۸) صلح بھتر ھے

ایک دوسرے کے ساتھ امن سے رہنے اور بین الاقوامی امن تک پہنچنے کے لئے لازم ہے کہ حکومتیں کچھ اصول وضوابط کو مدنظر رکھیں اور ان کا لحاظ کریں: (۱) آپسی احترام کی بنیاد پر دوستانہ تعلقات کا قیام۔ (۲) رواداری اور درگزر کرنے کا جذبہ رکھنا۔ (۳) اختلافات کا پرامن تصفیہ۔ (۴) طاقت کا عدم استعمال

۱۔آپسی احترام (Reciprocal Respect) کی بنیاد پر دوستانہ تعلقات کا قیام

نیک برتاو اور دوسروں سے دوستی انسانی عواطف کے اظہار کے بغیر میسر نہیں ہوتی حکومتوں کا ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا، ان کے سیاسی، تہذیبی، سماجی اقتصادی اور حتیٰ علمی ترقی کا باعث ہوگا اور دوسری طرف بین الاقوامی اختلافات کے تصفیہ میں مؤثر ہوسکتا ہے، جس کے نتیجے میں بین الاقوامی سماج کو امن و دوستی کی طرف ہدایت کرے گا۔ اور اسی لئے حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کے قیام کے سلسلے میں، بین الاقوامی حقوق کے اصول کا اعلانیہ ۱۹۷۰ء میں منظور ہوا۔ اللہ تعالیٰ بھی اس سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ لاَيَنْهَاكُمُ اللهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ أَنْ تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (ممتحنہ:۸)

جو لوگ تم سے تمہارے دین کے بارے میں نہیں لڑے بھڑے اور نہ تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ان لوگوں کے ساتھ احسان کرنے اور ان کے ساتھ انصاف سے پیش آنے سے خدا تمھیں منع نہیں کرتا۔ بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ھے۔

۲۔ وَلاَتَسْتَوِى الْحَسَنَةُ وَلاَالسَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِى بَيْنَکَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ (فصلت:۳۴)

بھلائی برائی (کبھی) برابر نہیں ھو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقے جواب دو جو نہایت اچھا ھو (ایسا

کرو گے) تو (تم دیکھو گے) کہ جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وہ تمھارا دلسوز دوست ھے۔

۳۔وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُمْ مَوَدَّةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصَارَى (مائدہ:۸۲)

اور ایمانداروں کا دوستی سب سے بڑھ کے قریب ان لوگوں کو پاؤ گے جو اپنے کو نصاریٰ کھتے ھیں۔

۴۔ وَلاَتَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ فَيَسُبُّوا اللهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ (انعام:۱۰۸)

اور یہ (مشرکین) جن کی اللہ کے سوا (خدا سمجھ کر) عبادت کرتے ھیں انھی تم برا نہ کھا کرو ورنہ یہ لوگ بھی بے سمجھے عداوت سے برا کھہ بیٹھیں گے۔

(۲) **رواداری** (Tolerance) اور **معافی** (Forgiveness) کا جذبہ رکھنا

رواداری اور درگذر پہلے مرحلے میں، قوموں کے درمیان دوستانہ تعلق کو مضبوط کرتی ہیں اور دوسرے مرحلے میں بین الاقوامی تنازعات کو ابھرنے سے روکتی ہیں۔

۱۔خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِين (اعراف:۱۹۹)

(اے رسول) تم درگزر کرنا اختیار کرو اور اچھے کام کا حکم دو اور جاھلوں کی طرف سے منہ پھیر لو۔

۲۔وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْيَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ فَاعْفُوا

وَ اصۡفَحُوا حَتّٰی یَاۡتِیَ اللّٰہُ بِاَمۡرِہٖ (بقرہ:۱۰۹)

(مسلمانو) اهل کتاب میں سے اکثر لوگ اپنے دلی حسد کی وجه سے یه خواهش رکھتے هیں که تم کو ایمان لانے کے بعد پھر کافر بنادیں (اور لطف تو یه هے که) ان پر حق ظاهر هو چکا هے اس کے بعد (بھی یه تمنا باقی هے) پس تم معاف کرو اور در گزر کرو یهاں تک که خدا اپنا (کوئی اور) حکم بھیجے۔

۳۔ وَلَا تَسۡتَوِی الۡحَسَنَۃُ وَلَا السَّیِّئَۃُ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَکَ وَ بَیۡنَہٗ عَدَاوَۃٌ کَاَنَّہٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ (فصلت:۳۴)

بھلائی برائی (کبھی) برابر نهیں هو سکتی تو (سخت کلامی کا) ایسے طریقے سے جواب دو جو نهایت اچھا هو (ایسا کرو گے) تو (تم دیکھو گے) که جس میں اور تم میں دشمنی تھی گویا وه تمهارا دلسوز دوست هے۔

۳۔ اختلافات کا پرامن تصفیہ

اختلافات کا مصالحت آمیز یا امن پسندانہ طریقوں سے تصفیہ، وہی بین الاقوامی تنازعات کا طاقت کے استعمال کے بغیر حل کرنا ہے۔ اختلافات کو پرامن طریقے سے حل کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ ایسے طریقے اور ضوابط کا استعمال کیا جائے جس کے ذریعے ممالک کے بنیادی حقوق وفرائض سے متعلق تنازعات سلجھ سکیں۔ ایسے اختلافات یا تو حقوقی حیثیت کے ہیں اور

موجودہ حق کی مطابقت، عمل درآمد، تغییر وتبدیلی سے متعلق ہیں یا سیاسی رخ رکھتے ہیں اور حکومتوں کے مفادات میں تعارض یا حقوقی قواعد کی تبدیلی اور اصلاح سے متعلق ہیں۔ ایسے اختلافات قرآن کی نظر میں، خود انسان کے انحراف کا نتیجہ ہیں۔

وَمَا کَانَ النَّاسُ اِلَّاۤ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَاخۡتَلَفُوۡا (یونس:۱۹)

اور سب لوگ تو پهلے ایک هی امت تھے پھر اختلاف کیا۔

پرامن طریقے سے اختلافات کو حل کرنے کے ذرائع دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ **سیاسی طریقے** (Political ways) یہ سیاسی اختلافات سے متعلق ہیں، جس کے لئے مذاکرہ (Negotiation)، سمجھوتہ (Compromization)، ثالثی (Mediation)، تحقیق (Research)، مساعی جمیلہ (Good effort) اور رائے عامہ (Referendum) جیسے سفارتی اقدامات کرنا لازمی ہے۔

۲۔ **قانونی طریقے** (Legal Ways) یہ حقوقی تنازعات سے متعلق ہیں۔ اس اختلاف کے سلسلے میں بین الاقوامی قوانین کو استعمال کرنا پڑے گا۔ اس طریقے میں داوری وحکمیت ( ) اور بین الاقوامی انصاف (International judgment) شامل ہے۔

لوگوں میں پیدا ہونے والے اس انحراف وگمراہی کی اصلاح کے لئے اللہ تعالیٰ نے (جیسا کہ پچھلی آیت میں ذکر کیا گیا) انبیاء کو لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیۡنَ وَمُنۡذِرِیۡنَ (بقرہ:۲۱۳)

(پهلے) سب لوگ ایک هی دین رکھتے تھے پھر (آپس میں جھگڑنے لگے تب) خدا نے (نجات سے)

خوشخبری دینے والے اور (عذاب سے) ڈرانے والے پیغمبروں کو بھیجا۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (بقرہ:۱۴۳)

اسی طرح تم کو عادل امت بنایا تا کہ اور لوگوں کے مقابلے میں تم گواہ بنو اور رسول (محمد) تمہارے مقابلے میں گواہ بنیں۔

تا کہ جو بھی میلان رکھتا ہو، اپنے گمشدہ مقصد کی تلاش کے لئے، اس امت سے منسلک ہوجائے، اور اپنے مشترکہ انسانی مقصد کو بازیافت کرکے، اس امت میں شامل ہوجائے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

بے شک اللہ کے نزدیک دین تو اسلام ھی ھے۔

جنگ کی بڑھتی ہوئی تخریبی طاقت اور اس کے ہمراہ اس کی اقتصادی وسماجی قیمت، اس بات کا سبب بنی کہ بین الاقوامی تنازعات کے حل کے لئے بڑے پیمانے پر کوشش کی جائے اور کچھ ایسے راستے نکالے جائیں جو سب کے لئے قابل قبول ہوں اور جس کی پابندی سب پر لازمی ہو۔ ترک اسلحہ (Disarmament)، نوکلیائی ہتھیاروں کے عدم استعمال کے لئے بین الاقوامی اداروں کی سرگرمیوں میں اضافہ، اقتصادی ترقی، تعلیمی اور تہذیبی تبدیلیاں، علوم اور ٹکنالوجی کی ترقی وغیرہ کے لئے کی جارہی کوششیں، تنازعات کے پرامن تصفیہ کے فروغ کا باعث ہوئیں۔(۱) اللہ تعالیٰ

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، **ایضاً**، ص ۳۲۵۔

نے قرآن میں اس مسئلہ کو بیان فرمایا ہے اور اس پر بہت تاکید کی ہے:

۱۔ وَلَا تَجْعَلُوا اللَّهَ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصْلِحُوا بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (بقرہ:۲۲۴)

اور (مسلمانوں) تم اپنی قسموں (کے حیلے) سے خدا (کے نام) کو (لوگوں کے ساتھ) سلوک کرنے اور خدا سے ڈرنے اور لوگوں کے در میان صلح کرادینے کا مانع نہ ٹھراؤ اور خدا (سب کی) سنتا اور (سب کو) جانتاھے۔

اس آیت کی شان نزول یوں ہے: عبداللہ بن رواحہ نام کے پیغمبرؐ کے ایک صحابی کے داماد اور بیٹی کے درمیان کوئی اختلاف پیدا ہوگیا۔ عبداللہ نے قسم کھائی کہ ان دونوں میں صلح کرانے کے لئے نہ تو کوئی قدم اٹھائے گا اور نہ ہی کوئی مداخلت کرے گا۔ اسی مناسبت سے مذکورہ آیت نازل ہوئی تا کہ اس طرح کی قسموں کو بے بنیاد اور ممنوع اعلان کرے۔(۱)

۲۔ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ فَإِنْ فَاءَتْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (حجرات:۹)

اور اگر مومنین میں سے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک فریق دوسرے پر زیادتی کرے تو جو فرقہ زیادتی کرے تم بھی اس

(۱) ابوعلی الفضل حسن طبرسی، **مجمع البیان فی تفسیر القران**، نرم افزار ترجمہ وتفسیر قرآنیجا۔ ۱۰۴، نشر حدیث اہل بیت علیہم السلام۔

سے لڑو یہاں تک کہ وہ حکم خداوند کی طرف رجوع

کرے۔پھر جب رجوع کرے تو فریقین میں مساوات کے ساتھ صلح کرادو اور انصاف سے کام لو۔بے شک خدا انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتاھے۔

۳۔ إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ فَأَصْلِحُوا بَيْنَ أَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (حجرات:۱۰)

”مومنین تو آپس میں بھائی بھائی ھیں تو اپنے دو بھائیوں میں میل جول کرادیا کرو اور خدا سے ڈرتے رھو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔“

۴۔ لاَخَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِنْ نَجْوَاهُمْ إِلاَّمَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلاَحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاةِ اللهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (نساء:۱۱۴)

ان کے راز کی باتوں سے اکثر میں بھلائی (کا تو نام تک) نھیں مگر (ھاں) جو شخص کسی کو صدقہ دینے یا اچھے کام کرنے یا لوگوں کے درمیان میں ملاپ کرانے کا حکم دے تو (البتہ ایک بات ھے) اور جو شخص (محض) خدا کی خوشنودی کی خواھش میں ایسے کام کرے گا تو ھم عنقریب اسے بڑا اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

اختلافات کے حل کے پرامن طریقے

۱۔سیاسی طریقے (Political Ways)

۱۔۱۔**مذاکرہ** (Negotiation)(۱)): مذاکرات جو کہ بہت لچیلے (Flexibile) ہوتے ہیں (۲) سب سے زیادہ رائج طریقہ اور تنازعات کے پرامن حل کے لئے پہلا قدم ہے۔

۱۔۲۔**سمجھوتا** (Copromization) یا صلح کرانا (۳): تنازعات کے پرامن حل کا ایک ایسا طریقہ جس کی بنیاد پر کچھ ملکوں کے نمائندے، کسی تنازعہ کی چگونگی اور حقایق پر غور کرتے ہیں اور اس کی بنیاد پر کوئی راہ حل کی سفارش کرتے ہیں۔ یہ طریقہ جو کہ اغلب تحقیق کے ہمراہ رہتا ہے، ایک گروہی ثالثی (Mediation) سمجھا جاسکتا ہے۔

مصالحت کرانا بہت فائدہ مند اور رسمی نیز شبہ قانونی کارروائی پر مشتمل ہے۔تنازعات کے خاتمہ کے لئے پیش کی گئی سفارشیں اور مشورے، گروہ کے نظریات کے آئینہ دار ہیں۔اقوام متحدہ کے بموجب، سلامتی کونسل، اختلافات کو ختم کرنے کا کمیشن (Commission) بناسکتی ہے یا فریقین سے اس طرح کے کمیشن بنانے کو کہہ سکتی ہے۔ بہت سی باتوں میں سلامتی کونسل خود حل اختلاف کے کمیشن کی حیثیت سے عمل کرتی ہے۔

۱۔۳۔**ثالثی** (Mediation)(۴)): اس میں ایک ثالث ملک کچھ بنیادی تجاویز کو پیش کرکے، فریقین کو ایک مؤثر حل تک پہنچنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ ثالثی فریقین کی درخواست پر یا ازخود رضاکارانہ طور پر (Voluntary)، کسی تیسرے ملک کے ذریعے انجام دی جاسکتی ہے۔ یہ طریقہ

(۱) دیکھئے ’ڈپلومیسی کے مختلف طریقے‘۔
(۲) عبدالحمید فریدی عراقی، **روشہای مسالمت آمیز حل وفصل اختلافات بین المللی**، ج سوم، (تہران: انتشارات وزارت خارجہ، ۱۳۷۳)، ص ۱۵۔۱۶
(۳) جک سی۔پلینو، روی آلتون، **ایضاً**، ص ۳۲۱۔ (۴) ایضاً، ص ۳۲۳۔

فریقین کے درمیان تناؤ (Tension) کو کم کرنے اور سمجھوتے کی صورت نکالنے کی صورت میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ بین الاقوامی رواج میں ، فریقین کے لئے حتیٰ کہ جنگ کی حالت میں بھی، فریقین پر اس بات کی پابندی لازمی نہیں ہوتی کہ وہ ثالثی کی تجویز کو غیر دوستانہ عمل تصور کریں یا بغیر درخواست کے پیش گئی ثالثی کی تجویز کو قبول کریں۔

۱۔۴۔ **تحقیق** (Research(۱)): اس طریقے میں، کسی بین الاقوامی اختلاف کے تعلق سے حقایق کا رسمی اور غیر جانبدارانہ طور پر واضح کیا جاتا ہے۔ تحقیق کا استعمال اس لئے ہوتا ہے اختلافی مسئلے کی حقیقت اور وجہ واضح ہوجائے جس سے ،اختلافات کے پرامن حل میں آسانی ہوسکے۔ تحقیق اس بات کا متقاضی ہے کہ فریقین یا کسی بین الاقوامی ادارے کے ذریعے، حقیقت کا پتا لگانے والا کمیشن بنایا جاے، اور یہ کمیشن ضروری تحقیقات کے بعد، تحقیق کے مراحل اور اس کے نتیجہ کو، فریقین یا بین الاقوامی اداروں کو رپورٹ کرے، تاکہ فریقین خود آزادانہ طور پر یہ فیصلہ کریں کہ تحقیق کے نتائج پر عمل کرنا ان کے حق میں بہتر ہے یا نہیں۔ فریقین خود بھی تحقیق کے خواہاں ہوسکتے ہیں، کیونکہ یہ طریقہ ثالثی اور صلح کرانے کی طرح نہیں ہے کہ ثالث ممالک اختلاف کے حل کے لئے کچھ تجاویز پیش کریں۔

بہت سے دوفریقی معاہدوں میں، تحقیق کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ تحقیق خود، اختلافات کے حل کا ایک طریقہ ہوسکتا ہے یا یہ کہ اختلافات کے حل کے دیگر طریقوں کا جزلاینفک شمار ہوسکتا ہے۔ بہرحال اب (سنہ ۱۹۲۰ء سے آج تک) تحقیق خود اختلافات کے حل کرنے کے طریقوں میں شمار نہیں ہوتی ہے بلکہ حل اختلافات دور کرنے کے دیگر طریقوں کا ایک جز ہے۔ چنانچہ اقوام متحدہ کا منشور بھی اسی طرح ہے۔ (۲)

(۱) ایضاً ص ۳۲۱۔
(۲) عبدالحمید فریدی عراقی، ایضاً ص ۲۵۔۲۷۔

۱۔۵۔ **مساعی جمیلہ** (Good Efforts(۱)): اصل اختلاف میں داخل ہوئے بنا، کسی

تیسرے فریق کی ثالثی (Mediation) اور مداخلت (Intervention) کو مساعی جمیلہ کہتے ہیں۔ اس طریقے میں ایک ثالث ملک، فریقین کے درمیان مستقیم یا غیر مستقیم مذاکرات کی ازسرنو قیام کی سفارتی کوششیں کرتا ہے تاکہ فریقین خود مناسب حل تک پہنچ سکیں۔ مساعی جمیلہ میں ثالث ملک، طرفین تنازعہ پر اپنے اثر و رسوخ (Influence) کو استعمال کرتا ہے۔ (۲) بین الاقوامی اختلافات میں اس طریقہ کا استعمال دوفریقی سفارتی کوششوں کے تعطل کی صورت میں ہوتا ہے۔ اگر فریقین کے درمیان معاہدے میں، مساعی جمیلہ کے بارے کوئی خاص نکتہ بیان نہ ہوا ہو تو وہ لوگ ثالث حکومت کی ثالثی کی تجویز کو قبول کرنے کے پابند نہیں ہوتے ہیں، اسی طرح ثالث حکومت کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنی تجویز کے مسترد ہونے کی صورت میں اختلاف کو اور بڑھاوا دے۔

۱۔۶۔ **رائے عامہ** (Referendum(۳)): بعض اوقات فریقین کا اختلاف ایسے خاص مسائل اور موضوعات سے متعلق ہوتا ہے کہ جن سے قوم کی بھی دلچسپی ہوتی ہے۔ اس صورت میں اگر طرفین، اختلافات کے پرامن حل کے کسی بھی طریقے پر اتفاق و مفاہمت تک نہ پہنچ سکیں تو اقوام متحدہ رائے عامہ کی تجویز پیش کرتا ہے۔ رائے عامہ کسی خطہ کے تمام افراد کی عوامی دلچسپی کے کسی خاص موضوع پر مستقیم اظہار رائے ہے۔ مثلاً زمین کی واپسی اور سرحدی تبدیلیوں کے سلسلے میں رائے عامہ، جو بین الاقوامی تعلقات میں اکثر دہرائے جاتے ہیں۔

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۲۲۔
(۲) ملکم شاو، ایضاً ص ۳۱۷۔
(۳) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۳۲۴۔

۲۔ قانونی طریقے (Legal Ways):

۲۔۱۔فیصلہ (Judgment) اورحکمیت (Arbitration) : بین الاقوامی قضاوت کا مقصد ممالک کے درمیان اختلافات کوخودان کے منتخب کردہ ججوں اور قانونی ضابطوں کی بنیاد پرحل کرنا ہے۔(۱) یہ طریقہ فریقین کے آزادانہ ارادے کے بنیاد پر قائم ہے۔چنانچہ عدالت کے ذریعے فریقین کے اختلاف کی سنوائی تبھی انجام پاتی ہے جب طرفین اپنی رضامندی اور تائید کا صریحاً اعلان کر چکے ہوں۔

یہ اعلان کئی طریقہ سے ہوتا ہے۔۱) عدالت کی طرف رجوع کرنے کا معاہدہ: یہ وہی حکمیت ہے۔یہ ایک ایسا معاہدہ ہے جوحکومتیں اختلاف پیدا ہونے کی صورت میں منعقد کرتی ہیں تا کہ اپنے اختلافات کے فیصلے کے لئے کسی جج یا قاضی سے رجوع کریں۔اس معاہدہ میں موضوع اختلاف، فیصلے کا دستورالعمل، قاضی کے حدود اختیار اور قانون پر عمل درآمد ہونے وغیرہ کو طے کیا جاتا ہے۔۲) حکمیت کی طرف رجوع کرنے کی شرط: یہ دو یا چند فریقی اقرار نامہ ہوتا ہے جو اختلافات کے سامنے آنے سے قبل، اس نکتے کے ساتھ کہ حکومتیں اپنے اختلاف کو قاضی یا جج کے سامنے پیش کریں گے منعقد کئے جاتے ہیں۔اقرار ناموں میں ان شرائط کا ہونا صرف ایک ذیلی موضوع ہوتا ہے اور اقرارنامے کا اصل موضوع کچھ اور ہی ہوتا ہے۔اس کے باوجود یہ شرط، فریقین کو اختلافات کے ظاہر ہونے کی صورت میں اس کو کسی قاضی کے سامنے پیش کرنے کی پابند کرتی ہے۔یہ شرط یا تو فیصلے کو خاص اور متفق علیہ موضوعات میں محدود کرتی ہے یا تو پھر کسی خاص موضوع میں محدود نہ کرکے، معاہدے سے متعلق کسی بھی طرح کے اختلاف کی سنوائی کو شامل ہوتی ہے۔۳) دائمی فیصلہ کا معاہدہ: یہ معاہدہ اور اقرارنامہ دو یا چند ملکوں کے درمیان ہوتا ہے جس کی بنیاد پر تمام یا بعض اختلافات کو عدالت کے ذریعے تصفیہ کرایا جاتا ہے۔

(۱) عبدالحمید فریدی عراقی، ایضاً، ص ۳۶/۶ محمد رضا ضیائی بیگدلی، ایضاً، ص ۴۵۰۔

فیصلے کا دستور ان موضوعات سے وابستہ ہوتا ہے: موضوع اختلاف جس کا مکمل طور پر تعین ہونا چاہئے، قضات (ججوں) کے انتخاب کی کیفیت جو عہد حاضر میں عدالتی کمیشن تین سے پانچ قاضی پر مشتمل ہوتی ہے اور جس کے ارکان کو فریقین مقرر کرتے ہیں، قضات (ججوں) کے حدود اختیارات، ان کی صلاحیت اور وہ قواعد جن کو قاضی اپنے فیصلے کی بنیاد بناتا ہے۔

عدالت کی طرف سے جاری کیا گیا حکم قانونی بنیاد پر صادر ہوتا ہے اور قطعی ولازمی ہوتا ہے۔اسی لئے یہ ایک عدالتی اور قانونی طریقہ ہے۔لیکن اس حکم پر عملدرآمد ہونے کی ضمانت نہیں ہوتی ہے۔قاضی کے فیصلے پر عمل درآمد کی پابندی کرانے کے لئے کوئی نظام نہیں ہے، بلکہ اس پر عملدرآمد طرفین کی نیت نیتی اور اجرای حکم کے لئے ان کی پابندی سے وابستہ ہے۔قرآن مجید کی بہت سی آیات قضاوت اور حکمیت سے متعلق ہیں:

۱۔وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا (نساء:۳۵)

اور اگر تمھیں میاں بی بی کی پوری نااتفاقی کا طرفین سے اندیشہ ہو تو ایک ثالث مرد کے کنبے میں سے اور ایک ثالث عورت کے کنبے میں سے مقرر کرو۔اگر یہ دونوں ثالث دونوں میں میل کرادینا چاہیں تو خدا ان دونوں کے درمیان اس کا اچھا بندوبست کردیگا۔خدا تو بے شک واقف و خبردار ہے۔

۲۔وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (نساء:۵۸)

اور جب لوگوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنے لگو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

۳۔يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ (نساء:۶۰)

ان کی دلی تمنا یہ ھے کہ سرکشوں کو اپنا حاکم بنائیں۔

۴۔إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللّٰہ (نساء:۱۰۵)

ھم نے تم پر حق کتاب اس لئے نازل کی ھے کہ جس طرح خدا نے تمھاری ھدایت کی ھے اسی طرح لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔

۵۔سَمَّاعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ (مائدہ:۴۲)

جھوٹی باتوں کے بڑے (شوق سے) سننے والے اور بڑے ھی حرام خور ھیں۔تو اے رسولﷺ اگر یہ لوگ تمھارے پاس (کوئی معاملہ لیکر) آئیں تو تم کو اختیار ھے خواہ ان کے درمیان فیصلہ کردو یا ان سے کنارہ کشی کرو۔اور اگر تم کنارہ کش رھو گے تو کچھ خیال نہ کرو یہ لوگ تمھارا ھر گز کچھ بگاڑ نھیں سکتے اور اگر ان کے درمیان فیصلہ کردو تو انصاف سے فیصلہ کرو,کیونکہ اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست

رکھتا ھے۔

۶۔وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ (بقرہ:۲۱۳)

اور ان پیغمبروں کے ساتھ بر حق کتاب بھی نازل کی تا کہ جن باتوں میں لوگ جھگڑتے تھے فیصلہ کردے۔

۷۔إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَجَاعِلُ الَّذِينَ اتَّبَعُوكَ فَوْقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ثُمَّ إِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ فَأَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ (آل عمران:۵۵)

جب عیسیٰ سے خدا نے فرمایا اے عیسیٰ میں ضرور تمھاری زندگی کی مدت پوری کر کے تم کو اپنی طرف اٹھالوں گا اور کافروں (کی گندگی) سے تم کو پاک و پاکیزہ رکھوں گا اور جن لوگوں نے تمھاری پیروی کی ان کو قیامت تک کافروں پر غالب رکھوں گا,پھر تم سب کو میری طرف لوٹ کر آنا ھے تب اس دن جن باتوں میں تم دنیا میں جھگڑتے تھے ان کا تمھارے درمیان فیصلہ کروں گا۔

۸۔ وَاتَّبِعْ مَا يُوحَى إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّى يَحْكُمَ اللّٰهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ (یونس:۱۰۹)

اور تمھارے پاس جو وحی بھیجی جاتی ھے تم بس اسی کی پیروی کرو اور صبر کرو یھاں تک که خدا تمھارے اور کافروں کے درمیان فیصله فرمائے۔اور وہ تو تمام فیصله کرنے والوں سے بھتر ھے۔

۹۔إِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ وَإِنَّ رَبَّکَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (نحل:۱۲۴)

(اے رسول)ھفتے کے دن کی تعظیم تو بس انھیں لوگوں پر لازم کی گئی تھی (یھود و نصاریٰ)جو اس کے بارے میں اختلاف کرتے تھے۔اور کچھ شک نھیں که تمھارا پروردگار ان کے درمیان جس امر میں وہ جھگڑا کرتے تھے۔

۱۰۔وَدَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ إِذْ يَحْكُمَانِ فِي الْحَرْثِ إِذْ نَفَشَتْ فِيهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ (انبیاء:۷۸)

اور (اے رسول) ان کو داؤد و سلیمان کا (واقعه یاد دلاو) جب یه دونوں ایک کھیتی کے بارے میں جس میں رات کے وقت کچھ لوگوں کی بکریاں (گھس کر) چر گئی تھیں فیصله کرنے بیٹھے اور ھم ان لوگوں کے قصے کو دیکھ رھے تھے۔

۱۱۔قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحْمَانُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ (انبیاء:۱۱۲)

رسول نے دعا کی اے میرے پالنے والے تو ٹھیک ٹھیک (میرے اور کافروں) کے درمیان فیصله کردے اور ھمارا پروردگار بڑا مھربان ھے که اسی سے ان باتوں میں مدد مانگی جاتی ھے جو تم لوگ بیان کرتے ھو۔

۱۲۔ وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ مُعْرِضُونَ (نور:۴۸)

اور جب وہ لوگ خدا اور رسول کی طرف بلائے جاتے ھیں تا که رسول ان کے آپس کے جھگڑے کا فیصله کردیں تو ان میں کا ایک فریق روگردانی کرتا ھے۔

۱۳ ۔إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُوْلَئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُون (نور: ۵۱)

ایمانداروں کا قول تو بس یه ھے که جب ان کو خدا اور اس کے رسول کے پاس بلایا جاتا ھے تا ان کے باھمی جھگڑوں کا فیصله کردیں تو کھتے ھیں که ھم نے حکم سنا اور دل سے مان لیا اور یھی لوگ آخرت میں کامیاب ھونے والے ھیں۔

۱۴- إِذْ دَخَلُوا عَلَى دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ قَالُوا لاتَخَفْ خَصْمَانِ بَغَى بَعْضُنَا عَلَى بَعْضٍ فَاحْكُمْ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلاتُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَى

سَوَاءِ الصِّرَاطِ (ص:۲۲)

جب داؤد کے پاس آ کھڑے ہوئے تو وہ ان سے ڈر گئے۔ ان لوگوں نے کہا کہ آپ ڈریں نہیں ہم دونوں ایک مقدمہ کے فریقین ہیں کہ ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے تو آپ ہمارے درمیان ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردیجئے اور انصاف سے نہ گزرئے اور ہمیں سیدھی راہ دکھادیجئے۔

۱۵۔ وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ (شوریٰ:۱۰)

اور تم لوگ جس چیز میں باہم اختلاف رکھتے ہو اس کا فیصلہ خدا ہی کے حوالے ہے۔

۲۔۲۔ **بین الاقوامی فیصلہ** (International Judgment): اقوام متحدہ کا اصلی مقصد عالمی امن وسلامتی کو بنائے رکھنا ہے۔ اس طرح امن پر اثر انداز ہونے والے بین الاقوامی اختلافات کا پرامن حل بھی اس کے مقاصد میں شامل ہوتا ہے۔ چنانچہ ادارے کے تمام ارکان کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے دعووں کو طاقت کے استعمال کے بغیر، پرامن طریقے سے حل کریں۔ اقوام متحدہ کے مستقل رکن اس سلسلے میں کچھ ذمہ داریاں ادا کرتے ہیں:

ا۔ **سلامتی کونسل** (Security Counsel): اقوام متحدہ کا کوئی بھی رکن یا مجلس عامہ یا دبیر کل (Secretary General)، سلامتی کونسل سے یہ درخواست کرسکتا ہے کہ کسی موضوع کو اپنے دستور العمل میں قرار دے۔ فریقین میں سے کسی ایک کا اقوام متحدہ کا رکن نہ ہونے کی صورت میں اگر پہلے سے، اختلاف کے پرامن حل کے معاہدے کو مان لیا ہو تو وہ سلامتی کونسل میں یہ گزارش کرسکتا ہے کہ اختلافی موضوع کو اپنے دستور عمل میں قرار دے۔

سلامتی کونسل اس طرح کی درخواستوں کو مسترد کرنے یا قبول کرنے میں صاحب اختیار ہے۔

سلامتی کونسل یا تو اختلاف کے حل کا کوئی طریقہ تجویز کرے گی یا خود مصالحت کے شرائط کا تعین کرے گی۔ حالاں کہ دعووں کے پرامن حل وفصل سے متعلق منشور کے چھٹے باب کے بموجب، سلامتی کونسل کی تجاویز قانونی پابندی پیدا نہیں کرتی ہیں لیکن سیاسی نقطہ نظر سے بہت زیادہ اثر رکھتی ہیں۔ (۱)

(۲) **مجلس عامہ** (General Assembly): اقوام متحدہ کے رکن اور فریقین اپنے اختلاف کو اقوام متحدہ کی مجلس عامہ کے سامنے پیش کرسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں مجلس عامہ کے اختیارات، سلامتی کونسل کی بنسبت زیادہ وسیع ہیں۔ لیکن جب تک موضوع سلامتی کونسل کے دستور العمل سے خارج نہیں ہوتا تب تک مجلس عامہ کو اس معاملہ میں سنوائی کا حق نہیں ہے۔ اس طرح کے موضوعات کو دبیر کل (سکریٹری جنرل) مجلس عامہ کے سامنے پیش کرتا ہے۔ مجلس عامہ اختلاف دور کرنے کے لئے یا تو سفارش کرے گی یا تحقیقی کمیشن بنائے گی۔ مجلس عامہ کی سفارشیں فریقین کے لئے کوئی قانونی پابندی پیدا نہیں کرتیں، حالانکہ سیاسی اثر رکھتی ہیں۔ (۲) اقوام متحدہ کے یہ دو حقوقی رکن، غیر جانبدار نہیں ہوتے ہیں اور سیاسی لحاظ اور مفادات اس سلسلے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ فریقین میں سے کسی ایک کا اقوام متحدہ میں شکایت کرنا ایک غیر دوستانہ عمل مانا جاتا ہے، کیونکہ یہ کام زیادہ تر مدمقابل پر دباؤ بنانے، عوامی رائے (Public openion) کو اپنے مخالف کے خلاف کرنے یا اپنی قوم کو راضی کرنے کے لئے انجام دیا جاتا ہے۔

-

(۱) ہوشنگ مقتدر، ایضاً، ص ۱۱۱۔ ۱۱۲۔/ عبدالحمید فریدی عراقی، ایضاً ص ۶۰۔ ۶۹۔

(۱) ہوشنگ مقتدر، ایضاً، ص ۱۱۲۔/ عبدالحمید فریدی عراقی، ایضاً ص ۶۹۔ ۷۱۔

(۳) **بین الاقوامی عدالت** (International Court of Justice): بین الاقوامی عدالت، اقوام متحدہ کا بنیادی عدالتی شعبہ ہے اور اس کا آئین اقوام متحدہ کا جز لا ینفک ہے۔ ادارے کے تمام ارکان خود بخود اس عدالت کے آئینی رکن ہوتے ہیں اور سلامتی کونسل کی

سفارش پر مجلس عامہ ایسا ماحول بناتی ہے کہ غیر رکن ممالک جیسے سوئٹزر لینڈ بھی آئین کے ایک فریق بن سکیں۔(۱)

بین الاقوامی عدالت پندرہ قاضی (ججوں) یا مستقل قانون دانوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ان کو ان کی شہریت کے قطع نظر،منصفانہ جغرافیائی حصہ داری (Equitable Geographical Distribution) کے اصول پر،اور اعلیٰ اخلاقی کردار کے حامل،اپنی حکومت میں اعلیٰ قانونی وعدالتی مشاغل کی حصول کی لازمی شرائط پر پورا اترنے والے یا علم قانون کے ماہر اور عالمی سطح پر مشہور ہستیوں میں سے،سلامتی کونسل اور جنرل اسمبلی کے ذریعے اکثریت آراء سے منتخب کیا جاتا ہے۔یہ انتخابات نو سال کے لئے ہوتے ہیں اور عدالت کے دوام واستقرار کو قائم رکھنے کے لئے ہر تین سال میں ایک بار انتخاب ہوتا ہے اور ہر مرتبہ پانچ قاضی منتخب ہوتے ہیں۔ہر اجلاس میں عدالت کے کم از کم چھ ججوں کا ہونا لازمی ہے۔عدالت کے قضات کو سیاسی افسروں کی طرح سفارتی آزادیاں حاصل ہوتی ہیں اور وہ اپنی مدت کار کے دوران کوئی دوسرا پیشہ اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ضمنی طور پر ان کو یہ عہد کرنا ہوتا کہ وہ مکمل طور پر غیر جانبدارانہ طریقے سے فیصلہ کریں گے۔(۲)

یہ عدالت اپنے فیصلوں میں ان چیزوں کو پیش نظر رکھتی ہے:

:۱)معاہدے۔۲)بین الاقوامی عام رواج اور قائدہ۔۳)علم قانون کے عمومی اصول۔۴)عدالتی احکام اور طرفین کی رضامندی سے،عالمی سطح پر ممتاز قانون دانوں کے نظریات و

(۱)ایضاً،ایضاً

(۲)رضا موسی زادہ،ایضاً،ص ۳۹۲/ جک سی۔پلینو،روی آلتون،ایضاً،ص ۳۶۷/ ہوشنگ مقتدر،ایضاً،ص ۱۱۶/ عبد الحمید فریدی عراقی،ایضاً،ص ۴۶/ محمد رضا ضیائی بیگدلی،ایضاً،ص ۴۵۹۔

تعلیمات۔(۱) عدالت کسی بھی طرح کے اقدام کرنے سے پہلے،قانونی نقطہ نظر سے اختلاف کے قابل قبول ہونے اور اپنے اختیارات کو حاصل کرے۔اسی طرح تنازعہ کے اصلیت میں داخل

ہونے سے پہلے،اپنے اختیارات کو حاصل کرے۔اگر فریقین پیش کئے گئے کسی خاص مسئلے میں عدالت کے اختیار یا حق قضاوت کو مان لیں،تو عدالت فریقین کے ذریعے پیش کئے گئے کسی بھی طرح کے مقدمہ کے فیصلے کا اختیار رکھتی ہے۔یہ اختیار قہری نہیں ہوتا ہے بلکہ طرفین کی رضامندی سے مشروط ہے۔عدالت کو واضح اور صریح طور پر اختیارات دینا چاہئے اور یہ امر مختلف طریقوں سے انجام پاتا ہے۔اختیار حاصل کرنا عدالت کے فرائض میں سے ہے اور اس کے اعتبار کو معین کرنا اور اختلافی مسئلے سے اس کے تعلق کو سمجھنا،عدالت کا کام ہے۔لیکن اصل وہی فریقین کی رضامندی ہے جوکہ:

(۱)ایک موافقت نامہ کے ذریعے مسئلے کو عدالت کے سامنے پیش کرنے پر اپنی رضامندی کا اعلان کرتے ہیں۔(۲)ایک فریق عدالت میں عرضی (Petition) داخل کرتا ہے اور دوسرا فریق عدالت کے اختیارات کو تسلیم کرنے کا اعلان کرتا ہے۔(۳)دو یا چند فریقی بین الاقوامی عہدنامے کے ذریعے اپنی رضامندی کا اعلان کرتے ہیں۔اس طرح کے امور میں ایک حکومت پہلے سے اختیار کی شرائط قبول کرکے،حقیقت میں مورد بحث مسئلی کے سلسلے میں عدالت کے لازمی اختیار کو تسلیم کرتا ہے۔(۴)عدالت کے اختیارات پہلے سے تسلیم کرنا ہوتا ہے جس کو عدالت کے اختیارات کی شرط منظوری کہتے ہیں۔یہ کام عدالت کے اختیارات کے تسلیم کرنے پر مشتمل یک طرفہ بیان جاری کرکے اور اقوام متحدہ کے دبیر کل سے اس کی منظوری اور توثیق کراکے انجام ہوتا ہے۔اور یہ توثیق لازمی پابندی کا موجب ہوتی ہے۔

(۱)جیک۔سی،پلینو،روی آلتون،ایضاً،ص ۳۶۶۔

عدالت کے اجباری اختیارات قبول کرنے میں حکومتیں،ایسے شرائط رکھتی ہیں جس کے بموجب اس عدالت کے اختیارات کو صرف بتائے ہوئے امور تک محدود کرتے ہیں۔مثلاً جب حکومتیں

اپنے داخلی اختیارات کے حدود میں آنے والے امور کو، عدالت کے اختیارات سے مستثنیٰ کرتی ہیں۔(۱)حکومتیں، اقوام متحدہ کے بنیادی شعبوں اور اس کے اکثر Specialized Agencies کی درخواست پر عدالت کسی بھی قانونی مسئلے پر مشورہ بھی دے سکتی ہے۔عدالت کے مشورتی اختیارات بارہا، اقوام متحدہ کے شعبوں، خاص کر مجلس عامہ کے کام آئے ہیں۔جیسے اقوام متحدہ کی رکنیت یا ادارے کے بجٹ وغیرہ کے مسائل۔(۲)

بین الاقوامی عدالت کے ذریعے جاری کئے گئے احکام لازمی، قطعی اور نفاذ کی ضمانت کے حامل ہوتے ہیں۔فریقین اس کی پیروی کرنے کے پابند ہوتے ہیں اور اس کی رائے صادرہ کے خلاف اپیل نہیں ہوسکتی ہے۔چنانچہ اگر کوئی ایک فریق، بین الاقوامی عدالت کے ذریعے اس پر عائد کی گئی ذمہ داریوں کو نبھانے سے انکار کر دے، تو فریق مخالف سلامتی کونسل کی طرف رجوع کرسکتا ہے اور کونسل بھی اپنی تشخیص اور صوابدید سے، احکام کے نفاذ کے لئے فیصلہ کرے گی۔(۳)

فی الحال بین الاقوامی عدالت، اپنے وجود اور بین الاقوامی عام قانون (Comman Laws) کے ضوابط پر عدم اعتقاد اور عدالت کے فیصلے کے نا قابل پیشین گوئی ہونے کی وجہ سے، بین الاقوامی دنیا میں ناکام رہی ہے اور اس کی تشکیل کے وقت جو توقعات اس سے وابستہ تھیں اس کو پوری نہیں کرسکی ہے۔(۴)

(۱)رضا موسیٰ زادہ، ایضاً، ص ۳۹۶ سے ۴۰۲ تک۔/محمد رضا ضیائی بیگد لی، ایضاً، ص ۴۶۲/عبد الحمید فریدی عراقی، ایضاً، ص ۴۷

(۲)محمد رضا ضیائی بیگد لی، ایضاً، ص ۴۶۵۔/ جک سی۔پلینو، روی آلتون، ایضاً، ص ۳۶۴۔/ رضا موسیٰ زادہ، ایضاً، ص ۴۰۴/عبد الحمید فریدی عراقی، ایضاً، ص ۵۱۔

(۳)محمد رضا ضیائی بیگد لی، ایضاً، ص ۴۶۶۔

(۴)عبد الحمید فریدی عراقی، ایضاً، ص ۵۳۔۵۴۔

(۴)**علاقائی عدالت** (Regional Court): اقوام متحدہ کے منشور کا دفعہ نمبر ۹۵

کہتا ہے: اس منشور کا کوئی بھی قانون اس بات سے مانع نہ ہوگا کہ اقوام متحدہ کے اراکین، اپنے اختلافات کے حل کو موجودہ یا آئندہ ہونے والے معاہدوں کے ذریعے دوسری عدالت میں پیش کرسکیں۔اس مقصد کے تحت علاقائی عدالت بنائی گئی ہے: ۱)یوروپی سماج کی عدالت۔۲)حقوق بشر کی یورپی عدالت۔۳)حقوق انسانی کی امریکی عدالت۔۴)بنہ دوکس کی عدالت ()۔۵)'عدل اسلامی' عدالت۔۶)مغربی عرب اتحادیوں کی عدالت۔(۱)

(۴)**طاقت کا عدم استعمال:** آج کے دور میں بین الاقوامی حقوق کے رو سے طاقت کے عدم استعمال کا طریقہ، حکومتوں کے سب سے اہم فرائض میں سے ہے۔اقوام متحدہ کے منشور کے دفعہ نمبر ۲ کے بموجب، حکومتیں اپنے دعووں کو امن پسندانہ طریقے سے حل کرنے اور اختلافات کے فیصلے کے لئے طاقت کے استعمال سے گریز کرنے کی پابند ہیں، جب کہ ۱۹۱۹ء کے معاہدے کے سب سے اہم نتیجہ یعنی اقوام متحدہ کی تاسیس سے قبل، حکومتوں کے ذریعے طاقت اور جنگ کا استعمال اور مقاصد کے حصول کے لئے ہر ممکن وسیلے کا استعمال مشروع تھا۔بین الاقوامی حقوق جنگ کے زمانے کے برتاو کو منظم کرتا تھا، لیکن حکومتوں کے ذریعے جنگ کے استعمال کے اختیار پر کوئی دخل نہیں دیتا تھا۔اگرچہ شروع میں طاقت کے استعمال کے مقررات پر جنگ عادلانہ کا نظریہ حاکم تھا، جس کے رو سے عادلانہ مقاصد کے علاوہ جنگ، غیر قانونی تھی۔اس مقصد یا وجہ کا دائرہ وسیع تھا، مثلاً جب غیر قانونی طریقے سے کوئی نقصان ہوجائے یا کوئی حق سلب ہوجائے۔(۲) لیکن آہستہ آہستہ صلیبی جنگوں کے واقع ہونے اور اس کے بعد مثبت گرائی اور یوروپی

(۱)محمد رضا ضیائی بیگد لی، ایضاً، ص ۴۶۹

(۲)ہوشنگ مقتدری، ایضاً، ص ۴۶۹۔

سماج میں طاقت کے توازن کے نظام کے مکمل ظہور سے، عادلانہ جنگ کا مفہوم اخلاقی دائرے میں

محدود ہو گیا اور اس طرح بین الاقوامی قانون سے ختم ہو گیا۔(۱)

اقوام متحدہ کے نظام نے جنگ سے روکا نہیں یا طاقت کے استعمال کی ممانعت نہیں کی، بلکہ جنگ کے لئے کچھ حدود مقرر کئے۔ مثلاً جنگ شروع کرنے سے پہلے، پر امن طریقے استعمال کئے جائیں اور مراجع (عدالت، بین الاقوامی عدالت یا شورای جامعہ ملل (Leag eof nations) یا قضاوت) کے ذریعے حکم کے صادر ہونے کے تین ماہ تک جنگ سے پرہیز کریں۔(۲)

لیکن دو عالمی جنگوں کے درمیان، جنگ سے ممانعت کی کوششیں، ۱۹۲۸ء میں اکثر ممالک کے ذریعے جنگ کی مذمت میں کلوگ بریاند() کے ایک عمومی معاہدے پر دستخط کرنے کا باعث ہوئیں۔ ۱۹۴۵ء میں دوسری عالمی جنگ کے بعد اور اقوام متحدہ کی تأسیس کے ساتھ، طاقت کے استعمال کی ممانعت ہوگئی۔ چنانچہ بین الاقوامی منشور کے دفعہ نمبر ایک میں، جارحیت یا نقص امن کے دوسرے طریقوں کو ختم کرنا، اقوام متحدہ کے اہم مقاصد میں شمار کیا گیا ہے۔

منشور کے دفعہ نمبر ۴ کے شق نمبر ۲ کے بموجب، تمام اراکین اپنے بین الاقوامی تعلقات میں کسی دوسرے ملک کی ارضی سا لمیت یا سیاسی خود مختاری کے خلاف طاقت کے استعمال کی دھمکی یا اس کے استعمال یا کسی بھی طریقے کے استعمال سے جو اقوام متحدہ کے مقاصد کے خلاف ہو، گریز کریں گے۔ یہ دفعہ ایک بنیادی اقرار اور ایک طرفہ طاقت کے استعمال کی عام ممانعت ہے۔ اس اصل پر بار ہا خاص کر کے مجلس عاملہ کی قراردادوں میں زور دیا گیا ہے، جیسے:

(۱) حکومتوں کے داخلی امور میں مداخلت کے غیر قانونی ہونے کا اعلان (۱۹۶۵ء)

(۱) ملکم شاو، ایضاً، ص ۴۰۳۔

(۲) ہوشنگ مقتدر، ایضاً، ص ۱۲۹/ ملکم شاو، ایضاً، ص ۴۰۴

(۲) دوستانہ تعلقات سے متعلق بین الاقوامی حقوق کے اصول کا اعلان (۱۹۷۰ء) جو لازمی نہ

ہونے کے باوجود اہمیت رکھتا ہے۔

(۳) جارحیت (Aggression) کی تعریف کی قرارداد (۱۹۷۴ء) جس کی رو سے عام طور پر جارحیت کو، کسی ملک کے سرحدی سلامتی کے خلاف، مسلح طاقت کا استعمال سمجھا گیا ہے اور جارحانہ اقدامات کو فہرست بند کر کے اس سے روکا گیا ہے۔

(۴) طاقت کے استعمال کی تحریم کی زیادہ سے زیادہ کارآمد ہونے کا اعلان (۱)

۱۹۷۰ء کے بین الاقوامی حقوق کے اصول کا اعلانیہ، کسی حکومت کی سیاسی خود مختاری یا ارضی سلامتی کے خلاف کسی بھی طرح کے دفاعی، سیاسی یا اقتصادی دباؤ یا کسی بھی طرح کے دباؤ ڈالنے سے گریز کرنے کے لئے حکومتوں کی ذمہ داریوں کی یاد دہانی کراتا ہے۔ ۱۹۶۶ء کے انسانی حقوق کے بین الاقوامی میثاق نے تمام ملکوں کی اپنی اقتصادی، سماجی اور تہذیبی ترقی کے لئے آزادانہ سرگرمی کے حق پر زور دیتا ہے۔ اس حق پر مجلس عامہ کے ذریعے ۱۹۷۴ء منظور کیا گیا، حکومتوں کے اقتصادی حقوق و فرائض سے متعلق منشور میں بھی تاکید کی گئی ہے، خاص کر یہ تصریح ہوئی ہے کہ: کوئی بھی حکومت، کسی دوسری حکومت کو اپنے اقتدار کے حقوق کو دوسروں سے وابستہ کرنے پر مجبور کرنے کے لئے، سیاسی، اقتصادی یا کسی بھی طرح کا دوسرا اقدام نہیں کر سکتی ہے اور نہ ہی ان کے استعمال کی حوصلہ افزائی کر سکتا ہے۔(۲)

آج تک جنگ اور دشمنی پر مبنی مسلح اقدامات، جو مختلف ممالک کے درمیان یا کسی ایک ملک یا خطے میں مسلح افواج کے ذریعے انجام پاتے ہیں، انہیں روکنے کے لئے بہت سے اقدام کئے گئے ہیں: امن اور تعاون کے معاہدے اور موافق نامے، فوجی ساز و سامان پر کنٹرول اور ترک

(۱) ہوشنگ مقتدر، ایضاً، ص ۱۳۰۔ (۲) ملکم شاو، ایضاً، ص ۴۰۷۔

اسلحہ (Disarmament) کے سلسلے میں کئے گئے اقدامات، انسانی حقوق سے متعلق قراردادیں اور

اعلانیہ، جیسے ۱۹۲۵ء کے ژنو پروٹوکول کے رو سے کیمیاوی (Chemical) اور حیاتیاتی (Biological) اسلحوں کے استعمال پر قانونی ممانعت ،انسانی حقوق کا عالمی اعلانیہ (۱۹۴۸ء)، تنازعات میں انسانی حقوق کے دفاع کا یوروپی کنونشن (۱۹۵۳ء)، امن پسندانہ مقاصد کے لئے جوہری طاقت کے استعمال کے سلسلے میں مختلف ممالک میں تعاون کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے اقوام متحدہ کی Specialized Agency کی حیثیت سے ۱۹۵۷ء میں جوہری طاقت کی بین الاقوامی ایجنسی (International Atomic Energy Agency) کا قیام، جوہری تجربوں کی ممانعت (۱۹۶۳ء)، جوہری ہتھیاروں کو پھیلانے کی ممانعت (۱۹۶۸ء)، کیمیاوی اسلحوں کے تخفیف کا معاہدہ (۱۹۶۸ء) سمندر اور دریا کی تہہ میں جوہری یا دیگر تخریبی اسلحوں کو رکھنے کی ممانعت کا معاہدہ (۱۹۷۱ء)، زہریلے اور بیکٹر یائی (بایولاجیکل) اسلحوں کے بنانے اور ذخیرہ کرنے کی ممانعت اوران کے خاتمے کے سلسلے میں کنونشن (۱۹۷۲ء)۔

اس کے باجود جنگ کے دوران مہذبانہ برتاؤ اور جنگ کو انسانی کرنے کے لئے بعض قوانین بنائے گئے ہیں۔ ایسے اصول اور طرز کار بین الاقوامی حقوق میں بیان ہوا ہے تاکہ جنگ میں ملوث ممالک کے برتاؤ اور تعلقات پر حاکم رہے۔ جنگ کے دستور اور قوانین شروع شروع میں عرفی (Mass Norms) صورت رکھتے تھے، لیکن انیسویں صدی کی دوسرے حصے سے، چند فریقی بین الاقوامی کنونشن کے ذریعے رسمی حیثیت پیدا کی۔(۱)

آج کی دنیا میں جنگ کی حالت میں ممالک، نہ صرف علاقائی معاہدے اور کنونشن کے ذریعے، بلکہ بین الاقوامی عرفی حقوق اور حقوق انسانی کے ذریعے بھی محدود کئے جاتے ہیں جو

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۲۶۴۔۲۶۵۔

بے وجہ بربریت اور دوسرے عوامی اخلاقیات کی توہین کرنے والے کاموں سے ممانعت کرتے

ہیں۔ اگر طاقت کا استعمال، کسی دوسرے ملک کی سرحدی سلامتی یا سیاسی خودمختاری یا کلی طور پر اقوام متحدہ کے منشور کے مقاصد کے مخالف مقاصد کے لئے نہ ہوتو جائز ہے۔ جیسے دفاع مشروع۔

دفاع، انسان کا ذاتی، فطری اور عرفی حق ہے۔ منشور کے دفعہ نمبر ۵۱ کے بموجب، کوئی بھی معاہدہ اقوام متحدہ کے کسی رکن پر مسلح حملے کی صورت میں انفرادی یا اجتماعی طور پر، جائز دفاع کے ذاتی حق کو سلامتی کونسل کے ذریعے بین الاقوامی امن و صلح کو بنانے کے لئے لازمی اقدامات کرنے تک، ت کوئی تخفیف نہیں کرسکتا ہے۔

دفاع مشروع میں یہ عناصر پائے جاتے ہیں: ۱) ضرورت۔ ۲) فوری (Urgency)۔ ۳) خطرے سے مقابلے کے لئے کوئی دوسرا متبادل راستہ نہ ہونا۔ ۴) تناسب (دفاع خطرے سے متناسب اور معقول ہو۔ مذکورہ بالا اور منشور کے دفعہ نمبر ۵۱ سے مطابقت کی شرط پر دفاع کے ذاتی حق کے استعمال کا دائرہ کافی وسیع ہے اور اس میں یہ امور بھی شامل ہوتے ہیں: ۱) متوقع خطرے سے مقابلے کے لئے۔ ۲) ملکی مفادات کی حفاظت (زمین، اپنے شہری، اموال اور حقوق کا دفاع)۔ ۳) اقتصادی یا اشتہاری حملہ () جس نے جسمانی انداز اختیار نہ کیا ہو۔

منشور کا دفعہ نمبر ۵۱، ناٹو جیسے علاقائی دفاعی اداروں کے بننے کا باعث ہوا۔ اس طرح کے اداروں کے منشور کے بموجب، کسی ایک رکن پر حملہ، تمام ارکان پر حملے کے برابر سمجھا جاتا ہے اور اجتماعی صورت میں حق دفاع پر عمل درآمد کے لئے، ارکان، حملے سے دوچار ہونے والے ملک کی مدد کے لئے پابند ہیں۔ اس طرح کے گروہی دفاع میں، پہلے سے تیار رہنا ضروری ہے، لہٰذا اس طرح کے دفاع کے لئے باقاعدہ اداروں اور نظام کی ضرورت ہے۔(۱)

(۱) ہوشنگ مقتدر، ایضاً ص ۱۳۲ سے ۱۳۵ تک۔

جنگ اور طاقت کا استعمال —— قرآن میں

اسلام، منتسکی (Montesyuieu) جیسے فرانسیسی مفکر کے نظریہ کے برخلاف، جو اسے طاقت اور شمشیر کا مذہب مانتا ہے، سمجھوتہ اور امن کی بنیاد پر قائم ہے۔ اسلام عقیدہ کے سلسلے میں جبری مداخلت کی ممانعت کا قائل ہے اور کہتا ہے کہ ایمان جو دین کی طرف دلی جھکاؤ ہے ہرگز جبر برداشت نہیں کرسکتا ہے اور مختلف آیات میں انسانی فطرت سے نشاۃ لینے والے اس بنیادی نکتے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

۱۔ قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَهُ دِينِي ★ فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُمْ مِنْ دُونِهِ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَلَا ذَٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ (زمر:۱۴۔۱۵)

(اے رسول) تم کہہ دو کہ میں اپنی عبادت کو اسی کے واسطے خالص کرکے خدا ہی کی بندگی کرتا ہوں (اب رہے تم) تو اس کے سوا جس کو چاہو پوجو۔ تم کہہ دو کہ فی الحقیقت گھاٹے میں وہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنا اور اپنے لڑکے بالوں کا قیامت کے دن گھاٹا کیا۔ آگاہ رہو کہ صریحی گھاٹا یہی ہے۔

۲۔ لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ (کافرون:۶)

تمہارے لئے تمہارا دین میرے لئے میرا دین۔

۳۔ لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (بقرہ:۲۵۶)

دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں ہے کیونکہ

ہدایت گمراہی سے الگ ظاہر ہوچکی ہے۔

۴۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيعًا أَفَأَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس:۹۹)

اور (اے پیغمبر) اگر تیرا پروردگار چاہتا تو جتنے لوگ روئے زمین پر ہیں سب کے سب ایمان لے آتے۔ تو کیا تم لوگوں پر زبردستی کرنا چاہتے ہو تا کہ سب کے سب ایماندار ہوجائیں۔

۵۔ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (نحل:۹)

سیدھی راہ کی ہدایت تو خدا ہی کے ذمے ہے اور بعض راستے ٹیڑھے ہیں اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو منزل مقصود تک پہنچا دیتا۔

۶۔ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ (نحل:۳۵)

پیغمبروں پر تو اس کے سوا کہ احکام کو صاف صاف پہنچا دیں اور کچھ بھی نہیں ہے۔

۷۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ (کہف:۲۹)

اور (اے رسول) تم کہہ دو کہ سچی بات (کلمہ توحید) تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوچکی ہے

۔بس جو چاھے مانے اور جو چاھے نہ مانے۔

اسی طرح بعض آیات میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جس کو دنیا چاہئے اسے ہم وہی دیں گے۔اور یہ بات انسان کے آزادانہ انتخاب کی طرف اشارہ کرتی ہے:

۸۔ مَنْ کَانَ یُرِیدُ الْحَیَاۃَ الدُّنْیا وَزِینَتَھَا نُوَفِّ إِلَیْھِمْ أَعْمَالَھُمْ فِیھَا وَھُمْ فِیھَا لاَیُبْخَسُونَ ★ أُوْلَئِکَ الَّذِینَ لَیْسَ لَھُمْ فِی الْآخِرَۃِ إِلاَّ النَّارُ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا فِیھَا وَبَاطِلٌ مَا کَانُوا یَعْمَلُونَ(ھود:۱۵۔۱۶)

نیکی کرنے والوں میں سے جو شخص دنیا کی زندگی اور اس کی رونق کا طالب ھو تو ھم انھیں ان کی کارگزاریوں کا بدلہ دنیا ھی میں پورا پورا بھر دیتے ھیں اور یہ لوگ دنیا میں گھاٹے میں نھیں رھیں گے۔مگر ھاں یہ وہ لوگ ھیں جن کے لئے آخرت میں جھنم کی آگ کے سوا کچھ نھیں اور جو کچھ دنیا میں ان لوگوں نے کیا دھرا تھا سب اکارت ھو گیا اور جو کچھ یہ لوگ کرتے تھے سب ملیامیٹ ھو گیا۔

۹۔ مَنْ کَانَ یُرِیدُ حَرْثَ الْآخِرَۃِ نَزِدْ لَہُ فِی حَرْثِہِ وَمَنْ کَانَ یُرِیدُ حَرْثَ الدُّنْیَا نُؤْتِہِ مِنْھَا وَمَا لَہُ فِی الْآخِرَۃِ مِنْ نَصِیبٍ(شوریٰ:۲۰)

اور جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ھو ھم اس کے لئے اس کی کھیتی میں افزائش کریں گے اور جو دنیا کی کھیتی کا خواستگار ھو تو ھم اس کو اسی دنیا میں سے دیں

گے مگر آخرت میں پھر اس کا کچھ حصہ نہ ھو گا۔

بند آنکھوں اور اندھی تقلید کے ذریعے صحیح یا غلط راستہ کا انتخاب نہیں کرنا چاہئے بلکہ انتخاب آگاہانہ ہونا چاہئے:

۱۰۔لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَیَحْیَا مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃ(انفال:۴۲)

تا کہ جو شخص ھلاک ھو وہ حق کی حجت تمام ھونے کے بعد ھلاک ھو اور جو زندہ رھے وہ ھدایت کی حجت تمام ھونے کے بعد زندہ رھے۔

۱۱۔ قُلْ ھَذِہِ سَبِیلِی أَدْعُو إِلَی اﷲِ عَلَی بَصِیرَۃٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِی(یوسف:۱۰۸)

(اے رسول)ان سے کھہ دو کہ میرا طریقہ تو یہ ھے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ھوں۔میں اور میرا پیرو (دونوں)مضبوط دلیل پر ھیں۔

ایک ایسا دین جس کے پیغمبروں کا فریضہ صرف تبلیغ بتایا گیا ہے،اوراس پر عملدرآمد کے طریقے بھی سب امن پسندانہ اور منطقی ہیں۔دوسروں کو اسلام کی طرف بلانا کبھی بھی،جھگڑا،اختلاف ،جھوٹ،دھمکی اور طاقت کے ہمراہ نہیں ہوسکتا ہے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

۱۲۔ مَا عَلَی الرَّسُولِ إِلاَّ الْبَلاَغُ وَاﷲُ یَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَکْتُمُونَ(مائدہ:۹۹)

ھمارے رسول پر پیغام پھنچادینے کے سوا اور کچھ

فرض نهیں هے اور جو کچھ تم ظاهر به ظاهر کرتے هو اور جو کچھ تم چھپا کر کرتے هو خدا سب جانتا هے۔

۱۳۔ لَیسَ عَلَیکَ هُدَاهُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِی مَنْ یَشَاء (بقره:۲۷۲)

ان کا منزل مقصود تک پهنچانا تمهارا فرض نهیں (تمهارا کام صرف راسته دکھانا هے) مگر هاں خدا جس کو چاهے منزل مقصود تل پهنچادے۔

۱۴۔ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلاَغُ (آل عمران:۲۰)

اور اگر منه پھیریں تو اے رسول تم پر صرف پیغام پهنچادینا فرض هے۔

۱۵۔ وَأَطِیعُوا اللّٰهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوا أَنَّمَا عَلَى رَسُولِنَا الْبَلاَغُ الْمُبِین (مائده:۹۲)

اور خدا کا حکم مانو اور رسول کا حکم مانو اور نافرمانی سے بچے رهو اس پر بھی اگر تم نے حکم خدا سے منه پھیرا تو سمجھ رکھو که همارے رسول پر بس صاف صاف پیغام پهنچادینا فرض هے۔

۱۶۔ وَمَا جَعَلْنَاکَ عَلَیْهِمْ حَفِیظًا وَمَا أَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیلٍ (انعام:۱۰۷)

اور هم نے تم کو ان لوگوں کا نگهبان تو بنایا نهیں هے اور نه تم ان کے ذمه دار هو۔

۱۷۔ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلاَغُ الْمُبِینُ (نحل:۸۲)

اس پر بھی اگر یه لوگ ایمان سے منه پھیریں تو تمهارا فرض صرف احکام کا صاف صاف پهنچادینا هے۔

۱۸۔ قُلْ أَطِیعُوا اللّٰهَ وَأَطِیعُوا الرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْکُمْ مَا حُمِّلْتُمْ وَإِنْ تُطِیعُوهُ تَهْتَدُوا وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلاَّ الْبَلاَغُ الْمُبِینُ (نور:۵۴)

(اے رسول) تم کهه دو که خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اس پر بھی اگر تم سرتابی کروگے تو بس رسول پر اتنا هی (تبلیغ) واجب هے جس کے وه ذزه دار کئے گئے هیں اور جس کے ذمے دار تم بنائے گئے هو تم پر واجب هے اور اگر اس کی اطاعت کروگے تو هدایت پاوگے ۔اور رسول پر تو صرف صاف طور پر (احکام کا) پهنچانا فرض هے۔

۱۹۔ وَمَا عَلَیْنَا إِلاَّ الْبَلاَغُ الْمُبِینُ (یس:۱۷)

هم پر تو بس کھلم کھلا (احکام خدا) کا پهنچادینا فرض هے۔

۲۰۔ وَمَا أَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیل (شوری:۶)

اور (اے رسول) تم ان کے نگهبان نهیں هو۔

لهٰذا افسوس نهیں کرنا چاهئے اور تبلیغ کے لئے خشونت اور غیر منطقی طریقوں کا استعمال نهیں

کرنا چاہئے:

۲۱۔ فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ عَلَی آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ یُؤْمِنُوا بِهَذَا الْحَدِیثِ أَسَفًا (کهف:۶)

(اے رسول) اگر یہ لوگ اس بات کو نہ مانیں تو شاید تم مارے افسوس کے ان کے پیچھے اپنی جان دے ڈالو گے۔

۲۲۔ لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَفْسَکَ أَلاَّ یَکُونُوا مُؤْمِنِینَ (شعراء:۳)

(اے رسول) شاید تم (اس فکر میں) اپنی جان ہلاک کر ڈالو گے کہ یہ کفار مومن کیوں نہیں ہو جاتے۔

۲۳۔ وَمَنْ کَفَرَ فَلاَ یَحْزُنْکَ (لقمان:۲۳)

اور (اے رسول) جو کافر بن بیٹھے تو تم اس کے کفر سے کڑھو نہیں۔

۲۴۔ اُدْعُ إِلَی سَبِیلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِی هِیَ أَحْسَن (نحل:۱۲۵)

(اے رسول) تم (لوگوں کو) اپنے پروردگار کی راہ پر حکمت اور اچھی اچھی نصیحت کے ذریعے سے بلاؤ اور بحث و مباحثہ کرو بھی تو ایسے طریقے سے جو (لوگوں کے) نزدیک سب سے اچھا ہو۔

۲۵۔ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَیْرٌ

لِلصَّابِرِینَ (نحل:۱۲۶)

اور اگر (مخالفین کے ساتھ) سختی کرو بھی تو ویسی ھی سختی کرو جیسی سختی ان لوگوں نے تم پر کی تھی۔اور اگر تم صبر کرو تو صبر صبر کرنے والوں کے واسطے بھتر ھے۔

۲۶۔ وَلاَتُجَادِلُوا أَهْلَ الْکِتَابِ إِلاَّ بِالَّتِی هِیَ أَحْسَنُ إِلاَّ الَّذِینَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ وَقُولُوا آمَنَّا بِالَّذِی أُنْزِلَ إِلَیْنَا وَأُنْزِلَ إِلَیْکُمْ وَإِلَهُنَا وَإِلَهُکُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (عنکبوت:۴۶)

اور (اے ایمانداروں) اھل کتاب سے مناظرہ نہ کیا کرو مگر عمدہ اور شایستہ الفاظ و عنوان سے لیکن ان میں سے جن لوگوں نے تم پر ظلم کیا (ان کے ساتھ رعایت نہ کرو) اور صاف صاف کھہ دو کہ جو کتاب ھم پر نازل ھوئی اور جو کتاب تم پر نازل ھوئی ھے ھم تو سب پر ایمان لا چکے ھیں اور ھمارا معبود اور تمھارا معبود ایک ھی ھے اور ھم سب اسی کے فرمانبردار ھیں۔

۲۷۔ وَلْتَکُنْ مِنْکُمْ أُمَّةٌ یَدْعُونَ إِلَی الْخَیْرِ وَیَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَأُوْلَئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران:۱۰۴)

اور تم میں سے ایک گروہ (ایسے لوگوں کا بھی) تو ہونا چاھئے جو (لوگوں کو) نیکی کی طرف بلائیں اور اچھے

کام کا حکم دیں اور برے کاموں سے روکیں اور ایسے ھی لوگ آخرت میں اپنی دلی مراد پائیں گے۔

۲۸۔فَمَنْ حَاجَّکَ فِیهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَائَکَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَائَنَا وَأَبْنَائَکُمْ وَنِسَائَنَا وَنِسَائَکُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَکُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللهِ عَلَى الْکَاذِبِینَ (آل عمران: ۶۱)

پھر جب تمھارے پاس علم (قرآن) آچکا اس کے بعد بھی اگر تم سے کوئی (نصرانی) عیسیٰ کے بارے میں حجت کرے تو کھو که (اچھا میدان میں) آؤ۔ھم اپنے بیٹوں کو بلائیں تم اپنے بیٹوں کو اور ھم اپنی عورتوں کو بلائیں اور تم اپنی عورتوں کو اور ھم اپنی جانوں کو (بلائیں) اور تم اپنی جانوں کو اس کے بعد ھم سب مل کر خدا کی بارگاہ میں گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔

ایسا دین جو متعدد آیات میں دوستی اور محبت کے روابط پر زور دیتا ہے۔جیسے سورہ ممتحنہ کی آیت نمبر ۷،۸ اور ۹۔سورۂ فصلت: آیت نمبر ۳۴۔سورۂ مائدہ: آیت نمبر ۸۲۔سورۂ انعام آیت نمبر ۱۰۸،جن کی شرح امن سے ایک ساتھ رہنے کی بحث میں گزر چکی ہے۔اسلام محبت اور یکدلی کا دین ہے۔

حضرت علیؑ مالک اشتر کو اس طرح خطاب فرماتے ہیں:

اِشعِر قَلْبَکَ الرَّحمَةَ وَ الْمَحَبَةَ لَهُم، وَ اللُطفَ بهم، وَ لا تکونَنَّ عَلیهم سَبعاً ضَارِیاًتَغْتَنِمُ اَکلَهُم، فِانَّهُم صِنفان: اِمَّا اَخٌ لَکَ فِی الدِّینِ وَ اِمَّا نَظیرٌ لَکَ فِی الخَلق"۔ھمیشه اپنے دل

کو اپنے شھریوں کی محبت سے مالامال کرو۔ھر گز لوگوں کے لئے ان درندہ جانوروں کی طرح نه بنو جو ان کو کھانے کے لئے موقع کے تلاش میں رھتے ھیں۔کیونکه عوام دو قسم کے ھیں: یا تو تمھارے دینی بھائیوں میں شمار ھوتے ھیں اور یا تو خلقت میں تمھارے جیسے ھیں۔(۱)

غیر قوموں سے سامنا ہونے پر ہم ایسی حکومتوں اور اشخاص کے روبرو ہوتے ہیں جو پیدائشی طور سے ہم جیسے ہیں،لہٰذا ہم کو چاہئے کہ اپنی انسانی محبت اور شفقت کو مذہبی تعصب کے ذریعے پامال نہ ہونے دیں۔یہ وہی دین ہے جس نے امن اور ایک ساتھ رہنے کے احیاء کو دوسرے انسانوں اور قوموں سے تعلقات کی بنیاد بتایا ہے،مومنوں کو امن عامہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ایسا دین جو عالمی رسالت کا حامل ہے اور تمام انسانیت کو ہر دور میں جب تک کہ انسان پیدا ہوتا رہے گا اور جہاں بھی انسان ہوگا،اللہ کی وحدانیت اور اسلام کی دعوت دیتا رہے گا۔

★وَمَا أَرْسَلْنَاکَ إِلاَّ کَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِیرًا وَنَذِیرًا (سبا:۲۸)

(اے رسول) ھم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کے لئے (نیکوں کو بھشت کی) خوشخبری دینے والا اور (بدوں کو عذاب سے) ڈرانے والا (پیغمبر) بنا کر بھیجا۔

★قُلْ یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنِّی رَسُولُ اللهِ إِلَیْکُمْ جَمِیعًا (اعراف:۱۵۸)

(اے رسول) تم (ان لوگوں سے) کھه دو که لوگوں

(۱) نہج البلاغہ،ایضاً،خط نمبر ۵۳،ص ۵۶۶ اور ۵۶۷۔

میں تم سب لوگوں کے پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔

★هُوَ الَّذِی أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَی وَدِینِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهُ عَلَى الدِّینِ كُلِّهِ (فتح:۲۸)

وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے۔

پیغمبر اسلامؐ کی گھر بار زندگی میں ان کے کردار پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام، امن اور دوستی کا دین ہے۔ مثال کے طور پر منشور مدینہ جس کے ذریعے مدینے میں قیام پذیر یہودیوں سے امن، دوستی اور رواداری کو بڑھایا اور عادلانہ اور منصفانہ قوانین کا نفاذ کیا۔ مشرکین مکہ کے ساتھ صلح حدیبیہ کے بعد، جسے زبان قرآن میں 'فتح مبین' کہا گیا ہے، پیغمبر اسلامؐ نے اسلام کے منطقی اور امن پسندانہ پھیلاؤ کے لئے، عرب سے باہر ممالک کے سربراہوں کے لئے قاصد روانہ فرمایا۔ کسی بھی طرح کے ظلم اور قانون شکنی کے مقابلے میں کھڑے ہوتے تھے اور قانون شکنی کرنے والوں کو فیصلے کے ذریعے سزا دیتے تھے اور ان کے جرم کے تناسب سے اختلافات کے حل کے لئے، قاضی یا ثالث کی حیثیت سے، فریقین کے ساتھ ایک مناسب طریقے سے پیش آتے تھے۔

ان دلیلوں کے بعد، ایسا دین کس طرح سے طاقت اور تلوار کا دین ہوسکتا ہے۔ حالانکہ بعض امور میں جن کا ذکر کیا جائے گا، طاقت اور تشدد کو جائز قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ بین الاقوامی منظرنامے پر بھی ہوتا ہے۔ لیکن اسلام میں، طاقت، تشدد اور جنگ وخونریزی اچھی چیز نہیں ہے اور کبھی بھی امن اور مل جل کر رہنے کی فطری حالت کو چھوڑا نہیں جاسکتا ہے، مگر ایسی صورت میں جب کوئی دشمنی کا ہاتھ اسلام کی طرف بڑھے اور کارشکنی ومشکلات اس کے راستے کو روکیں اور کچھ لوگ یہ کوشش کریں کہ تشدد اور طاقت کے ذریعے لوگوں کو اس دین کی طرف آنے سے باز رکھیں۔

قرآن حق و باطل کی مسلسل جنگ میں، انسان کو حق کی پاسداری کی دعوت دیتا ہے اور یہ تنبیہ کرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس جنگ میں، بہانے، مشکلیں اور ہوائے نفس، امر کو مشتبہ کردیں یا انسان حق کو باطل کا لباس اور باطل کو حق کا لباس پہنانے کی غلطی کرنے کی کوشش کرے۔ حق کو قائم کرنا چاہئے اور باطل کو ختم کرنا چاہئے، چاہے حکومت یا حکومتوں پر بھاری پڑے چاہے جنگ و طاقت کا استعمال کرنا پڑے۔ اصولاً قرآن، خدا کو حق اور اس کے علاوہ باقی چیزوں کو باطل مانتا ہے اور حق کے ساتھ رہنے کو اللہ کے ساتھ رہنے کا ذریعہ مانتا ہے اور باطل کا انجام زوال اور حق کو جاوداں جانتا ہے اور حق کی تکذیب کو سب سے بڑا ظلم سمجھتا ہے۔ چنانچہ حق و باطل کے سلسلے میں ۳۰۰ سے زیاد آیتیں قرآن مجید موجود ہیں:

۱۔ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا (اسراء:۸۱)

اور (اے رسول) کہہ دو کہ (دین) حق آگیا اور (دین) باطل نیست و نابود ہوا۔ اس میں شک نہیں کہ باطل مٹنے والا ہی تھا۔

۲۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُونَ (انبیاء:۱۸)

بلکہ ہم تو حق کو ناحق (کے سر) پر کھینچ مارتے ہیں تو وہ باطل کے سر کو کچل دیتا ہے پھر وہ اسی وقت نیست و نابود ہو جاتا ہے۔

۳۔ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى عَلَى اللهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُ أَلَيْسَ فِي جَهَنَّمَ مَثْوًى لِلْكَافِرِينَ (عنکبوت:۶۸)

اور جو شخص خدا پر جھوٹ بھتان باندھے یا جب اس کے پاس کوئی سچی بات آئے تو جھٹلادے اس سے بڑھ کر ظالم کون ھو گا۔ کیا (ان) کافروں کا ٹھکانا جھنم میں نھیں ھے (ضرور ھے)۔

انسان کی اصیل آرزؤں (Ideal) میں سے ایک آرزو جس کو قرآن نے بہت اہمیت دی ہے، وہ عدالت پر قائم نظام ہے، جس میں انسانی حقوق کسی بھی طرح کی جارحیت وتعرض سے محفوظ ہوں۔ قرآن میں قومی سلامتی (National Security) کے لئے تین بنیادی عناصر کو خطرہ اور امن و امان کے لئے آفت اور ان کو انسان کے خلاف بہت بڑا ظلم بتایا گیا ہے:

(الف) ظلم جو امن کا دشمن ہے اور جب ظلم کا راج ہوتا ہے تو خود ظالم بھی محفوظ نہیں رہتا ہے۔

(ب) دوسروں کے حقوق پر تجاوز کرنا جس کو قرآن 'تعدی' کے نام سے یاد کرتا ہے۔

(ج) فساد اور سماجی تعلقات میں خلل اندازی اور بدنظمی پیدا کرنا۔

۱۔ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (بقرہ:۱۸۹)

اور یه کوئی بھلی بات نھیں ھے که گھروں میں پچھواڑے سے (پھاندکے) آؤ بلکه نیکی اس کی ھے جو پرھیز گاری کرے اور گھروں میں (آنا ھو تو) ان کے دروازوں کی طرف سے آؤ اور خدا سے ڈرتے رھو تاکه تم مراد کو پھنچو۔

۲۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَاتَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا

فَلَاعُدْوَانَ إِلَّاعَلَى الظَّالِمِينَ (بقرہ:۱۹۳)

اور ان سے لڑتے رھو یھاں تک که فساد (باقی) نه رھے اور صرف خدا ھی کا دین رہ جائے گا پھر اگر وہ لوگ باز رھیں تو ان پر زیادتی نه کرو کیوں که ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی (اچھی) نھیں ھے۔

۳۔ وَلَاتُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا إِنَّ رَحْمَةَ اللهِ قَرِيبٌ مِنَ الْمُحْسِنِينَ (اعراف:۵۶)

اور زمین میں اصلاح کے بعد فساد نه کرتے پھرو اور عذاب کے خوف سے اور (رحمت کی) آس لگا کے خدا سے دعائیں مانگو۔ (کیونکه) نیکی کرنے والوں سے خدا کی رحمت یقیناً قریب ھے۔

۴۔ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللهِ يَسِيرًا (نساء:۳۰)

اور جو شخص جور و ظلم سے ناحق ایسا کرے گا (خود کشی کرے گا) تو (یاد رھے که) ھم بھت جلد اس کو (جھنم کی آگ) میں جھونک دینگے۔ اور یه خدا کے لئے آسان ھے۔

۵۔ إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ

خِلاَفٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الْأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ (مائدہ:۳۳)

جو لوگ خدا اور اس کے رسولؐ سے لڑتے بھڑتے ھیں (اور احکام کو) نھیں مانتے ھیں اور فساد پھیلانے کی غرض سے ملکوں دوڑتے پھرتے ھیں ان کی سزا بس یھی ھے کہ (چن چن کر) یا تو مار ڈالے جائیں یا انھیں سولی دیدیجائے یا ان کے ھاتھ پاؤں ھیر پھیر کے کاٹ ڈالے جائیں یا انھیں (اپنے وطن کی) سرزمین سے شھر بدر کر دیا جائے۔یہ رسوائی تو ان کی دنیا میں ھوئی اور پھر آخرت میں تو ان کے لئے بھت بڑا عذاب ھے۔

۶۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلاَتَعْتَدُوا إِنَّ اللهَ لاَيُحِبُّ الْمُعْتَدِين (بقرہ:۱۹۰)

اور جو لوگ تم سے لڑیں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو اور زیادتی نہ کرو (کیونکہ) خدا زیادتی کرنے والوں کو ھرگز دوست نھیں رکھتا ھے۔

اسلام میں جنگ دوطرح کی ہوتی ہے:۱) دفاعی جنگ جس میں مسلمان دشمنوں کے حملے کے مقابلے میں اپنا دفاع کرتے تھے۔پیغمبر اسلامؐ کے زمانے کی بہت ساری جنگیں اسی قسم کی تھیں۔ ۲) آزادی دلانے والی جنگیں جو ایک سماج کے عوام کو ظلم وستم سے نجات دلانے اور ان لوگوں کو کچلنے کے لئے انجام دی جاتی ہے جو اسلام کے پیغام اور قوانین کو عوام کی سماعتوں تک پہنچنے

میں مانع ہوتے تھے۔جیسے فتح مکہ۔

پیغمبر اسلامؐ کے دور میں دوطرح کے جنگی طریقے رائج تھے۔ایک جنگ وفرار کا طریقہ جو عربوں اور بربریوں میں رائج تھا۔اور دوسرا مورچہ بندی کا طریقہ تھا جو ایرانی اور رومی لوگ استعمال کرتے تھے۔مسلمان بھی موخر الذکر طریقے کو جو بہتر اور زیادہ کارگر تھا،استعمال کرتے تھے۔چنانچہ قرآن میں بھی اس طریقے کی تائید ہوئی ہے۔

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنيَانٌ مَرْصُوص (صف:۴)

خدا تو ان لوگوں سے الفت رکھتا ھے جو اس کی راہ میں اسی طرح پرا باندھ کے لڑتے ھیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ھوئی دیواریں ھیں۔

قرآن میں جھگڑالو کفر اور دشمنی پیدا کرنے والی برائیوں سے جہاد اور اللہ کی راہ میں جنگ کو ایک مقدس اور اعلیٰ فریضے کے طور پر پہچنوایا ہے۔مسلمانوں کی جذباتی تحریک اور راہ خدا میں جانفشانی کرنے پر مسلمانوں کے اعتقاد وایمان کو بڑھانے کے لئے،اللہ تعالیٰ نے جہاد اور جنگ کی فضیلت کو بعض آیتوں میں بیان فرمایا ہے:

۱۔ وَلاَتَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لاَتَشْعُرُون (بقرہ:۱۵۴)

اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے ھیں انھیں کبھی مردہ نہ کھنا بلکہ (وہ لوگ) زندہ ھیں مگر تم (ان کی زندگی کی حقیقت کا) کچھ بھی شعور نھیں رکھتے۔

۲۔ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا (نساء:۷۴)

پس جو لوگ دنیا کی زندگی آخرت کے واسطے دے ڈالنے کو موجود ھیں ان کو خدا کی راہ میں جہاد کرنا چاھئے اور جس نے خدا کی راہ میں جہاد کیا پھر شہید ھوا تو گویا غالب آیا تو ھم اس کو عنقریب ھی بڑا اجر عطا کریں گے۔

۳۔ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ لاَتُكَلَّفُ إِلاَّ نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ (نساء:۸۴)

پس (اے رسول) تم خدا کی راہ میں جہاد کرو اور تم اپنی ذات کے سوا اور کسی کے ذمہ دار نھیں ھو اور ایمان داروں کو جہاد کی ترغیب دو۔

۴۔ لاَيَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ عَلَى الْقَاعِدِينَ دَرَجَةً وَكُلاًّ وَعَدَ اللهُ الْحُسْنَى وَفَضَّلَ اللهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (نساء:۹۵)

معذور لوگوں کے سوا (جہاد سے منه چھپا کے) گھر میں بیٹھنے والے اور خدا کی راہ میں اپنے مال و جان سے جہاد

کرنے والوں کو گھر بیٹھ رھنے والوں پر خدا نے درجه کے اعتبار سے بڑی فضیلت دی ھے۔ خدا نے سب ایمان داروں سے (خواہ جہاد کریں یا نه کریں) بھلائی کا وعدہ کر لیا ھے۔ مگر غازیوں کو خانه نشینوں پر عظیم ثواب کے اعتبار سے خدا نے بڑی فضیلت دی ھے۔

۵۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَنَصَرُوا أُوْلَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (انفال:۷۴)

اور جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ھجرت کی اور خدا کی راہ میں لڑے بھڑے اور جن لوگوں نے (ایسے نازک موقع پر مہاجرین کو) جگه دی اور ان کی ھر طرح کی خبر گیری کی۔ یھی لوگ سچے ایمان دار ھیں۔ انھی کے واسطے مغفرت اور عزت و آبرو والی روزی ھے۔

۶۔ أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللهِ لاَيَسْتَوُونَ عِنْدَ اللهِ وَاللهُ لاَيَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (۱۹) الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ (۲۰) يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُقِيمٌ (۲۱) خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (توبہ:۱۹۔۲۲)

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کی سقائی اور مسجد الحرام کی آبادی کو اس شخص کے ھمسر بنادیاھے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان لایا اور خدا کی راہ میں جھاد کیا ۔خدا کے نزدیک تو یہ لوگ برابر نھیں ھیں اور خدا ظالم لوگوں کی ھدایت نھیں کرتا ھے۔جن لوگوں نے ایمان قبول کیاھے اور خدا کے لئے ھجرت اختیار کی اور اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جھاد کیا وہ لوگ خدا کے نزدیک درجہ میں کھیں بڑھ کر ھیں ۔اور یھی لوگ اعلیٰ درجے پر فائز ھونے والے ھیں۔ان کا پروردگار ان کو اپنی مھربانی اور خوشنودی اور ایسے باغوں کی خوشخبری دیتاھے جس میں ان کے لئے دائمی عیش و آرام ھوگا۔

۷۔قُلْ هَلْ تَتَرَبَّصُونَ بِنَا إِلاَّ إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ (توبہ:۵۲)

(اے رسول) تم (منافقوں سے) کھه دو کہ تم ھمارے واسطے (فتح یا شھادت) دو بھلائیوں میں سے ایک کے منتظر ھو۔

۸۔إِنَّ اللہ اشْتَرَى مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللہ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ وَمَنْ أَوْفَى بِعَهْدِهِ مِنَ اللہ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (توبہ:۱۱۱)

اس میں تو شک نھیں کہ کہ خدا نے مومنین سے ان کی جانیں اور ان کے مال اس بات پر خرید لئے ھیں کہ (ان کی قیمت) ان کے لئے بھشت ھے (اسی وجہ سے) یہ لوگ خدا کی راہ میں لڑتے ھیں تو (کفار کو) مارتے ھیں اور (خود بھی) مارے جاتے ھیں۔(یہ) پکا وعدہ ھے (جس کا پورا کرنا) خدا پر لازم ھے (اور ایسا پکا ھے کہ) توریت اور انجیل اور قرآن (سب) میں (لکھا ھوا) ھے۔اور اپنے عھد کو پورا خدا سے بڑھ کر اور کون کرے گا۔تم تو اپنی (خریدو) فروخت سے جو تم نے خدا سے کی ھے خوشیاں مناؤ یھی تو بڑی کامیابی ھے۔

۹۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَإِنَّ اللہ لَمَعَ الْمُحْسِنِينَ (عنکبوت:۶۹)

اور جن لوگوں نے ھماری راہ میں جھاد کیا انھیں ھم ضرور اپنی راہ کی ھدایت کریں گے اور اس میں شک نھیں کہ خدا نیکوکاروں کا ساتھی ھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت کی ہے جو سستی کرتے ہیں اور جہاد پر عقیدہ نہیں رکھتے ہیں:

۱۔لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللہ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَن يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ وَاللہ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ (۴۴) إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللہ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي

رَیْبِھِمْ یَتَرَدَّدُونَ (توبہ:۴۴۔۴۵)

(اے رسول) جو لوگ (دل سے) خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ھیں وہ تو اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے جہاد نہ کرنے کی مانگنے کے نہیں۔بلکہ وہ خود جائیں گے اور خدا پرھیز گاروں سے خوب واقف ھے۔(پیچھے رہ جانے کی اجازت) تو بس وھی لوگ مانگیں گے جو خدا اور روز آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل (طرح طرح کے) شک کررھے ھیں تو وہ اپنے شک میں ڈانوانڈول ھورھے ھیں۔

۲۔ وَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ أَنْ آمِنُوا بِاللهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَکَ أُوْلُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْقَاعِدِينَ (۸۶) رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لاَيَفْقَهُونَ (توبہ:۸۶۔۸۷)

اور جب کوئی سورہ اس بارے میں نازل ھوا کہ خدا کو مانو اور اس کے رسول کے ساتھ (جاکر) جہاد کرو تو جو ان میں سے دولت والے ھیں وہ تم سے اجازت مانگتے ھیں اور کھتے ھیں کہ ھمیں (یھیں) چھوڑ دیجئے کہ ھم بھی (گھر) بیٹھنے والوں کے ساتھ (بیٹھے) رھیں۔یہ اس بات سے خوش ھیں کہ پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھ رھیں اور ان کے دل پر مہر کر دی گئی ھے تو یہ کچھ نہیں سمجھتے ھیں۔

۳۔ وَلاَتَھِنُوا فِی ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللهِ مَا لاَيَرْجُونَ (نساء:۱۰۴)

اور دشمنوں کے پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو اگر لڑائی میں تم کو تکلیف پھنچتی ھے تو جیسی تم کو تکلیف پھنچتی ھے ،ان کو بھی ویسی ھی اذیت ھوتی ھے اور (تم کو یہ بھی تقویت ھے کہ) تم خدا سے وہ امیدیں رکھتے ھو جو ان کو نصیب نہیں ھے۔

۴۔ یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا فَلاَتُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ (۱۵) وَمَنْ يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلاَّ مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (انفال:۱۵۔۱۶)

اے ایمان دارو!جب تم سے کفار سے میدان جنگ میں مقابلہ ھو تو خبردار ان کی طرف پیٹھ نہ پھیرنا اور (یاد رھے) اس شخص کے سوا جو لڑائی کے واسطے کترائے یا کسی جماعت کے پاس (جاکر) موقع پائے اور جو شخص بھی اس دن ان کفار کی طرف اپنی پیٹھ پھیریگا وہ یقینی خدا کے غضب میں آگیا اور اس کا ٹھکانا جھنم ھی ھے اور وہ (کیا) برا ٹھکانا ھے۔

۵۔یَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انفِرُوا فِی سَبِيلِ اللهِ

اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ فَمَا مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ (۳۸) إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا (توبہ:۳۸-۳۹)

اے ایماندارو! تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ خدا کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو تم لدھڑ ہو کے زمین کی طرف جھکے پڑتے ہو۔ کیا تم آخرت کی بہ نسبت دنیا کی (چند روزہ) زندگی کو پسند کرتے ہو۔ (تو سمجھ لو کہ) دنیاوی زندگی کا ساز و سامان آخرت کے (عیش و آرام کے) مقابلے میں بہت ہی تھوڑا ہے اگر (اب بھی) تم نہ نکلو گے تو خدا تم پر دردناک عذاب نازل فرمائے گا۔

۶۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلَافَ رَسُولِ اللّٰهِ وَكَرِهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ (توبہ:۸۱)

(جنگ تبوک میں) رسول خداؐ کے پیچھے رہ جانیوالے اپنی جگہ بیٹھ رہنے (اور جہاد میں نہ جانے) سے خوش ہوئے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے خدا کی راہ میں جہاد کرنا ان کو مکروہ معلوم ہوا اور کہنے لگے (اس) گرمی میں (گھر سے) نہ نکلو۔ (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ

جہنم کی آگ اس سے کہیں زیادہ گرم ہے۔ اگر وہ کچھ سمجھیں۔

۷۔ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ (توبہ:۹۳)

سبیل تو صرف انہی لوگوں پر ہے جنھوں نے باوجود مالدار ہونے کے تم سے (جہاد میں نہ جانے کی) اجازت چاہی اور ان کو پیچھے رہ جانے والے (عورتوں، بچوں) کے ساتھ رہنا پسند آیا۔ اور خدا نے ان کے دلوں پر گویا مہر کر دی تو یہ لوگ کچھ نہیں جانتے۔

۸۔ وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ لَا يُوَلُّونَ الْأَدْبَارَ وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُولًا (۱۵) قُلْ لَنْ يَنْفَعَكُمُ الْفِرَارُ إِنْ فَرَرْتُمْ مِنَ الْمَوْتِ أَوِ الْقَتْلِ وَإِذًا لَا تُمَتَّعُونَ إِلَّا قَلِيلًا (احزاب:۱۵-۱۶)

حالانکہ ان لوگوں نے پہلے ہی سے خدا سے عہد کیا تھا کہ ہم (دشمن کے مقابلے میں اپنی) پیٹھ نہ پھیریں گے۔ اور خدا کے عہد کی پوچھ گچھ تو ایک نہ ایک دن ہو کر رہے گی (اے رسولؐ ان سے) کہہ دو کہ اگر تم موت یا قتل (کے خوف) سے بھاگے بھی تو یہ بھاگنا تمھیں ہرگز کچھ بھی مفید نہ ہوگا اور اگر تم بھاگ کر بچ بھی گئے تو بس یہی نہ کہ دنیا میں چند روز اور چین کر لو۔

۹۔ سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ بِكُمْ ضَرًّا أَوْ أَرَادَ بِكُمْ نَفْعًا بَلْ كَانَ اللهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا (۱۱) بَلْ ظَنَنْتُمْ أَنْ لَنْ يَنْقَلِبَ الرَّسُولُ وَالْمُؤْمِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ أَبَدًا وَزُيِّنَ ذَلِكَ فِي قُلُوبِكُمْ وَظَنَنْتُمْ ظَنَّ السَّوْءِ وَكُنْتُمْ قَوْمًا بُورًا (فتح:۱۱-۱۲)

جو گنوار دیہاتی (حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے اب وہ تم سے کہیں گے کہ ھم کو ھمارے مال اور لڑکے بالوں نے روک رکھا۔ تو آپ ھمارے واسطے (خدا سے) مغفرت کی دعا مانگئے۔ یہ لوگ اپنی زبان سے ایسی باتیں کہتے ھیں جو ان کے دلوں میں نہیں ھے (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ اگر خدا تم لوگوں کو نقصان پہنچانا چاھے یا تمھیں فائدہ پہنچانے کا ارادہ کرے تو خدا کے مقابلے میں تمہارے لئے کس کا بس چل سکتا ھے بلکہ جو کچھ تم کرتے ھو خدا اس سے خوب واقف ھے۔ (یہ فقط تمہارے حیلے ھیں)، بات یہ ھے کہ تم یہ سب سمجھے بیٹھے تھے کہ رسولؐ اور مومنین ھرگز کبھی اپنے لڑکے بالوں میں پلٹ کر آنے ھی کے نہیں۔ اور یہی بات تمہارے دلوں میں گھپ گئی تھی اور اسی وجہ سے تم طرح طرح کی بدگمانیاں کرنے لگے تھے اور آخر کار تم لوگ آپ برباد ھوئے۔

اللہ تعالیٰ رضا کار فوجوں (Militia)، جنگی تیاری اور جنگی ساز و سامان اکٹھا کرنے کے سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا (نساء:۷۱)

اے ایمان لانے والو (جہاد کے وقت) اپنی حفاظت (کے ذرایع) اچھی طرح دیکھ بھال لو پھر (تمھیں اختیار ھے) خواہ دستہ دستہ نکلو یا سب کے سب اکٹھے ھو کر نکل کھڑے ھو۔

۲۔ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللهِ وَعَدُوَّكُم (انفال:۶۰)

اور (مسلمانو) ان کفار کے (مقابلے کے) واسطے جہاں جہاں تک تم سے ھو سکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بندھے ھوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرو۔ اس سے خدا کے دشمن اور اپنے دشمن پر اپنی دھاک بٹھا لو گے۔

۳۔ وَأَنْزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللهُ مَنْ يَنْصُرُهُ وَرُسُلَهُ بِالْغَيْبِ (حدید:۲۵)

ھم ھی نے لوھے کو نازل کیا جس کے ذریعے سے سخت لڑائی اور لوگوں کے بہت سے نفع (کی باتیں) ھیں اور تا کہ خدا دیکھ لے کہ بے دیکھے بھالے خدا اور اس کے

رسولوں کی مدد کون کرتاھے۔

۴۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ وَعَسَى أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَكُمْ وَاللهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لاتَعْلَمُونَ (بقرہ:۲۱۶)

(مسلمانو) تم پر جھاد فرض کیا گیا اگرچہ تم پر شاق ضرور ھے اور عجب نھیں کہ تم کسی چیز (جھاد) کو ناپسند کرو حالانکہ وہ تمھارے حق میں بھتر ھو اور عجب نھیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمھارے حق میں بری ھو اور خداتو جانتا ھی ھے مگر تم نھیں جانتے ھو۔

اسلام میں جنگ صرف خاص موقعوں پر جائز ٹھرائی گئی ہے، کیونکہ کفار سے جنگ کے سلسلے میں بعض آیتیں بلا قید وشرط اور مطلق طور پر بیان کرتی ہیں:

۱۔ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (بقرہ:۲۴۴)

اور (مسلمانو) خدا کی راہ میں جھاد کرو اور یاد رکھو کہ خدا ضرور (سب کچھ) سنتا اور جانتاھے۔

۲۔ فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ (نساء:۸۴)

تم خدا کی راہ میں جھاد کرو۔

۳۔ قَاتِلُوا الَّذِينَ لايُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَلابِالْيَوْمِ الآخِرِ وَلايُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللهُ وَرَسُولُهُ وَلايَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ (توبہ:۲۹)

اھل کتاب میں سے جو لوگ نہ تو (دل سے) خدا ھی پر ایمان رکھتے ھیں اور نہ روز آخرت پر اور نہ خدا اور اس کے رسول کی حرام کی ھوئی چیزوں کو حرام سمجھتے ھیں اور نہ سچے دین ھی کو اختیار کرتے ھیں۔ ان لوگوں سے لڑے جاؤ یھاں تک کہ وہ لوگ ذلیل ھو کر (اپنے) ھاتھ سے جزیہ دیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے دوسری آیتوں میں جنگ کو خاص وجھوں کی بنا پر جائز قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں مفکرین مانتی ہیں کہ مطلق آیات کو مقید آیات پر محمول کرنا چاہئے۔(۱) لہٰذا قرآن میں جنگ کی شرعی جواز کی دلیلیں یہ ہیں:

۱۔ أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ (۳۹) الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ إِلاَّ أَنْ يَقُولُوا رَبُّنَا اللهُ وَلَوْلادَفْعُ اللهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللهِ كَثِيرًا (حج:۳۹۔۴۰)

جن (مسلمانو) سے (کفار) لڑا کرتے تھے چونکہ وہ بھت ستائے گئے اس وجہ سے انھیں بھی جھاد کی اجازت دیدی گئی اور خدا تو ان لوگوں کی مدد پر یقیناً قادر و توانا ھے۔ یہ وہ مظلوم ھیں جو صرف اتنی بات کھنے پر کہ ھمارا پروردگار خدا ھے ناحق اپنے اپنے گھروں سے نکال دئے گئے

اور اگر خدا لوگوں کو ایک کو دوسرے سے دفع
نہ کرتا رہتا تو گرجے اور یھودیوں کے عبادت خانے اور
مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ھے کب کے
کب ڈھادیے گئے ہوتے۔

۲۔وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ

(۱) خلیل خلیلیان، ایضاً، ص ۳۹۰۔

فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لاَأَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنتَهُونَ (۱۲)
أَلاَتُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ
بَدَئُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ (توبہ:۱۲۔۱۳)

اور اگر یہ لوگ عھد کر چکنے کے بعد اپنی قسمیں توڑ ڈالیں اور تمھارے
دین میں تم کو طعنہ دیں تو تم کفر کے سربراوردہ لوگوں سے خوب لڑائی کرو۔ان
کی قسموں کا ھرگز کوئی اعتبار نھیں تا کہ یہ لوگ اپنی
شرارت سے باز آئیں (مسلمانو) بھلا تم ان لوگوں سے کیوں
نھیں لڑتے جنھوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسولؐ کا
نکال باھر کرنا (اپنے دل میں) ٹھان لیا تھا۔اور تم سے پھلے
پھل چھیڑ بھی انھی لوگوں نے شروع کی تھی۔

۳۔وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً (توبہ:۳۶)

اور مشرکین جس طرح تم سے سب کے سب مل کر
لڑتے ھیں تم بھی اسی طرح سب کے سب مل کر ان سے لڑو۔

۴۔وَلاَيَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
أَنْ تَعْتَدُوا (مائدہ:۲)

اور کسی قبیلے کی یہ عداوت کہ تمھیں ان لوگوں نے
خانہ کعبہ میں جانے سے روکا تھا اس جرم میں نہ پھنسوائے کہ
تم ان پر زیادتی کرنے لگو۔

۵۔لاَيَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ
لِلتَّقْوَى (مائدہ:۸)

اور تمھیں کسی قبیلے کی عداوت اس جرم میں نہ
پھنسوادے کہ تم ناانصافی کرنے لگو۔بلکہ تم (ھر حال میں)
انصاف کرو۔یھی پرھیزگاری سے بھت قریب ھے۔

قرآن مجید میں جنگ کے مقاصد اس طرح بیان ہوئے ہیں:

۱۔لاَيَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَى أَلاَّ تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ
لِلتَّقْوَى (مائدہ:۸)

اور تمھیں کسی قبیلے کی عداوت اس جرم میں نہ
پھنسوادے کہ تم ناانصافی کرنے لگو۔بلکہ تم (ھر حال میں)
انصاف کرو۔یھی پرھیزگاری سے بھت قریب ھے۔

۲۔وَالْحُرُمَاتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ
بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ (بقرہ:۱۹۴)

سب حرمت والی چیزیں ایک دوسرے کے برابر

ھیں پس جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ھے ویسی ھی زیادتی تم بھی اس پر کرو۔

۳۔ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ (نساء:۷۴)

پس جو لوگ دنیا کی زندگی (جان تک) آخرت کے واسطے دے ڈالنے کو موجود ھیں ان کو راہ خدا میں جہاد کرنا چاھئے۔

۴۔ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا (نساء:۷۵)

(اور مسلمانو) تم کو کیا ھو گیا ھے کہ خدا کی راہ میں اور ان کمزور اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں (کو کفار کے پنجے سے چھڑانے) کے واسطے جہاد نھیں کرتے جو (حالت مجبوری میں) خدا سے دعا مانگ رھے ھیں کہ اے ھمارے پالنے والے کسی طرح اس بستی (مکہ) سے جس کے باشندے بڑے ظالم ھیں ھمیں نکال۔

۵۔ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ (نساء:۷۶)

ایمان والے تو خدا کی راہ میں لڑتے ھیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے مرتے ھیں پس مسلمانوں تم شیطان کے ھوا خواھوں سے لڑو۔

۶۔ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ (انفال:۳۹)

مسلمانو کافروں سے لڑے جاؤ یھاں تک کہ کوئی فساد (باقی نہ) رھے اور خدا کا دین ھی دین ھو جائے۔

۷۔ وَإِنِ اسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ (انفال:۷۲)

اور دینی امر میں تم سے مدد کے خواھاں ھوں تو تم پر (ان کی) مدد کرنی لازم و واجب ھے۔

اللہ تعالیٰ جارحیت کرنے والے مسلمانوں کے بارے ارشاد فرماتا ہے:

۱۔ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّى تَفِيءَ إِلَى أَمْرِ اللهِ (حجرات:۹)

اور اگر مومنین میں سے دو فرقے آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں میں صلح کرا دو۔ پھر اگر ان میں سے ایک (فریق) دوسرے پر زیادتی کرے تو جو فرقہ زیادتی کرے تم (بھی) اس سے لڑو یھاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے۔

۲۔ فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى

عَلَیکُم (بقرہ:۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی ھے ویسی ھی زیادتی تم بھی اس پر کرو۔

۳۔وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِين (نحل:۱۲۶)

اور اگر مخالفین کے ساتھ سختی کرو بھی تو ویسی ھی سختی کرو جیسی سختی ان لوگوں نے تم پر کی تھی۔اور اگر تم صبر کرو تو صبر صبر کرنے والوں کے واسطے بھتر ھے۔

۴۔ ذٰلِکَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهِ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنصُرَنَّهُ اللهُ (حج:۶۰)

اور جو شخص (اپنے دشمن کو) اتنا ھی ستائے جتنا یہ اس کے ھاتھوں سے ستایا گیا تھا اس کے بعد پھر اس پر زیادتی کی جائے تو خدا اس (مظلوم) کی ضرور مدد کرے گا۔

۵۔وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ إِنَّهُ لاَيُحِبُّ الظَّالِمِينَ (۴۰) وَلَمَنِ انتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُوْلَئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ (۴۱) إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُوْلَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (۴۲) وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَلِكَ لَمِنْ عَزْمِ

الْأُمُورِ (شوریٰ:۴۰-۴۱-۴۲-۴۳)

اور برائی کا بدلہ تو ویسی ھی برائی ھے۔اس پر بھی جو شخص معاف کر دے اور اصلاح کر دے تو اس کا ثواب خدا کے ذمہ ھے۔بے شک وہ ظالموں کو دوست نھیں رکھتا ھے اور جس پر ظلم ھوا ھو اگر وہ اس کے بعد انتقام لے تو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نھیں ھے۔الزام تو بس انھیں لوگوں پر ھو گا جو لوگوں پر ظلم کرتے ھیں اور روئے زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے پھرتے ھیں۔ان ھی لوگوں کے لئے دردناک عذاب ھے اور جو صبر کرے اور قصور معاف کر دے تو بے شک یہ بڑے حوصلہ کے کام ھیں۔

۶۔وَإِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللهَ لاَيُحِبُّ الْخَائِنِينَ (انفال:۵۸)

اور اگر تمھیں کسی قوم کی خیانت کا خوف ھو تو تم بھی برابر ان کا عھد ان کی طرف پھینک مارو۔خدا ھرگز دغابازوں کو دوست نھیں رکھتا ھے۔

جنگ جو حرام مہینوں (رجب، ذیقعدہ اور محرم) کے دوران حرام اور منع ہے کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔يَسأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (بقرہ:۲۱۷)

(اے رسولؐ) تم سے لوگ حرمت والے مهینوں کی نسبت پوچھتے هیں که آیا جهاد ان میں جائز هے تو تم انهیں جواب دو که ان مهینوں میں جهاد بڑا گناه هے اور (یه بهی یاد رهے) که خدا کی راه سے روکنا اور خدا سے انکار اور مسجد الحرام سے روکنا۔۔۔۔۔۔

۲۔ فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُم (توبہ:۵)

اور پهر جب حرمت کے مهینے گزرجائیں تو مشرکوں کو جهاں پاؤ قتل کردو۔

مکان جنگ کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلاَتُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَالْمَسْجِدِالْحَرَامِ حَتَى يُقَاتِلُوكُمْ فِيه (بقرہ:۱۹۱)

اور جب تک وه لوگ مسجد حرام کے پاس تم سے نه لڑیں تم بهی ان سے اس جگه نه لڑو۔

جنگ میں تعداد کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لاَيَفْقَهُونَ (۶۵) الْآنَ خَفَّفَ االلهُ عَنكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا مِائَتَيْنِ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ االلهِ وَااللهُ مَعَ الصَّابِرِين

(انفال:۶۵۔۶۶)

اے رسول مومنین کو جهاد کے واسطے آماده کرو اگر تم لوگوں میں سے ثابت قدم رهنے والے بیس بهی هوں گے تو دو سو (کافروں) پر غالب آجائیں گے۔اور اگر تم لوگوں میں سے ایسے سو هوں گے تو هزار کافروں پر غالب آجائیں گے۔اس سبب سے که یه لوگ ناسمجھ هیں اب خدا نے تم سے (اپنے حکم کی سختی میں) تخفیف کردی اور دیکھ لیا که تم میں یقیناً کمزوری هے۔تو اگر تم لوگوں میں سے ثابت قدم رهنے والے سو هوں گے تو دو سو (کافروں) پر غالب رهیں گے اور اگر تم لوگوں میں سے (ایسے) ایک هزار هونگے تو خدا کے حکم سے دو هزار (کافروں) پر غالب رهیں گے۔اور (جنگ کی تکلیفوں کو) جهیل جانے والوں کا خدا ساتهی هے۔

جنگ کی کیفیت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔فَمَنِ اعْتَدَى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا االلهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ االلهَ مَعَ الْمُتَقِينَ (بقرہ:۱۹۴)

جو شخص تم پر زیادتی کرے تو جیسی زیادتی اس نے تم پر کی هے ویسی هی زیادتی تم بهی اس پر کرو اور خدا سے ڈرتے رهو اور خوب سمجھ لو که خدا پرهیزگاروں کا ساتهی هے۔

۲۔ یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَکُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِیعًا (نساء:۷۱)

اے ایمان لانے والو! (جہاد کے وقت) اپنی حفاظت (کے ذرایع) اچھی طرح دیکھ بھال لو پھر (تمھیں اختیار ہے) خواہ دستہ دستہ نکلو یا سب کے سب اکٹھے ہو کر نکل کھڑے ہو۔

۳۔ وَدَّ الَّذِینَ کَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِکُمْ وَأَمْتِعَتِکُمْ فَیَمِیلُونَ عَلَیْکُمْ مَیْلَةً وَاحِدَةً وَلاَجُنَاحَ عَلَیْکُمْ إِنْ کَانَ بِکُمْ أَذًی مِنْ مَطَرٍ أَوْ کُنتُمْ مَرْضَی أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَکُمْ وَخُذُوا حِذْرَکُمْ (نساء:۱۰۲)

کفار تو یہ چاہتے ہی ہیں کہ کاش اپنے ہتھیاروں اور اپنے ساز و سامان سے ذرا سی غفلت کرو تو ایک بارگی سب کے سب تم پر ٹوٹ پڑیں۔ البتہ اس میں کچھ مضایقہ نہیں کہ (اتفاقاً) تم کو بارش کے سبب سے کچھ تکلیف پہنچے یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار (نماز میں) اتار کے رکھ دو اور اپنی حفاظت کرتے رہو۔

۴۔ یَاأَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا إِذَا لَقِیتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیرًا لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُونَ (۴۵) وَأَطِیعُوا اللّٰہَ وَرَسُولَہُ وَلاَتَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْھَبَ رِیحُکُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِینَ (انفال:۴۵-۴۶)

اے ایماندارو! جب تم کسی فوج سے مدبھیڑ کرو تو

خبردار اپنے قدم جمائے رہو اور خدا کو بہت یاد کرتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اور خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ تم ہمت ہار دو گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی اور (جنگ کی تکلیف کو) جھیل جاؤ کیونکہ خدا تو یقیناً صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔

۵۔ وَلاَتَکُونُوا کَالَّذِینَ خَرَجُوا مِنْ دِیَارِھِمْ بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَیَصُدُّونَ عَنْ سَبِیلِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ بِمَا یَعْمَلُونَ مُحِیطٌ (۴۷) وَإِذْ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطَانُ أَعْمَالَھُمْ وَقَالَ لاَغَالِبَ لَکُمُ الْیَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّی جَارٌ لَکُمْ فَلَمَّا تَرَائَتِ الْفِئَتَانِ نَکَصَ عَلَی عَقِبَیْہِ وَقَالَ إِنِّی بَرِیئٌ مِنْکُمْ (انفال:۴۷-۴۸)

اور ان لوگوں کے ایسے نہ ہو جاؤ جو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلانے کے واسطے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی وہ لوگ کرتے ہیں خدا اس پر احاطہ کئے ہوئے ہے اور جب شیطان نے ان کی کارستانیوں کو عمدہ کر دکھلایا اور ان کے کان میں پھونک دیا کہ لوگوں میں آج کوئی ایسا نہیں جو تم پر غالب آسکے اور میں تمہارا مددگار ہوں ہی پھر جب دونوں لشکر مقابل ہوئے تو اپنے الٹے پاؤں بھاگ نکلا اور کہنے لگا کہ میں تو تم سے الگ ہوں۔

۶۔ وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ (انفال:۶۰)

اور (مسلمانو) ان کفار کے (مقابلے کے) واسطے جہاں تک تم سے ہوسکے (اپنے بازو کے) زور سے اور بندھے ہوئے گھوڑوں سے (لڑائی کا) سامان مہیا کرو۔

۷۔ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللهُ هُوَ الَّذِي أَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ (۶۲) وَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ (انفال:۶۲-۶۳)

اور اگر وہ لوگ تمہیں فریب دینا چاہتے ہیں تو (کچھ پروا نہیں) خدا تو تمہارے واسطے یقینی کافی ہے۔ وہی تو وہ (خدا) ہے جس نے اپنی خاص مدد اور مومنین سے تمہاری تائید کی اور اسی نے مسلمانوں کے دلوں میں باہم ایسی الفت پیدا کر دی کہ اگر تم جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب خرچ کرڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت پیدا نہ کرسکتے۔

۸۔ انفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللهِ (توبہ:۴۱)

مسلمانو! تم ہلکے پھلکے ہو یا بھاری بھرکم (مسلح) بہر حال جب تم کو حکم دیا جائے تو فوراً چل کھڑے ہو اور اپنی جانوں سے اور اپنے مالوں سے خدا کی راہ

میں جہاد کرو۔

۹۔ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِنْهُمْ طَائِفَةٌ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ (توبہ:۱۲۲)

اور یہ بھی مناسب نہیں کہ کل کے کل (اپنے گھروں سے) نکل کھڑے ہوں۔ ان میں سے ہر گروہ کی ایک جماعت (اپنے گھروں سے) کیوں نہیں نکلتی تاکہ علم دین حاصل کرے اور جب اپنی قوم کی طرف پلٹ کے آوے تو ان کو (عذاب آخرت سے) ڈرائے تاکہ یہ لوگ ڈریں۔

۱۰۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُمْ مِنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوا فِيكُمْ غِلْظَةً (توبہ:۱۲۳)

اے ایماندارو! کفار میں سے جو لوگ تمہارے آس پاس کے ہیں ان سے لڑو اور (اس طرح لڑنا) چاہئے کہ وہ تم لوگ سے کرارا پن محسوس کریں۔

۱۱۔ فَإِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْخَنْتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً حَتَّى تَضَعَ الْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ذَلِكَ وَلَوْ يَشَاءُ اللهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ وَالَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللهِ فَلَنْ يُضِلَّ أَعْمَالَهُمْ (محمد:۴)

تو جب تم کافروں سے بھڑو تو (ان کی) گردنیں مارو

یهاں تک که جب تم انهیں زخموں سے چور کر ڈالو تو ان کی مشکیں کس لو پهر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چهوڑدے یا معاوضه لے(کر رها کر)نا ،یهاں تک که (دشمن)لڑائی کے هتهیار رکھ دیں اور اگر خدا چاهتا تو (اور طرح) ان سے بدله لے لیتا ۔اگر اس نے چاها که تمهاری آزمایش ایک دوسرے سے (لڑوا کر) کرے اور جو لوگ خدا کی راه میں شهید کئے گئے ان کی کارگزاریوں کو الله هرگز اکارت نه کریگا۔

بعض جنگی قوانین

جنگ سے مستثنیٰ افراد:

لَيۡسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلاَعَلَى الۡمَرۡضَى وَلاَعَلَى الَّذِينَ لاَيَجِدُونَ مَا يُنفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الۡمُحۡسِنِينَ مِنۡ سَبِيلٍ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۹۱) وَلاَعَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوۡكَ لِتَحۡمِلَهُمۡ قُلۡتَ لاَأَجِدُ مَا أَحۡمِلُكُمۡ عَلَيۡهِ تَوَلَّوا وَأَعۡيُنُهُمۡ تَفِيضُ مِنَ الدَّمۡعِ حَزَنًا أَلاَّيَجِدُوا مَايُنفِقُونَ (توبه:۹۱۔۹۲)

(اے رسول جهاد میں نه جانے کا)نه تو کمزوروں پر کچھ گناه هے نه بیماروں پر اور نه ان لوگوں پر جو کچھ نهیں پاتے که خرچ کریں ۔به شرطی که یه لوگ خدا اور اس کے رسولؐ کی خیرخواهی کریں۔نیکی کرنے والوں پر کوئی سبیل نهیں هے اور خدا بڑا بخشنے والا مهربان هے۔اور نه انهیں لوگوں پر کوئی الزام هے جو تمهارے پاس آئے که تم ان کے لئے سواری بهم پهنچادو اور تم نے کها که میرے پاس تو کوئی سواری موجود نهیں هے که تم کو اس پر سوار کروں تو وه لوگ (مجبوراً) پهر گئے اور حسرت و افسوس سے اس غم میں که ان کو خرچ میسر نه آیا ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تهے۔

لَيۡسَ عَلَى الۡأَعۡمَى حَرَجٌ وَلاَعَلَى الۡأَعۡرَجِ حَرَجٌ وَلاَعَلَى الۡمَرِيضِ حَرَجٌ وَمَنۡ يُطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ يُدۡخِلۡهُ جَنَّاتٍ تَجۡرِي مِنۡ

تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَنْ يَتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا أَلِيمًا (فتح:۱۷)

(جهاد سے پیچھے رہ جانے کا) نہ تو اندھے ھی پر کچھ گناہ ھے اور نہ لنگڑے پر گناہ ھے اور نہ بیمار پر گناہ ھے ۔اور جو شخص خدا اور اس کے رسول کا حکم مانے گا تو وہ اس کو (بھشت کے) ان سدا بھار باغوں میں داخل کریگا جن کے نیچے نھریں جاری ھونگی اور جو سرتابی کریگا وہ اس کو دردناک عذاب کی سزا دیگا۔

دوران جنگ نماز پڑھنے کی کیفیت (نماز خوف):

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلاَةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُم (نساء:۱۰۲)

(اے رسول) جب تم مسلمانوں میں موجود ھو اور (لڑائی ھو رھی ھو کہ) تم ان کو نماز پڑھانے لگو تو (دو گروہ کر کے ایک کو لڑائی کے واسطے چھوڑ دو اور) ان میں سے ایک جماعت تمھارے ساتھ نماز پڑھے اور اپنے حربے اور ھتھیار اپنے ساتھ لئے رھے پھر جب (پھلی رکعت کے) سجدے کر کے دوسری رکعت جلدی فرادیٰ پڑھ لیں تو تمھارے پیچھے پشت پناہ بنیں اور دوسری جماعت جو

(لڑ رھی تھی اور) اب تک نماز نھیں پڑھنے پائی ھے آئے اور (تمھاری دوسری رکعت میں) تمھارے ساتھ نماز پڑھنے اور اپنی حفاظت کی چیزیں اور ھتھیار (نماز میں ساتھ) لئے رھیں۔

سرحدوں کی حفاظت:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُون (آل عمران:۲۰۰)

اے ایماندارو ! (دین کی تکلیفوں کو) جھیل جاؤ اور دوسروں کو برداشت کی تعلیم دو اور (جهاد کے لئے) کمریں کس لو اور خدا ھی سے ڈرو تاکہ تم اپنی دلی مرادیں پاؤ۔

فیء:

فیء وہ مال ہے جو بغیر جنگ اور خونریزی کے مسلمانوں کے ہاتھ لگتا ہے۔

وَمَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا أَوْجَفْتُمْ عَلَيْهِ مِنْ خَيْلٍ وَلاَرِكَابٍ وَلَكِنَّ اللهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ عَلَى مَنْ يَشَاءُ وَاللهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (٦) مَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْ أَهْلِ الْقُرَى فَلِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِى الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ (حشر:۶-۷)

جو مال خدانے اپنے رسولؐ کو ان لوگوں سے بے لڑے دلوادیا اس میں تمھارا حق نھیں کیونکه تم نے اس کے لئے کچھ دوڑ دھوپ تو کی نھیں نه گھوڑوں سے اور نه اونٹوں سے مگر خدا اپنے پیغمبروں کو جس پر چاھتا ھے غلبه عطا فرماتاھے۔اور خداھر چیز پر قادرھے۔تو جو مال خدانے اپنے رسول کو دیھات والوں سے بے لڑے دلوادیاھے وہ خاص خدا اور رسول اور(رسول کے) قرابتداروں اور یتیموں اور محتاجوں اور پردیسیوں کاھے۔

مال غنیمت:

غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو جنگ کے دوران حاصل ہوتا ہے۔جیسے وہ اموال غنیمت جو دوسری عالمی جنگ کے بعد، فاتح مما لک کے ہاتھ آئے۔روس نے جرمنی کے کارخانے اور امریکا نے انسانی طاقت اور مفکرین کوغنیمت میں لے لیا۔دوسری طرف یہ مال غنیمت، فاتح مما لک کے لئے معاوضے کی بھی حیثیت رکھتے ہیں۔معاوضہ وہ تاوان ہے جو فاتح مما لک، ہارے ہوئے ملکوں سے جنگ سے پہلے یا جنگ کے زمانے میں ان کی غلطیوں اور بے انصافیوں کے لئے مطالبہ کرتے ہیں۔(۱) قرآن مجید میں بہت سی آیتیں اس سلسلے میں موجود ہیں:

(۱) جک سی۔پلینو، روی آلتون، ایضاً، ص ۲۰۷۔

۱۔یَسأَلُونَکَ عَنِ الْأَنْفَالِ قُلِ الْأَنْفَالُ لِلّٰہِ وَالرَّسُولِ (انفال:۱)

(اے رسول) تم سے لوگ انفال کے بارے میں پوچھا

کرتے ھیں تو تم کھه دو که انفال مخصوص خدا اور رسول کے واسطے ھے۔

۲۔فَکُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلاَلاً طَیِّبًا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ (انفال:۶۹)

اب تم نے جو مال غنیمت سے حاصل کیا ھے اسے کھاؤ (وہ تمھارے لئے) حلال و طیب ھے اور خدا سے ڈرتے رھو۔

۳۔وَإِنْ فَاتَکُمْ شَیْئٌ مِنْ أَزْوَاجِکُمْ إِلَی الْکُفَّارِ فَعَاقَبْتُمْ فَآتُوا الَّذِینَ ذَھَبَتْ أَزْوَاجُھُمْ مِثْلَ مَا أَنفَقُوا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِی أَنْتُمْ بِہِ مُؤْمِنُونَ (ممتحنہ:۱۱)

اور اگر تمھاری بی بیوں میں سے کوئی عورت تمھارے ھاتھ سے نکل کر کافروں کے پاس چلی جائے (اور خرچ نه ملے) اور تم (ان کافروں سے) لڑو اور لوٹو تو (مال غنیمت سے) جن کی عورتیں چلی گئی ھیں ان کو اتنا دو جتنا ان کا خرچ ھوا ھے۔اور جس خدا پر تم لوگ ایمان لائے اس سے ڈرتے رھو۔

۴۔وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیْئٍ فَأَنَّ لِلّٰہِ خُمُسَہُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِی الْقُرْبَی وَالْیَتَامَی وَالْمَسَاکِینِ وَابْنِ السَّبِیلِ (انفال:۴۱)

اور جان لو که جو کچھ تم (مال لڑ کر) لوٹو تو ان میں پانچواں حصه مخصوص خدا اور رسول اور (رسول کے)

قرابتداروں اوریتیموں اور مسکینوں اور پردیسیوں کاھے۔

جنگی قیدی:

جنگ میں سے کسی ایک فریق کے فرد کو جو دوسرے فریق کے ذریعے پکڑ کر قید کیا جاتا ہے ،جنگی قیدی کہتے ہیں۔سنہ ۱۹۲۹ کے کنونشن میں پہلی بار جنگی قیدیوں سے شایستہ برتاؤ کے سلسلے میں قانون بنایا گیا۔اورژنو کے ۱۹۴۹ء کے کنونشن (ریڈ کراس) نے جنگی قیدیوں،معلولین،زخمیوں اورشہریوں کی حمایت کے سلسلے میں قوانین کو زمانے کے حالات سے منطبق کیا۔(۱) عالمی ریڈ کراس نے بین الاقوامی منظرنامے پر،مختلف میدانوں میں ،خاص کر کے جنگی قیدیوں سے برتاؤ کے سلسلے میں بہت اچھے قدم اٹھائے ہیں۔چنانچہ اس کے فرائض میں ایک فرض دوستانہ انسانی حقوق کی ضمانت لینے کی غرض سے جنگی قیدیوں سے ملاقات بھی ہے۔اس کمیٹی نے خلیجی جنگوں کے بعد،سنہ ۱۹۶۷ءاور ۱۹۷۳ء کے بیچ میں ،جنگی قیدیوں کے تبادلے کے سلسلے میں بہت اچھے کام انجام دئے۔(۲) جب کہ اللہ تعالیٰ نے ساتویں صدی عیسوی میں قرآن میں جنگی قیدیوں سے خاطر خواہ انسانی اورشایستہ سلوک کے سلسلے میں ارشاد فرماتا ہے:

۱۔مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُونَ لَهُ أَسْرَى حَتَّى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَ اللهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ (انفال:۶۷)

کوئی نبی جب تک که روئے زمین پر (کافروں کا)

(۱) جک سی۔پلینو،روی آلتون،ایضاً،ص ۲۶۴۔

(۲) ملکم شاو،ایضاً،ص ۴۹۶۔

خون نه بهائے اس کے یهاں قیدیوں کا رهنا مناسب نهیں هے۔تم لوگ تو دنیا کے ساز و سامان کے خواهاں هو اور خدا

(تمهارے لئے) آخرت (کی بهلائی) کا خواهاں هے۔

۲۔يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَى إِنْ يَعْلَمِ اللهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (۷۰) وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ وَ اللهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (انفال:۷۰-۷۱)

اے رسول جو قیدی تمهارے قبضے میں هیں ان سے کهه دو که اگر خدا تمهارے دلوں میں نیکی دیکھے گا تو جو (مال) تم سے چهین لیا گیا هے اس سے کهیں بهتر تمهیں عطا فرمائے گا اور تمهیں بخش بهی دیگا اور خدا تو بڑا بخشنے والا مهربان هے۔اور اگر یه لوگ تم سے فریب کرنا چاهتے هیں تو خدا سے پهلے فریب کر چکے هیں تو (اس کی سزا میں) خدا نے ان پر تمهیں قابو دیدیا اور خدا تو بڑا واقف کار اور حکمت والا هے۔

۳۔ فَإِذا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا فَضَرْبَ الرِّقَابِ حَتَّى إِذَا أَثْخَنتُمُوهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ فَإِمَّا مَنًّا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَاءً (محمد:۴)

تو جب تم کافروں سے بهیڑو تو (ان کی) گردنیں مارو یهاں تک که جب تم انهیں زخموں سے چور کر ڈالو تو ان کی مشکیں کس لو پهر اس کے بعد یا تو احسان رکھ کر چهوڑ دو یا معاوضه لے (کر رها کر) نا۔

پناہ گزینی (Refugee)

اس شخص کو جو اپنے ملک یا اپنی جائے سکونت ملک سے باہر کر دیا جاتا ہے یا بھاگ جاتا ہے، پناہ گزین کہتے ہیں۔(۱) مذہبی یا سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے تحت تعقیب فرد کو سیاسی پناہ دینا، حکومتوں کے دائرۂ اختیار میں ہے۔ کسی فرد کو پناہ گزینی کا کوئی حق نہیں ہے وہ صرف پناہ گزینی کی درخواست کر سکتا ہے۔ اگر اس کی درخواست قبول ہوتی ہے تو وہ اس سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔(۲) ۱۹۲۱ء میں جامعہ ملل (Leage of Nations) کے ذریعے پناہ گزینوں کی اعلیٰ کمشنری Commisory بننے کے بعد سے پناہ گزینوں کی مدد کے لئے وسیع اقدامات شروع ہوئے۔(۳)

اقوام متحدہ کی مجلس عامہ نے ۱۵ دسمبر ۱۹۴۶ء کے قرارداد کی بنیاد پر پناہ گزینوں کے لئے ایک بین الاقوامی ادارہ بنانے کو منظور کیا۔ اور ۱۹۵۱ء میں پناہ گزینوں کے لئے اقوام متحدہ کے ہائی کمشنری (High Commisionary for Refugees)، نے اس کی جگہ لے لی۔ اقوام متحدہ نے ۲۸ جولائی ۱۹۵۱ء میں تام الاختیار حمایت کے لئے مجلس عامہ کی قرارداد کے بعد، پناہ گزینی سے متعلق کنونشن کو منظور کیا۔ یہ کنونشن ۲۲ اپریل ۱۹۵۴ء سے لازم الاجرا ہوگیا۔ اسی طرح اس سلسلے

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۲۵۵۔

(۲) ہوشنگ مقتدر، ایضاً ص ۵۵۔۵۶۔

(۳) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، ایضاً ص ۲۵۶۔

میں ۳۱ جنوری ۱۹۶۷ء میں اکثر حکومتوں کے ذریعے ایک پروٹوکول منظور ہوا۔(۱) دوسروں کو پناہ دینا ایک دوستانہ برتاؤ ہے، جس کے سلسلے میں قرآن میں ارشاد ہوتا ہے:

۱۔ وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ أَبْلِغْهُ مَأْمَنَهُ (توبہ:۶)

اور (اے رسولؐ) اگر مشرکین میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے تو اس کو پناہ دو یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سن لے پھر اسے اس کے امن کی جگہ واپس پہنچادو۔

پیغمبر اسلامؐ نے اپنے ساتھیوں کے جان و مال کی حفاظت کے لئے، سنہ پانچ بعثت (۶۱۵ء) میں ان کو مکہ سے ہجرت کرنے اور حبشہ میں پناہ گزین ہونے کا حکم دیا:

۲۔ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ (نحل:۴۱)

اور جن لوگوں نے (کفار کے) ظلم پر ظلم سہنے کے بعد خدا کی خوشی کے لئے (گھر بار چھوڑا) ہجرت کی ہم ان کو ضرور دنیا میں بھی اچھی جگہ نچلا بٹھائیں گے اور آخرت کی جزا تو اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

۳۔ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا وَقُتِلُوا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ

(۱) رضا موسیٰ زادہ، ایضاً ص ۹۴

عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ (آل عمران:۱۹۵)

جو لوگ (ہمارے لئے) وطن آوارہ ہوئے اور شہر

بدر کئے گئے اور انھوں نے ھماری راہ میں اذیتیں اٹھائیں اور (کفار سے) جنگ کی اور شھید ھوئے ھیں ان کی برائیوں سے ضرور در گزر کرونگا اور انھیں بھشت کے ان باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نھریں جاری ھیں۔خدا کے ھاں یہ ان کے کئے کا بدلہ ھے اور خدا کے یہاں تو اچھا ھی بدلہ ھے۔

۴۔إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أُوْلَئِکَ يَرْجُونَ رَحْمَةَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ (بقرہ:۲۱۸)

بے شک جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور خدا کی راہ میں ھجرت کی اور جھاد کیا،یھی لوگ رحمت خدا کے امیدوار ھیں اور خدا بڑا بخشنے والا مھربان ھے۔

۵۔ إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلاَئِکَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ کُنتُمْ قَالُوا کُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَکُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا فَأُوْلَئِکَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَائَتْ مَصِيرًا (۹۷) إِلاَّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لاَيَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلاَيَهْتَدُونَ سَبِيلًا (۹۸) فَأُوْلَئِکَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَکَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا (۹۹) وَمَنْ يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا کَثِيرًا وَسَعَةً وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِکْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَکَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَحِيمًا (نساء:۹۷۔۱۰۰)

بے شک جن لوگوں کی قبض روح فرشتوں نے اس

وقت کی ھے کہ (دار الحرب میں پڑے) اپنی جانوں پر ظلم کررھے تھے تو فرشتے قبض روح کے بعد حیرت سے کھتے ھیں تم کس (حالت) غفلت میں تھے۔تو وہ کھتے ھیں کہ ھم تو روئے زمین میں بے کس تھے تو فرشتے کھتے ھیں کہ خدا کی (ایسی لمبی چوڑی) زمین میں اتنی بھی گنجایش نہ تھی کہ تم (کھیں) ھجرت کر کے چلے جاتے۔پس ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جھنم ھے اور وہ برا ٹھکانہ ھے ،مگر جو مرد اور عورتیں اور بچے اس قدر بے بس ھیں کہ نہ تو (دار الحرب سے نکلنے کی) کوئی تدبیر کر سکتے ھیں نہ ان کو اپنی رھائی کی کوئی راہ دکھائی دیتی ھے تو امید ھے کہ خدا ایسے لوگوں سے در گزر کرے۔اور خدا تو بڑا معاف کرنے والا بخشنے والا ھے۔اور جو شخص خدا کی راہ میں ھجرت کرے گا تو وہ روئے زمین میں بافراغت بھت سے گشادہ مقام پائے گا اور جو شخص اپنے گھر سے جلا وطن ھو کر خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف نکل کھڑا ھوا پھر اسے (منزل مقصود پھنچنے سے پھلے) موت آجائے تو خدا پر اس کا ثواب لازم ھو گیا اور خدا تو بڑا بخشنے والا ھے۔

دوسرا اصول: ایفائے عھد

معاہدہ کے ذریعے کئے گئے عہد کی پابندی لازمی ہوتی ہے۔قرآن کریم مختلف آیتوں میں معاہدہ کرنے والوں کو معاہدوں کے دفعات کی رعایت کرنے کا حکم دیتا ہے:

۱۔وَالْمُوفُونَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوا۔۔۔۔۔أُوْلَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (بقرہ:۱۷۷)

اور جب کوئی عہد کیا تو اپنے قول کے پورے ہیں۔۔۔۔۔یہی لوگ وہ ہیں جو سچے نکلے اور یہی لوگ پرہیز گار ہیں۔

۲۔يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ (مائدہ:۱)

اے ایماندارو! اقراروں کو پورا کرو۔

۳۔وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا (بنی اسرائیل:۳۴)

اور عہد کو پورا کرو کیونکہ (قیامت میں) عہد کی ضرور پوچھ گچھ ہوگی۔

۴۔الَّذِينَ يُوفُونَ بِعَهْدِ اللهِ وَلاَيَنقُضُونَ الْمِيثَاقَ (رعد:۲۰)

(یہ) وہ لوگ ہیں کہ خدا سے جو عہد کیا اسے پورا کرتے ہیں اور اپنے پیمان کو نہیں توڑتے۔

۵۔وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (مومنون:۸)

اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا لحاظ رکھتے ہیں۔

۶۔فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ وَلاَتَتَّخِذُوا

مِنْهُمْ وَلِيًّا وَلاَنَصِيرًا (۸۹) إِلاَّ الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ (نساء:۸۹۔۹۰)

پھر اگر وہ اس سے بھی منہ موڑیں تو انہیں گرفتار کرو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کردو اور ان میں سے کسی کو نہ اپنا دوست بناؤ نہ مددگار مگر جو لوگ کسی ایسی قوم سے جا ملے ہوں کہ تم میں اور ان میں صلح کا عہد و پیمان ہو چکا ہو۔

۷۔إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لاَيُؤْمِنُونَ (۵۵) الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مَرَّةٍ وَهُمْ لاَيَتَّقُونَ (انفال:۵۵۔۵۶)

اس میں شک نہیں کہ خدا کے نزدیک جانوروں میں کفار سب سے بدتر ہیں تو (باوجود اس کے) پھر ایمان نہیں لاتے۔(اے رسولؐ) جن لوگوں سے تم نے عہد و پیمان کیا تھا پھر وہ لوگ اپنے عہد کو ہر بار توڑے ڈالتے ہیں اور پھر خدا سے نہیں ڈرتے۔

۸۔ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ إِلاَّ عَلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ (انفال:۷۳)

اور دینی امر میں تم سے مدد کے خواہاں ہوں تو تم پر ان کی مدد کرنی لازم و واجب ہے۔مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں نہیں جن میں اور تم میں باہم صلح کا عہد و پیمان ہے۔

۹۔بَرَائَۃٌ مِنَ اللہِ وَرَسُولِہِ إِلَی الَّذِینَ عَاھَدتُّم مِنَ الْمُشْرِکِینَ (۱)
فَسِیحُوا فِی الْأَرْضِ أَرْبَعَۃَ أَشْھُرٍ (توبہ:۱۔۲)

(اے مسلمانو) جن مشرکوں سے تم لوگوں نے صلح کا) عھد و پیمان کیا تھا اب خدا اور اس کے رسول ؐ کی طرف سے ان سے ایک دم بیزاری ھے، تو اے مشرکو! بس تم چار مھینے روئے زمین پر سیر و سیاحت کر لو۔

۱۰۔ إِلاَّ الَّذِینَ عَاھَدتُّم مِنَ الْمُشْرِکِینَ ثُمَّ لَمْ یَنقُصُوکُمْ شَیْئًا وَلَمْ
یُظَاھِرُوا عَلَیْکُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَیْھِمْ عَھْدَھُمْ إِلَی مُدَّتِھِمْ إِنَّ اللہَ
یُحِبُّ الْمُتَّقِینَ (توبہ:۴)

مگر (ھاں) جن مشرکوں سے تم نے عھد و پیمان کیا تھا پھر ان لوگوں نے کبھی کچھ تم سے (وفاء عھد میں) کمی نھیں کی اور نہ تمھارے مقابلہ میں کسی کی مدد کی تو ان کے عھد و پیمان کو جتنی مدت کے واسطے مقرر کیا ھے پورا کر دو۔ خدا پرھیزگاروں کو حقیقتاً دوست رکھتا ھے۔

۱۱۔ کَیْفَ یَکُونُ لِلْمُشْرِکِینَ عَھْدٌ عِنْدَ اللہِ وَعِنْدَ رَسُولِہِ إِلاَّ الَّذِینَ
عَاھَدْتُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَکُمْ فَاسْتَقِیمُوا لَھُمْ
إِنَّ اللہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِینَ (۷) کَیْفَ وَإِنْ یَظْھَرُوا عَلَیْکُمْ لاَیَرْقُبُوا
فِیکُمْ إِلًّا وَلاَذِمَّۃً یُرْضُونَکُمْ بِأَفْوَاھِھِمْ وَتَأْبَی قُلُوبُھُمْ وَأَکْثَرُھُمْ
فَاسِقُونَ (۸) اشْتَرَوْا بِآیَاتِ اللہِ ثَمَنًا قَلِیلاً فَصَدُّوا عَنْ سَبِیلِہِ إِنَّھُمْ
سَاءَ مَا کَانُوا یَعْمَلُونَ (توبہ:۷۔۸۔۹)

(جب) مشرکین (نے خود عھد شکنی کی تو ان) کا کوئی عھد و پیمان خدا کے نزدیک اور اس کے رسول ؐ کے نزدیک کیوں کر قایم رہ سکتا ھے۔ مگر جن لوگوں سے تم نے خانہ کعبہ کے پاس معاھدہ کیا تھا تو وہ لوگ (اپنا عھد و پیمان) تم سے قایم رکھنا چاھیں تو تم بھی ان سے (اپنا عھد) قائم رکھو۔ بے شک خدا (بدعھدی سے) پرھیز کرنے والوں کو دوست رکھتا ھے۔ (ان کا عھد) کیوں کر (رہ سکتا ھے) جب (ان کی یہ حالت ھے) کہ اگر تم پر غلبہ پا جائیں تو تمھارے بارے میں نہ تو رشتہ ناتے ھی کا لحاظ کریں گے اور نہ اپنے قول و قرار کا۔ یہ لوگ تمھیں اپنی زبانی (جمع خرچ سے) خوش کر دیتے ھیں حالانکہ ان کے دل نھیں مانتے اور ان میں کے بھتیرے تو بد چلن ھیں۔ اور ان لوگوں نے خدا کی آیتوں کے بدلے تھوڑی سی قیمت حاصل کر کے (لوگوں کو) اس کی راہ سے روک دیا۔ بے شک یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے تھے بھت ھی برا ھے۔

۱۲۔ إِنَّ الَّذِینَ یُبَایِعُونَکَ إِنَّمَا یُبَایِعُونَ اللہَ یَدُ اللہِ فَوْقَ أَیْدِیھِمْ
فَمَنْ نَکَثَ فَإِنَّمَا یَنْکُثُ عَلَی نَفْسِہِ وَمَنْ أَوْفَی بِمَا عَاھَدَ عَلَیْہُ اللہَ
فَسَیُؤْتِیہِ أَجْرًا عَظِیمًا (فتح:۱۰)

بے شک جو لوگ تم سے بیعت کرتے ھیں وہ خدا ھی سے بیعت کرتے ھیں۔ خدا کی قوت و قدرت تو سب کی قوت

پر غالب ھے تو جو عھد کو توڑے گا تو اپنے نقصان کے لئے عھد توڑتا ھے اور جس نے اس بات کو جس کا اس نے خدا سے عھد کیا ھے پورا کیا تو عنقریب ھی ھم اسے اجر عظیم عطا فرمائیں گے۔

۱۳۔ لَقَدْ رَضِيَ اللهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا (فتح:۱۸)

جس وقت مومنین تم سے درخت کے نیچے (لڑنے مرنے) کی بیعت کررھے تھے تو خدا ان سے (اس بات پر) ضرور خوش ھوا۔غرض جو کچھ ان کے دلوں میں تھا خدا اسے دیکھ لیا پھر ان پر تسلی نازل فرمائی اور انھیں اس کے عوض میں بھت جلد فتح عنایت کی۔

بین الاقوامی حقوق میں بھی ایفائے عہد کا اصول ایک قانونی بنیاد ہے جس کے اساس پر، دستخط کرنے والے ممالک کے بیچ قرارداد Contracts لازم الاجرا معاہدوں میں بدل جاتے ہیں۔اس کے بموجب عالمی سماج کے ہر رکن کی ذمہ داری اور فرض بنتا ہے کہ اپنے معاہدوں کا احترام اوراس پر عملدرآمد کرے۔(۱)

اقوام متحدہ کے منشور کے دفعہ نمبر ۲ کے شق نمبر ۲ کے بموجب، رکن حکومتوں کا یہ فرض ہے کہ منشور کی بنیاد پر اپنے ذمہ داریوں پر نیک نیتی کے ساتھ عملدرآمد کریں۔حقیقت میں یہ اصول ایفائے عہد کے عام قاعدے کا بیان ہے۔(۲) پیغمبر اسلامؐ فرماتے ہیں: جو شخص خدا اور دوسری دنیا

پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہئے کہ اپنے وعدہ کو وفا کرے۔(۳)

اسلام میں ایفائے عہد صرف مسلمانوں کے سماجی تعلقات تک محدود نہیں ہے، بلکہ ان کو چاہئے کہ غیروں اور کافروں کے ساتھ بھی اس اصول کی رعایت کریں۔چنانچہ حضرت محمدؐ فرماتے ہیں: تین چیزیں ایسی ہیں جنہیں چھوڑنے کی اجازت کسی کو نہیں ہے: ماں باپ سے چاہے مسلمان ہوں یا کافر اچھا برتاؤ، ایفائے عہد چاہے مسلمان سے ہو یا کافر سے۔امانت کا لوٹانا چاہے مسلمان کی ہو یا کافر کی۔(۴)

حضرت علیؑ بھی اس سلسلے میں مالک اشتر کو یوں حکم دیتے ہیں:

وَاِنْ عَقَدْتَ بَيْنَكَ وَبَينَ عَدُوِّكَ عُقْدَةً, اَوْاَلبَسْتهُ مِنكَ ذِمَّة, فَحُط

-

(۱) جک سی۔پلینو، روی آلتون، ایضاً، ص ۳۴۸ اور ۳۴۹۔

(۲) ہوشنگ مقتدر، **ایضاً**، ص ۳۲۲۔

(۳) شیخ کلینی، **اصول کافی**، ج چہارم، محمد باقر کمرہ ای (تہران: انتشارات اسوہ، ۱۳۷۹)، باب خلف الوعد، حدیث نمبر ۲۔

(۴) ابوالقاسم پایندہ، **نہج الفصاحۃ**، ج بیستم، (تہران، انتشارات جاویدان، ۱۳۶۶) شمارہ ۱۲۶۴۔

عَهدَكَ بِالوَفاء, وَ اَرْعَ ذِمَّتَكَ بالامَانةِ, وَ اجْعَلَ نَفْسَكَ جُنّة دُونَ مَا اَعطيتَ, فَاِنّهُ لَيسَ مِنْ فَرائِضَ اللهِ شَيئٌ النّاسُ اَشَدُّ عَليهِ اِجتِماعاً, مَعَ تَفَرُّق اهوَائِهم, وَتَشَتُّتِ آرائِهم, مِن تَعظِيمِ الْوَفا بِالعُهودِ۔

اب اگر تمھارے اور دشمن کے درمیان کوئی معاھدہ منعقد ھو، یا اسے اپنی پناہ میں امان دی تو اپنے وعدے کے

پابند رہو۔اور جو کچھ اپنے ذمے لیا ھے اس کے لئے امانت
دار رہو اور اپنی جان کو اپنے عهد کا سپر بنادو, کیونکہ کوئی
بھی الٰھی فریضہ ایفائے عهد کی طرح نہیں ھے، جس کے بارے
میں پوری دنیا کے لوگ ,افکار و تمایلات میں موجود تمام
اختلافات کے باوجود ,اتفاق نظر رکھتے ھیں۔(۱)

معاہدے (Contract)

حکومتوں کے درمیان تعاون، قومی مفادات اور بین الاقوامی امن کے حصول کے لئے ہوتا ہے جو معاہدات اور Contracts کے ذریعے انجام پاتا ہے۔ یہ تعاون، سیاسی اقتصادی، تہذیبی ۔۔۔ کے میدان میں ہوسکتا ہے۔ چنانچہ سنہ ۱۹۶۶ ء میں بین الاقوامی تہذیبی تعاون کے اصول کا قرارداد منظور ہوا۔

بین الاقوامی منظرنامے پر، حکومتوں کے درمیان تعاون کے سلسلے میں، معاہدہ ایک اہم

(۱) نہج البلاغہ، ایضاً، خط نمبر ۵۲، ص ۵۸۶ سے ۵۸۹ تک۔

ذریعہ ہے اور یہ وہ واحد وسیلہ ہے جس کے ذریعے حکومتیں رضا کارانہ اور شعوری طور پر لازم الاجرا قواعد کو بناتے ہیں۔ معاہدہ، بین الاقوامی حقوق میں ترمیم واعتدال کا ایک ذریعہ ہے۔(۱)

مختلف موضوعات میں معاہدات، اشخاص یا بین الاقوامی حقوق کی پابندی کرنے والوں کے درمیان کسی بھی طرح کا تحریری اتفاق ہوتا ہے، جو بین الاقوامی حقوق کے تحت مرتب ہوتا ہے اور حکومتوں کی مرضی اور ارادے کا نتیجہ ہوتا ہے۔(۲) مثال کے طور پر بین الاقوامی حقوق کمیشن (I.L.C.) جو اقوام متحدہ کے منشور کے دفعہ نمبر ۱۳ کے شق نمبر ۱ کے بموجب، بین الاقوامی حقوق کی تدوین اور فروغ کا ذمہ دار ہے اور زیر بحث تمام موضوعات کو معاہدے کے ذریعے منظور

کرواتا ہے۔ معاہدے دو طرح کے ہوتے ہیں:

۱۔ قانونی معاہدے جو عام طور چند فریقی ہوتے ہیں اور بین الاقوامی قانون بنانے کے لئے زمین فراہم کرتے ہیں اور قانون ساز ہیں۔ جیسے جامعہ ملل (Leage of Nations) کا میثاق، اقوام متحدہ کا منشور، جنگی حقوق کے سلسلے میں چار نکاتی ژنو کا عہد نامہ سن (۱۹۴۹ء)، ۱۹۶۱ء اور ۱۹۶۳ء میں سفارتی تعلقات کے سلسلے میں وین کا معاہدہ، ۱۹۶۹ء میں معاہدات کے حقوق کے سلسلے میں وین (Vienna) کا عہد نامہ، ۱۹۸۲ء دریاؤں کے حقوق کے سلسلے میں میں معاہدہ اور عالمی بین الاقوامی اداروں کے اساسنامے۔

۲۔ دو یا چند فریقی معاہدے جو حقیقت میں بعض معین اور محدود قانونی سرگرمیوں کو پورا کرتے ہیں۔ ان کا مقصد، معاہدہ بند حکومتوں کے خاص مفادات کا حصول ہے۔ جیسے ایران، ترکی اور پاکستان کے مابین سنتو کا سیاسی، دفاعی معاہدہ اور یورپ کی اقتصادی یونین کی تشکیل کے لئے

(۱) ہوشنگ مقتدر، ایضاً، ص ۲۳۔

(۲) محمد رضا ضیائی بیگد لی، ایضاً، ص ۹۷

روم کا معاہدہ۔(۱۹۵۷ء)(۱) معاہدے چار مرحلوں میں انجام پاتے ہیں: مذاکرہ، خط وکتابت، دستخط، توثیق۔(۲) اسلامی حقوق، عام طور پر، معاہدے کو ایک طرح کا عقد جانتا ہے جو مشروع اور قانونی نتایج کے لئے، کسی مسئلے پر اتفاق سے حاصل ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں، الٰہی معاہدوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جس میں خدا کے نام سے اور اسلامی قانون کے بنیاد پر طے پانے والے تمام معاہدے شامل ہیں۔ اسلام کی نظر میں بین الاقوامی معاہدوں کو تحریری صورت میں ہونا چاہئے اور ان کی زبان اہم نہیں ہے۔ ہاں امن پسندی اور حسن تفاہم کے محرک کے جواب میں، بین الاقوامی معاہدے ہر طرح سے مفید اور لازم سمجھے جاتے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ کے حیات کے بھی کچھ

معاہدے تاریخ میں ثبت ہیں:

۱۔ مدینے کے منشور کے ذریعے اہل کتاب سے معاہدہ کیا گیا اور امن سے ایک ساتھ رہنے کی اصل پر مہر توثیق ثبت فرمائی۔

۲۔ پیغمبر اسلامؐ نے صلح حدیبیہ میں قریش کے مشرکوں سے دوستی اور تعاون کا معاہدہ کیا۔

۳۔ پیغمبر اسلامؐ نے نجران کے عیسائیوں سے دائمی صلح کی۔

۴۔ پیغمبر اسلامؐ نے بیعت رضوان میں اپنے اصحاب سے تعاون اور حمایت کے پچھلے معاہدوں کو مضبوط کیا اور ایفائے عہد کا معاہدہ کیا۔

۵۔ آنحضرتؐ نے بنی غفار اور بنی ضمرہ جیسے مشرک عرب قبائل سے مشترکہ فوجی دفاع کے لئے مذاکرہ اور معاہدہ کیا۔

(۱) ہوشنگ مقتدر، ایضاً، ص ۲۳۔/ محمد رضا ضیائی بیگد لی، ایضاً، ص ۱۰۰ و ۱۲۱۔ / رضا موسی زادہ، ایضاً ص ۱۴۰ و ۱۴۱/ دومینک، ایضاً، ص ۵۳، ۵۴۔

(۲) محمد رضا ضیائی بیگد لی، ایضاً، ص ۱۰۱۔/ رضا موسی زادہ، ایضاً ص ۱۴۳۔/ دومینک کارو، ایضاً، ص ۵۹۔

تیسرا اصول: ناوابستگی یا اعتزال (۱۔ عدم مداخلت، ۲۔ غیر جانبداری)

اسلام میں لفظ اعتزال، عدم مداخلت اور غیر جانبداری کے دو معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ عدم مداخلت:

بین الاقوامی منظر نامے میں طاقت کے استعمال اور عدم استعمال سے پیدا ہونے والے حقوق، حکومتوں کے اپنے دائرۂ حکومت میں نظم و نسق کے قیام کے حق پر کوئی اثر نہیں رکھتا ہے۔

حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعاون اور تعلقات کے سلسلے میں، اکتوبر ۱۹۷۰ء میں اقوام متحدہ کے مجلس عامہ کے ذریعے منظور کیا گیا بین الاقوامی حقوق کے اصول کے مطابق: ''کسی بھی حکومت یا حکومتوں کے گروہ کو حق نہیں ہے کہ کسی بھی وجہ سے بلا واسطہ یا بالواسطہ طریقے سے کسی ملک کے داخلی یا خارجی امور میں مداخلت کرے۔ لہٰذا فوجی مداخلت اور مداخلت کی دوسری شکلیں یا حکومت اور اس کے سیاسی، اقتصادی اور تہذیبی عناصر کے خلاف دھمکی، بین الاقوامی حقوق کو توڑنا ہے۔''

کسی حکومت کو پر تشدد طریقے سے ختم کرنے کے لئے فاسد عناصر کی کسی بھی طرح کی حمایت اور عوام کو ان کے قومی شناخت سے محروم کرنے کے لئے طاقت کے استعمال کی ممانعت، اس اصول میں شامل ہیں۔ لیکن مداخلت کے بعض قسمیں جائز ہیں:

۱۔ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق اور سلامتی کونسل کی اجازت سے کوئی اقدام۔

۲۔ جان کی حفاظت اور مداخلت کرنے والے ملک کے شہریوں اور جس ملک میں مداخلت کی گئی ہے کے شہریوں کی حمایت کے لئے انسان دوستانہ مداخلت۔

۳۔ بین الاقوامی سماج کی طرف سے، نقض امن کرنے والے یا تہدید کرنے والے یا کسی جارحانہ عمل کے مرتکب ہونے والے ملک کے خلاف اجتماعی صورت میں مداخلت۔

۴۔ متوقع فوجی حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے حسب قانون دفاع۔ (۱)

۵۔ اگر کسی معاہدے کے ذریعے مداخلت کرنے والا ملک اس طرح کا حق رکھتا ہو۔ (۲)

لیکن اگر کوئی ملک اندرونی بغاوت یا باہری حملے کے مقابلے کے لئے، کسی دوسری حکومت کی مداخلت کا خواہاں ہو تو صورت حال مختلف ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ کام مداخلت نہیں کہلاتا بلکہ حمایت میں بدل جاتا ہے۔

عدم مداخلت کا مسئلہ قرآن میں بھی بیان ہوا ہے:

۱۔ اصحاب کہف کے واقعے میں ہم پڑھتے ہیں کہ شرک اور بت پرستی کے خلاف قیام اور

تبلیغ کے بعد، انھوں نے فیصلہ کیا کہ ان کو سماج سے کنارہ کشی کر لینا چاہئے اور گمراہ افراد سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہئے -۔ یہاں پر ان کے بزرگ 'تلمیخا' نے سفارش کی کہ جاؤ اور غار کے گوشے میں آرام کرو۔

وَإِذِ اعْتَزَلْتُمُوهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ إِلاَّ اللهَ فَأْوُوا إِلَى الْكَهْفِ (کہف:۱۶)

جب تم نے ان لوگوں سے اور خدا کے سوا جن معبودوں کی یہ لوگ پرستش کرتے هیں ان سے کنارہ کشی کرلی تو چلو غار میں جا بیٹھو۔

۲۔حضرت موسیٰ کے واقعے میں بھی ہم پڑھتے ہیں کہ انھوں نے کافروں سے کہا
:اگر

میری دعوت کو قبول نہیں کرتے تو کم از کم میرے کام میں مداخلت نہ کرو۔:

-

(۱)ملکم شاو، ایضاً،ص۱۳۹۔

(۲) جک سی۔پلینو، روی آلتون، ایضاً،ص ۲۵۰۔

وَإِنْ لَمْ تُؤْمِنُوا لِي فَاعْتَزِلُونِ (دخان:۲۱)

اور اگر تم مجھ پر ایمان نهیں لائے تو مجھ سے الگ هو جاؤ۔

۳۔حضرت ابراہیم کی حالات میں ہم دیکھتے ہیں کہ تبلیغ کے بے سود ہونے کے احساس اور ان کو سنگسار کرنے کی دھمکی کے بعد، مجبوراً عدم مداخلت کے طریقے کو اپنایا اور اعلان کیا:

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللهِ (مریم:۴۸)

اور میں نے آپ کو بھی اور ان بتوں کو بھی جنھیں آپ لوگ خدا کو چھوڑ کر پوجا کرتے ھیں چھوڑا۔

۲۔غیر جانبداری:

غیر جانداری اس قانونی صورت حال کو کہتے ہیں جس کے بنیاد پر کوئی ملک کسی جنگ میں شریک نہیں ہوتا اور جنگ سے دوچار ملکوں کے سلسلے میں معین حقوق اور پابندیوں کا حامل ہوجاتا ہے۔غیر جانبداری کی سیاست ان ملکوں سے متعلق ہوتی ہے جو کسی بھی طرح کی دفاعی بلند پروازی نھیں رکھتے ہیں۔غیر جانبدار ملک کے حقوق جو جنگ سے دوچار ملکوں کی طرف سے معتبر مانے جاتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ارضی (سرحدی) تجاوزات سے محفوظ ہونا۔

۲۔غیر جانبدار ملک کی غیر جانبداری کو قبول کرنا۔

۳۔تجارتی ناکہ بندی اور پابندیوں سے محفوظ رہنا،مگر بین الاقوامی قانون کے حد تک۔

غیر جانبدار ملک کی پابندیاں اور فرائض اس طرح ہیں:

۱۔غیر جانبدار رہنا

۲۔کسی بھی فریق کی مدد نہ کرنا۔

۳۔ جنگ میں مصروف فریقین کے ذریعے اپنے ملک کی زمین کو استعمال کرنے کی اجازت نہ دینا۔

۴۔جنگ سے دوچار ممالک کو اس بات کی اجازت دینا کہ اس کی تجارت اور لین دین میں اس حد تک مداخلت کریں جتنا کہ بین الاقوامی قانون کے ذریعے طے کیا گیا ہے اور جائز مانا گیا ہے۔(۱)

قانونی نقطہ نظر سے غیر جانبدار ممالک ،اقوام متحدہ کے رکن بننے کے حقدار نہیں ہوتے ہیں، کیونکہ اقوام متحدہ کی دفعہ نمبر ۴۳:۱ میں یہ آیا ہے: ادارے کے تمام رکن ممالک اس بات کے پابند ہیں کہ عالمی نظم کے درہم برہم ہونے کی صورت میں، سلامتی کونسل کے مشورے سے اقوام متحدہ کی فوجوں کو اپنے ملک سے گزرنے کی اجازت دیں گے اور ضرورت پڑنے کی صورت میں خود بھی ان طاقتوں سے جڑ جائیں گے۔(۲)

غیر جانبداری کا مطلب صرف کھڑے کھڑے تماشہ دیکھنا نہیں ہے، بلکہ دشمنوں سے امن کے ساتھ رہنے کو بھی شامل ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سورۂ نساء آیت نمبر ۹۱ میں ارشاد فرماتا ہے:

فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأُولَئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا۔

پس اگر وہ تم سے نہ کنارہ کشی کریں اور نہ تمھیں

(۱) جک سی۔ پلینو، روی آلتون، **ایضاً**، ص ۳۴۹۔

(۲) حسین سیفی زادہ ،**مبانی و مدل ہای تصمیم گیری در سیاست خارجی**،(تہران: انتشارات وزارت امور خارجہ، ۱۳۷۵)، ص ۱۰۳۔/ **اصول روابط بین المللی** (الف و ب)، ایضاً، ص ۲۷۷

صلح کا پیغام دیں اور نہ لڑائی سے اپنے ھاتھ روکیں پس ان کو پکڑو اور جھاں پاؤ ان کو قتل کر دو اور یھی وہ لوگ ھیں جن پر ھم نے تمھیں صریحی غلبہ عطا فرمایا۔

اس آیت کا مدمقابل ،اس سے پہلے آیت نمبر ۹۰ میں بیان ہوا ہے جس میں ناوابستگی (اعتزال) کی رعایت کرنے کے سلسلے میں شدید تاکید کی گئی ہے:

إِلاَّ الَّذِينَ يَصِلُونَ إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ

حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ فَإِنِ اعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَأَلْقَوْا إِلَيْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلاً (نساء:۹۰)

مگر جو لوگ کسی ایسی قوم سے جا ملے ھوں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عھد و پیمان ھو چکا ھے یا تم سے جنگ کرنے یا اپنے قوم کے ساتھ لڑنے سے دل تنگ ھو کر تمھارے پاس آئے ھوں (تو انھیں آزار نہ پھنچاؤ) اور اگر خدا چاھتا تو ان کو تم پر غلبہ دیتا تو وہ ضرور لڑ پڑتے پس اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں اور تم سے نہ لڑیں اور تمھارے پاس صلح کا پیغام دیں تو پھر تمھارے لئے ان لوگوں پر (آزار پھنچانے کی) خدا نے کوئی سبیل نھیں نکالی۔

یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں ہے جو جنگ وجدل سے بددل اور آزردہ ہیں اور عدم مداخلت وغیر جانبداری، دونوں پالیسیوں کی بنیاد پر مسلمانوں سے جنگ نہیں کرتے ہیں۔ اس پالیسی کے تحت یہ لوگ اپنے ہم مذہبوں کا ساتھ بھی نہیں دیتے اور مسلمانوں سے بھی جنگ نہیں کرتے ہیں۔ اگر یہ لوگ مسلمانوں کے سلسلے میں غیر جانبداری کی پالیسی اختیار کرتے ہوئے، صلح کے خواہاں ہوں تو مسلمانوں کا یہ فریضہ ہے کہ ان کی اس غیر جانبداری اور صلح کے ارادے کا لحاظ کریں اور ان کے خلاف کوئی اقدام نہ کریں۔(۱)

حضرت رسول خداؐ بھی اسی حکمت عملی کا استعمال کرتے تھے۔ تبھی تو مدینے میں حکومت کی تشکیل کے بعد، مسلمانوں کی طاقت کی تحکیم (Strengthen) کے لئے بعض غیر مسلم قبیلوں خاص کر کے وہ قبیلے جو شام کے راستے میں پڑتے تھے، سے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا۔ مثلاً

سنہ دو ہجری (۶۲۴ء) میں قبیلۂ بنی ضمرہ سے معاہدہ۔اسلام میں بعض جگہوں پر ناوابستگی کی پالیسی ناجائز ہے۔مثلاً اس جگہ پر جہاں مسلمانوں یا تمام انسانوں کا جانی (Crucial) مفاد خطرے میں پڑ جائے:

۱۔ایسی جگہ جہاں اسلامی حکومت سے اپنے تعلقات کے سلسلے میں کوئی ملک غیر جانبداری کی پالیسی کو نقض اور دشمنوں کی مدد کرے اوران کو اکسائے۔جیسے پیغمبر اسلامؐ کے زمانے میں بنی قریظہ اور قریش۔اس صورت حال میں بسا اوقات، ملک اپنی سرحدوں اور مفادات کے دفاع کے لئے مقابلہ کرنے پر مجبور ہوسکتا ہے۔پیغمبر اسلامؐ نے بھی اللہ کے حکم سے، جنگ خندق کے بعد بنی قریظہ کے قلعے کا محاصرہ کیا، یہاں تک کہ ۲۵ دن کے بعد ان لوگوں نے اپنی خیانت پر فیصلے کے مشورے کو مان لیا اور قاضی نے جس کو خود بنی قریظہ نے منتخب کیا تھا، یعنی قبیلۂ اوس جو اسلام سے پہلے بنی قریظہ کے حلیف اور دوست تھے سے سعد بن معاذ نے ان کو پھانسی دینے کا فیصلہ کیا۔(۲)

(۱) خلیل خلیلیان، ایضاً ص ۲۲۸ اور ۲۲۹۔

(۲) خلیل خلیلیان، ایضاً ص ۲۲۱، ۲۲۲۔

۲۔انسان دوستی کی بنیاد پر مداخلت: اسلام انسانی فطرت کا دین ہے اور انسان کی سب سے بنیادی آرزو یعنی فکر، فیصلہ لینے اور فہم و آگاہی حاصل کرنے کی آزادی کی حمایت کرتی ہے۔انسان آزاد پیدا کیا گیا ہے۔اس کو آزاد زندگی گزارنا چاہیئے اور اس آزادی کی لازمی شرط، فکر وعقیدہ کی آزادی ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَاۤ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ (بقرہ:۲۵۶)

دین میں کسی طرح کی زبردستی نہیں کیونکہ ہدایت

گمراہی سے الگ ظاہر ہو چکی ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (اعراف:۱۷۹)

بہتیرے جنات اور آدمیوں کو جہنم کے واسطے پیدا کیا اور ان کے دل تو ہیں (مگر قصداً) ان سے سمجھتے ہی نہیں اور ان کی آنکھیں ہیں (مگر قصداً) ان سے دیکھتے نہیں ہیں اور ان کے کان ہیں (مگر) ان سے سننے کا کام ہی نہیں لیتے۔(خلاصہ) یہ لوگ گویا جانور ہیں بلکہ ان سے بھی کہیں گئے گزرے ہیں۔یہی لوگ امر حق سے بالکل بے خبر ہیں۔

یہ اسلام تھا جس نے افق کائنات کے دروازوں کو انسان کے لئے کھولا اور اس کو آزادی و نجات ونشاط وکوشش کی طرف دعوت دی، کیونکہ اس کا مقصد خدا کی پہچان اور اس کی ذات تک پہنچنے کے لئے پرسکون اور (PeacefullCo-existance) ماحولمیں علمی خیالات اور افکار کا پھیلاؤ ہے۔

اسلامی حکومت، دوسری قوموں سے تہذیبی اور فکری لین دین کے لئے ایک وسیع وعریض دروازہ کھولتی ہے نیز ضرورتوں اور مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے، ہر اس جابر سے جو اس کے تہذیبی اور عالمی مشن کی مزاحمت کرے اور یہ چاہے کہ اپنی قوم کو اس مسلّمہ انسانی حق سے محروم کردے، جنگ کرتا رہے گا۔کیونکہ تہذیبی سلسلے کو منقطع کرنا اور انسان کو آگاہ کرنے کا مقصد رکھنے والے افکار کے ملک میں داخل ہونے کی ممانعت، تمام انسانوں سے خیانت ہے۔اسی طرح انسانوں کے

ایک گروہ کو جہل و بے خبری میں رہنے دینا انسانی سماج کے لئے نقصان دہ ہے۔ اسلام اس طرح کے استبداد کے مقابلے میں، ناوابستگی کی سیاست کو ہرگز جائز نہیں ٹھہراتا ہے۔(۱)

۳۔ جکڑی ہوئی اقلیتوں کی حمایت یعنی کمزوروں اور مظلوموں کی حمایت۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَمَا لَكُمْ لاَتُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَل لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا (نساء:۷۵)

(اور مسلمانو!) تم کو کیا ہو گیا ہے کہ خدا کی راہ میں اور ان کمزور اور بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں (کفار کے پنجے سے چھڑانے) کے واسطے جہاد نہیں کرتے

(۱) خلیل خلیلیان، ایضاً ص ۲۳۲۔ ۲۳۳۔

جو (حالت مجبوری میں) خدا سے دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پالنے والے کسی طرح اس بستی (مکہ) سے جس کے باشندے بڑے ظالم ہیں ہمیں نکال اور اپنی طرف سے کسی کو ہمارا سرپرست بنا اور تو خود کسی کو اپنی طرف سے ہمارا مددگار (بنا)۔

پانچواں باب

عالمی اتحاد
اور
سالمیت

عالمی اتحاد اور سالمیت

اسلام کی کتاب ،قرآن، ایک ہمہ گیر آفاقی کتاب ہے۔زمان ومکان کے دائرہ سے آزاد، ہمیشہ رہنے والی اور مکمل کتاب۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ، پیغمبر اسلامؐ سے خطاب کرتا ہے:

۱۔وَمَاأَرْسَلْنَاکَ إِلاَّکَافَّةً لِلنَّاسِ بَشِيرًا وَنَذِيرًا (سباء:۲۸)

(اے رسولؐ) ہم نے تو تم کو تمام دنیا کے لوگوں کے

لئے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا (پیغمبر) بناکر بھیجا ہے۔

اور محمدؐ اللہ کے بھیجے ہوئے اور خاتم المرسلین ہیں:

۲۔ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِنْ رِجَالِكُمْ وَلَكِنْ رَسُولَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ (احزاب:۴۰)

(لوگو) محمدؐ تمہارے مردوں میں سے (حقیقتاً) کسی کے باپ نہیں ہیں بلکہ اللہ کے رسول اور نبیوں کی مہر ہیں۔

۳۔إِنَّ هَذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ (اسراء:۹)

اس میں شک نہیں کہ یہ قرآن اس راہ کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھی ہے۔

۴۔إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللهِ الْإِسْلَامُ (آل عمران:۱۹)

(سچا)دین تو خدا کے نزدیک یقیناً (بس یہی) اسلام ہے۔

۵۔وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ (آل عمران:۸۵)

اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی خواہش کرے تو اس کا وہ دین ہرگز قبول ہی نہ کیا جائے گا۔

قرآن کے نقطۂ نظر سے، اسلام کا قانون آفاقی، ہمہ گیر اور ابدی ہے اور اس کے پھیلانے کا فرض تمام مسلمانوں کے ذمے ہے اور اسلامی معاشرے کے تمام سیاسی سرگرمیوں کا دُر

مقصد، اسلام کی دوسرے دینوں پر حتمی فتح ہے۔

۶۔ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَكَفَى بِاللهِ شَهِيدًا (فتح:۲۸)

وہ وہی تو ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب رکھے اور گواہی کے لئے تو بس خدا ہی کافی ہے۔

۷۔ قُلْ يَاأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلاَّ نَعْبُدَ إِلاَّ اللهَ وَلاَ نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلاَ يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ (آل عمران:۶۴)

(اے رسولؐ) تم ان سے کہو کہ اے اہل کتاب تم ایسی (ٹھکانے کی) بات پر تو آجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ بنائیں اور خدا کے سوا ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا پروردگار نہ بنائے۔ پھر اگر اس سے بھی منہ موڑیں تو کہہ دو کہ تم گواہ رہنا ہم (خدا کے) فرمانبردار ہیں۔

اسلام لوگوں کو اکٹھا ہونے اور ایک دوسرے سے میل جول رکھنے اور وحدت کلمہ کی دعوت دیتا ہے اور تفرقہ، اختلاف، کنارہ کشی اور گوشہ نشینی سے منع کرتا ہے۔ چنانچہ شیخ محمد حسین کاشف الغطا فرماتے ہیں: ''اسلام دو لفظوں پر تعمیر ہوا ہے: کلمہ توحید اور توحید کلمہ۔''

اتحاد و تفرقہ —— اسلام کی رو سے

اتحاد کیا ہے؟

۱۔ وَإِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُونِ (مومنون:۵۲)

(لوگو) یہ (دین اسلام) تم سب کا مذہب ایک ہی مذہب ہے اور میں تم لوگوں کا پروردگار ہوں تو بس مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

۲۔ كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ (بقرہ:۲۱۳)

(پہلے) سب لوگ ایک ہی دین رکھتے تھے پھر (آپس میں جھگڑنے لگے تب) خدا نے (نجات سے) خوشخبری دینے والے اور (عذاب سے) ڈرانے والے پیغمبروں کو بھیجا۔

۳۔ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ (آل عمران:۱۰۳)

اور تم سب کے سب خدا کی رسی مضبوطی سے تھامے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور اپنے حال زار پر خدا

کے احسان کو تو یاد کرو جب تم آپس میں (ایک دوسرے کے) دشمن تھے تو خدا نے تمہارے دلوں میں (ایک دوسرے کی) الفت پیدا کر دی تو تم اس کے فضل سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم گویا سلگتی ہوئی آگ کی بھٹی کے لب پر (کھڑے تھے) (اور گراہی چاہتے تھے) کہ خدا نے تم کو اس سے بچالیا تو خدا اپنے احکام یوں واضح کر کے بیان کرتا ہے تا کہ تم راہ راست پر آجاؤ۔

ہاں، اللہ تعالیٰ نے انسان کو الفت و مودت کی نعمت عطا کی ہے اور قرآن میں انسانوں کو اختلاف پیدا کرنے والے عناصر اور مختلف تمایزات و اختلافات کے باوجود، ان کو ایک واحد مقصد کی سمت چلتے ہوئے، ہمرنگ و ہم شکل مجموعہ اور ایک منظم قافلہ جانتا ہے اور ان کو وسیع پیمانے پر متحد و منظم ہونے کی دعوت دیتا ہے اور اس حالت کو انسانی سماج کی سب سے پہلی کیفیت اور انسانی مستقبل کے لئے مطلوب اور معقول صورت جانتا ہے۔(۱)

(۱) عباس علی عمید زنجانی، انقلاب اسلامی و ریشہ ہای آن، ایضاً، ص ۴۲۔

۴۔ وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلاَّ أُمَّةً وَاحِدَةً فَاخْتَلَفُوا وَلَوْلاَ كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ (یونس:۱۹)

اور سب لوگ تو (پہلے) ایک ہی امت تھے پھر اختلاف کیا، اور (اے رسول) اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک بات (قیامت کا وعدہ) پہلے نہ ہو چکی

ہوتی جس میں یہ لوگ اختلاف کررہے ہیں (تو) اس کا فیصلہ ان کے درمیان (کب کا) کردیا گیا ہوتا۔

۵۔ وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلاَيَزَالُونَ مُخْتَلِفِين (۱۱۸) إِلاَّ مَنْ رَحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود:۱۱۸۔۱۱۹)

اور اگر تمہارا پروردگار چاہتا تو بے شک تمام لوگوں کو ایک ہی (قسم کی) امت بنادیتا (مگر اس نے نہ چاہا اسی وجہ سے) لوگ ہمیشہ آپس میں پھوٹ ڈالا کریں گے مگر جس پر تمہارا پروردگار رحم فرمائے اور اسی لئے تو اس نے ان لوگوں کو پیدا کیا۔

۶۔ إِنَّ هَذِهِ أُمَّتُكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً وَأَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُونِي (انبیاء:۹۲)

بے شک یہ تمہارا دین (اسلام) ایک ہی دین ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی عبادت کرو۔

ایک واحد اور مہذب معاشرے کی تشکیل کے لئے لازم ہے کہ معاشرے کے تمام افراد اپنی فطرت کے مدنظر، (سب لوگ ایک طرح کی فطری طبیعت سے بہرہ مند ہیں اور اتحاد بھی ایک فطری امر ہے) ایک دوسرے سے تعاون کریں اور طاقت ور لوگ، کمزور لوگوں کی مدد کریں اور زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے جڑ کر ایک متحد اور اٹوٹ معاشرے کو وجود میں لائیں۔

اللہ کی بندگی کی دعوت دینا، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی اور اس وسیع و عریض دنیا میں

اسلام کا تعارف کرانا ہم مسلمانوں کا فریضہ ہے۔ اسی لئے امام خمینیؒ انقلاب کے برآمد کرنے کی حکمت عملی کے سلسلے میں مانتے ہیں کہ: ''اسلام وہ دین ہے جو تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے نہ کہ صرف مسلمانوں کے لئے، اور عالمی اسلامی حکومت، اس جامع و مکمل دین کا اہم مقصد ہے۔''
(۱) اسلامی نظام سیاسی نقطہ نظر سے، ولایت الٰہی اور اقدار کی عادلانہ بالادستی کو تمام انسانوں میں پھیلانے کا خواہاں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جدائی اور تفرقہ سے روکا ہے اور اس کو اسلام کے مقاصد اور انسان کی سعادت میں حائل جانا ہے۔:

۷۔ وَلاَتَکُونُوا کَالَّذِینَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَائَهُمُ الْبَیِّنَاتُ وَأُوْلَئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیمٌ۔ (آل عمران:۱۰۵)

اور تم کهیں ان لوگوں کے ایسے نه هو جانا جو آپس میں پهوٹ ڈال کے بیٹھ رهے اور روشن دلیلیں آنے کے بعد بهی اور ایسے هی لوگوں کے واسطے بڑا عذاب هے۔

۸۔ إِنَّ الَّذِینَ فَرَّقُوا دِینَهُمْ وَکَانُوا شِیَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِی شَیْءٍ (انعام:۱۵۹)

بے شک جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقه ڈالا اور کئی فریق بن گئے تمهیں ان سے کچھ سروکار نهیں۔

حقیقت میں خدا نے ان آیتوں میں فرمایا ہے: تفرقہ، قوموں میں فساد اور بدبختی کا باعث ہوتا ہے اور تفرقہ پیدا کرنے والوں کا راستہ پیغمبرؐ کے راستے سے الگ ہے۔ اسی لئے دوسری

(۱) روح اللہ موسوی خمینی، صحیفۂ نور، ج ۲۰، (تہران: انتشارات مرکز مدارک فرہنگی اسلامی، ۱۳۶۲) ص ۱۹۔

آیت میں صراط مستقیم کی پیروی کا حکم دیا ہے اور کسی بھی طرح کے نفاق و تفرقہ سے منع کیا ہے:

۹۔ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِی مُسْتَقِیمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلاَتَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِکُمْ عَنْ سَبِیلِهِ (انعام:۱۵۳)

اور یه (بهی سمجھ لو) که یهی میرا سیدها راسته هے تو اسی پر چلے جاؤ اور دوسرے راستوں پر نه چلو که تم کو خدا کے راستے سے (بهٹکا کر) تتر بتر کر دیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کو وحدت، اور نافرمانی کو تفرقہ کا باعث جانا ہے اور ارشاد فرماتا ہے:

۱۰۔ وَأَطِیعُوا اللهَ وَرَسُولَهُ وَلاَتَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ رِیحُکُمْ وَاصْبِرُوا إِنَّ اللهَ مَعَ الصَّابِرِینَ (انفال:۴۶)

اور خدا کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور آپس میں جهگڑا نه کرو (ورنه) تم همت هار دوگے او رتمهاری هوا اکهڑ جائے گی او ر (جنگ کی تکلیف کو) جهیل جاؤ۔ خدا تو یقیناً صبر کرنے والوں کا ساتهی هے۔

پیغمبر اسلامؐ بھی اتحاد کی پابندی اور تفرقے سے پرہیز کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''الْمُومِنُ اَخُ الْمومِنِ کالْجَسَدِ الْواحِد''۔ ایک مومن دوسرے مومن کا بھائی ہے۔ سب ایک جسم کی طرح ہیں۔ مومنین کی روح ایک روح سے پیدا ہوئی ہے۔ ان کو چاہئے ہر جگہ ایک دوسرے کی مدد اور وحدت و اتحاد کی روح کی حفاظت کریں۔

اسی طرح آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

مَنْ اَتَاکُم وَ اَمرُکُم جَمیع عَلیٰ رَجُلٍ وَاحِدٍ یُرِیدَ اَنْ یَشِقُّ عَصَاکُم او یُفرِّ قُ جَمَاعَتُکُم فاقْتُلُوہُ۔

پیغمبر اسلامؐ نے اتحاد کے حصول کے لئے بہت سے عملی اقدامات انجام دیئے:

۱۔نماز سب سے پہلا فریضہ تھا جو اسلام میں واجب ہوا۔"وَاَقیمُوا الْصَّلاۃ" (بقرہ:۴۳) جس کو پیغمبرؐ اسلام نے اللہ کے حکم سے جماعت سے پڑھی۔نماز جماعت، عبادت میں وحدت کا جلوہ ہے۔زید بن ارقم کا مکان مسلمانوں کے اکٹھا ہونے کی جگہ تھی۔مسلمان وہاں قرآن پڑھتے تھے اور پیغمبرؐ کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے۔

۲۔مدینے میں داخل ہونے کے بعد پیغمبرؐ کا سب سے پہلا اقدام مسجد کی تاسیس تھی، جو مسلمانوں کے جمع ہونے اور اجتماعی عبادت کی جگہ بن گئی۔مسجد میں حاضر ہونا مسلمانوں کے اتحاد اور یک جہتی میں بہت مؤثر ہے، کیونکہ مسجد جیسے مقدس وروحانی مقام میں اجتماع یک دلی، اتحاد اور طاقت کا باعث ہوتا ہے۔

۳۔پیغمبر اسلامؐ نے منشور مدینے کے ذریعے، مسلمانوں اور مدینے کے تمام باشندوں (یہود وعیسائی) میں اتحاد پیدا کیا اور اہل مدینہ کے قومی اتحاد کا عث ہوئے، یعنی تمام لوگ چاہے کسی مکتب فکر یا عقیدہ کے ماننے والے ہوں، اپنے مشترکہ امور کے پیش نظر تفرقہ واختلاف سے پرہیز کریں اور دشمنوں کے مقابلے میں مشترکہ محاذ بنائیں۔نیز مہاجر وانصار کے درمیان بھائی چارے کا معاہدہ کر، مسلمانوں کے اتحاد کا باعث ہوئے۔

۴۔پیغمبر اسلامؐ نے حجۃ الوداع میں بھی مسلمانوں کو اتحاد کی دعوت دی:

دمائکم و اموالکم علیکم حرام الیٰ ان تلقوا ربکم کحرمہ یومکم ھٰذا و حرمہ شھر کم ھٰذا۔۔۔۔۔وَ اعقلوا تعلمن ان کل

مسلم اخ المسلم و ان المسلمین اخوہ۔"

تمھارے خون اور مال تم پر حرام ھیں یہاں تک کہ تم قیامت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرو۔اسی طرح اس دن کی حرمت اور اس مھینے کی حرمت۔۔۔سوچو اور جان لو کہ مسلمان ،مسلمان کا بھائی ھے اور سارے مسلمان اس کے بھائی ھیں۔

جیسا کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

فَصَدَعَ بِمَا اِمِرَ بِہِ ،وَ بَلَغَ رِسالاتِ رَبِّہِ ،فَلَمَّ اللہ بِہِ الصَّدعَ،وَ رَتَقَ بِہِ الْفَتَقَ ،وَ الَّفَ بِہِ الشَّملَ بَینَ ذَوِیَ الارحامِ،بَعْدَ الْعَداوَۃِ الوَاغِرَۃِفِی الصُّدورِ وَ الْضَّغائِنَ القادِحَۃِفِی القُلوبِ۔"(۱)

"۔

(۱) نہج البلاغہ،ایضاً،خطبہ ۲۳۱،ص ۴۶۸۔۴۶۹۔

پیغمبر اسلامؐ نے جو کچھ ان کو پہنچایا گیا تھا، اسے آشکار کیا اور اپنے پروردگار کے پیغام کو پہنچایا۔آن حضرتؐ نے سماجی اختلافات کو وحدت اور اصلاح کے ذریعے ختم کیا۔ جن دلوں میں بغض ودشمنی کی بھڑکتی آگ بھری تھی ان میں اتحاد ودوستی قائم کی۔(۱)

''۔

(۱) محمد مہدی باباپور، درآمدی بر سیاست وحکومت در نہج البلاغہ، (قم: انتشارات عصر ظہور، ۱۳۸۰)ص ۱۳۳ سے ۱۵۸ تک۔

مختلف دینوں اور اقوام میں اتحاد

دنیا میں ''واحد حکومت'' کا نظریہ جو کہ اسلام اور پیغمبرؐ کے مقاصد میں سے ایک اہم مقصد تھا اور جس کے لئے آن حضرتؐ نے ہمیشہ اسلام کے پھیلاؤ کی کوشش فرمائی، ہمیشہ (چاہے ماضی میں ہو یا آج کے زمانے میں) انسانوں کی ایک اہم آرزو رہی ہے۔

۱۔اپنہایم () ''بین الاقوامی قوانین کی تاریخ'' میں جب یہودی مذہب تک پہنچتے ہیں تو لکھتے ہیں:

> ''مستقبل دنیا کے بین الاقوامی حقوق کے نقطہ نظر سے سب سے اہم بات، ایک نجات دہندہ کے ظہور کی فکر تھی جو کہ مکمل طور پر عالمی پہلو کا حامل ہے۔اشعیای نبی کی کتاب (دوسری فصل، آیت نمبر ۲۔۳۔۴) میں اس نجات دہندہ کے ظہور کے بعد انسان کی حالت بیان ہوئی ہے۔یہ طرز فکر یہ کہنا چاہتی ہے کہ آخر کار ایک دن ایسا آئے گا جب دنیا کے لوگ امن کے ساتھ ایک دوسرے سے متحد ہوجائیں گے۔یہ فکر یہودیوں سے عیسائیوں تک منتقل ہوئی۔''

۲۔قدیم دور میں دوسرے مذاہب و اقوام جیسے آتش پرست، ہندوستانی، برہمن، ارمانیائی، چینی اور مصری لوگوں میں بھی ایک عالمی نجات دہندہ کے ظہور کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔۔

۳۔مغرب میں بھی عالمی حکومت کا نظریہ مختلف صورتوں میں موجود ہے۔چاہے وہ ایک مہدیؑ کے ظہور کے اعتقاد کی صورت میں ہو (یہاں تک کہ بعض ایسے لوگ بھی سامنے آئے جنھوں نی خود کا مہدی کے طور پر تعارف کرایا ہے) یا فلسفی صورت میں یا شعری آرمان یا عملی سرگرمی اور شاید منظم طریقے کی صورت میں بھی۔چنانچہ قدیم مفکر (پیدایش مسیح سے ۵۳۵ سال قبل) زنو (Zeno) نے کہا ہے: ''لوگوں کو چاہئے کہ ایک دانا، مقتدر اور خطا سے محفوظ مجری (قانون رائج کرنے والے) کے ذریعے نافذ کئے جانے والے واحد قانون کی پیروی کریں۔(۱)

جیسا کہ انگریز فلسفی برٹراندراسل (Bertrand Russell) اس نظریے کی تائید میں کہتا ہے: ''عالمی حکومت کے عملی نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انسان کے پاس عالم، مقتدر اور خطا سے محفوظ رہبر نہیں ہے۔''(۲)

۴۔ بین الاقوامی اور علاقائی اداروں کی حالت جن کو عالمی سماج میں روز افزون رونق حاصل ہوئی ہے، امن نیز عالمی حکومت کے قیام کے امکانات کی خوشخبری ہے۔

۵۔ عالمی حکومت کے نظریہ کی، فاشیسٹ یا فسطائی (Fascist) اور استبدادی حکومتوں کے ذریعے بھی پرزور حمایت کی جاتی ہے۔ ہٹلر جرمن کے خالص نسل کی بنیاد پر ایک عالمی حکومت کی آرزو ذہن میں رکھتا تھا۔ اٹلی کے فاشیسٹ بھی سارے رومیوں کی، چاہے اس ملک کی شہریت رکھتے ہو ں یا نہ رکھتے ہوں، اور دنیا کے کسی بھی علاقے میں ہوں، یکساں طور پر حمایت کرتے تھے۔ کمیونیسٹ پارٹی کی منشور (Manifesto) نے بھی نچلے طبقہ (Proletariat) کے عالمی نظریے کو پیش کیا۔

۶۔ اسلام میں بھی ایک نجات دہندہ ظہور کا اعتقاد موجود ہے، شیعوں کے بارہویں امام کے ظہور کا اعتقاد جو غیبت کبریٰ میں ہیں۔ وہ منجی (نجات دہندہ) جو ظاہر ہو کر ایمان وعدل وانصاف سے بھری ہوئی حکومت بنائیگا۔ عالمی، انسانی اور آسمانی حکومت، جس میں مہدی موعودؑ کے عظیم اور نجات دہندہ انقلاب کے ذریعے، امن پسند، فضیلت خواہ اور ایمان دار انسانوں کی آرزوئیں بر آئیں گی، اور پھر جارحیت، جہل، گناہ اور کفر کا کوئی نشان تک باقی نہیں رہے گا۔ جیسا کہ امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں: ''اس طرح کی فتح وسعادت حضرت مہدیؑ کے ظہور کے زمانے میں نصیب

(۱) فخر الدین حجازی، ایضاً، ص ۲۸۵۔

(۲) ایضاً، ص ۲۸۶۔

ہوگی۔ اور کوئی انسان نہیں بچے گا مگر یہ کہ حضرت محمدؐ کی رسالت کا اقرار کرے گا۔''

لہٰذا عالمی حکومت کا نظریہ کوئی ایسا موضوع نہیں ہے جو صرف اسلام میں پایا جاتا ہو۔ اس آرزو کی بلندی اور بزرگی کے لئے یہی کافی ہے کہ ماضی و حال میں دنیا کے مختلف قوموں، مذاہب، ملل اور مکاتب فکر نے اس کی اتنی حمایت وتائید کی ہے کہ اس کا انسانی سماج سے متعلق آرزو کے طور پر تعارف کرایا جاسکتا ہے۔(۱)

(۱) سید خلیل خلیلیان، ایضاً، ص ۱۱۲۔ ۱۱۳۔

نیا عالمی نظام

انسانی سماج میں رونما ہونے والا تیسرا نظام، نیا عالمی نظام ہے۔ یہ نظام پچھلے دو نظاموں کے بعد وجود میں آ رہا ہے:

۱۔ **روایتی اور شاہی نظام:** انسانوں نے خاندان کو تشکیل دینے، تعلقات کے قیام، اپنے ہم نوعوں کو ایک کرنے کی ضرورت کو محسوس کرنے اور خاندانوں اور قبیلہ کی تشکیل کے بعد، ملک نام کے ایک بڑے معاشرے کی تشکیل کی طرف رخ کیا، جس میں صرف ایک فرد حکومت کرتا تھا اور وہ بادشاہ ہوتا تھا۔ ملک کے تمام قوانین وہی بناتا اور پیش کرتا تھا۔ اس نظام میں، جو نا برابری اور مرکزیت پر مبنی نظام تھا، بادشاہ سوچنے والا سر اور معاشرہ احساس سے عاری بدن شمار ہوتا تھا۔

۲۔ **جمہوری نظام:** بادشاہوں کے ظلم وستم کے باعث سأۃ ثانیہ کے وقت سے ان کے خلاف ایک تحریک شروع ہوئی جو اس نابرابری کے نظام کے خاتمہ کا باعث ہوا۔ نئے نظام میں عوام کے ذریعے اور اسی قوم میں سے منتخب ہوئے انسانوں کا ایک گروہ، عوام کے نمائندوں کی حیثیت سے، حکومت کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے اور حکومت کے نام سے راج کرتا ہے۔ اس کے بعد، یہ حکومتیں ہیں جو ملک کے اندرونی و باہری سیاست کی کھلاڑی شمار ہوتی ہیں، کیونکہ یہی وہ نظام تھا جس میں اندرونی منظرنامہ، باہری منظرنامے سے الگ ہوتا تھا۔ نیا عالمی نظام جو تشکیلی مرحلی میں ہے، ایسا نظام ہے جو سماجی، سیاسی، اقتصادی، تہذیبی، دفاعی، علمی وغیرہ تمام پہلوؤں کو شامل کئے ہوتا ہے۔ ایسا نظام جو:

۱۔ بین الاقوامی منظرنامے پر حکومتوں کے اقتدار کو معتدل کرنے کے سمت میں ہے۔

۲۔ جغرافیائی سرحدوں کی اہمیت گھٹی ہے۔

۳۔ انسان کو سب سے زیادہ اور اہم کردار دیتا ہے۔ پچھلے نظاموں کے برخلاف جس میں

حکومتیں اور بادشاہ اس طرح کا کردار ادا کرتے تھے اور معاشرے کے افراد اور عوام زیادہ اہم نہیں تھے اور زیادہ تر غیر انفعالی کردار ادا کرتے تھے۔

۴۔ مل جل کر زندگی گزارنے کے لئے کوشش کرتا ہے نیز جنگ، تشدد اور دفاعی، نوکلیائی و مائکرو بایولاجیکل ساز وسامان کو محکوم کرتا ہے۔

۵۔ اس نظام میں جمہوری اور عوامی حکومت ہوتی ہے۔

۶۔ ایسے مسائل جو زیادہ تر حکومتوں کے دائرۂ کار میں تھے اور قومی مفہوم کے ڈھانچے میں بیان ہوتے تھے، اس نظام میں مکمل طور پر عالمی پہلو حاصل کرتے ہیں مثلاً قومی مفادات جو انسانی مفادات میں بدل گئے ہیں۔

۷۔ ہر قوم اور ملک کی قومی، مذہبی، نسلی، اور تہذیبی قدروں کا احترام کرتے ہوئے، تمام ملکوں اور قوموں کو ایک دوسرے سے متحد جانا ہے اور انسانی اور عالمی قدروں اور مفادات کو مدنظر رکھتا ہے۔

۸۔ سلامتی (Security) سے وابستہ حکمت عملی کے تعین اور طرز عمل کی تشکیل میں سب سے اہم عامل کی حیثیت سے سماجی اور اقتصادی عناصر، دفاعی اور اسٹراٹجیک عناصر کا نعم البدل ہو جاتے ہیں۔

۹۔ سب سے اہم یہ کہ جس تناسب سے مسائل عالمی صورت پیدا کرتے ہیں، اسی تناسب سے حل اور اس کو نافذ کرنے والے بھی عالمی پہلو حاصل کرتے ہیں۔

۱۰۔ حقیقت میں یہ نظام، Meritocracy اور ہم نوع کی خدمت کے لئے ہے۔(۱)

لیکن ایسا نظام جو عادلانہ ہو اور جس میں تمام ممالک برابری سے اور عادلانہ طور پر شریک

(۱) داریوش اخوان زنجانی، جہانی شدن وسیاست خارجی، (تہران: انتشارات وزارت امور خارجہ، ۱۳۸۱)، ص ۱۹۸۔

ہوں، جہاں دولت مند غریبوں کی مدد کریں اور سارے لوگ اپنے مشترکہ مسائل پر بھروسہ کریں

اور جو اسلام اور اللہ کی وحدانیت کے سائے میں ہو، اس تک پہونچنے کے لئے مسلمانوں کو سخت کوشش کرنا چاہئے تا کہ ہر لحاظ سے ترقی کریں اور ہر طرح سے سب پر برتری اور فوقیت حاصل کریں۔ کیونکہ انسان ایسے شخص کی طرف فطرتاً مائل ہوتا ہے جو علمی، ادبی، اقتصادی، سیاسی، اجتماعی ، مذہبی وغیرہ پہلوؤں میں اس سے برتر ہو۔ اس طرح ہم کو چاہئے کہ تہذیب ساز، مفکر اور دانشور بنیں اور ترقی یافتہ ٹکنالوجی کے ذریعے اللہ کی رضا اور تعلیمات قرآن کی طرف بڑھیں۔ تا کہ کرۂ ارض پر موجود تمام انسانوں سے صرف ایک متحد اور واحد انسانی سماج بنے اور پوری دنیا پر محیط ایسا ملک وجود میں آئے جس کے وسائل سارے کے سارے انسانوں کی صلاحیتوں اور سرگرمیوں اور سبھی خطوں کے تحصیلی قوتوں پر مشتمل ہوں جیسا اسلام چاہتا ہے۔

قرآن نے زمین پر عالمی حکومت کی بشارت دی ہے اور ایسی حکومت کے حاکموں کو خلافت الٰہی کا وارث کہا ہے جو دین خدا کو سارے عالم میں پھیلائیں گے، جنگوں اور بدنظمی کو ختم کریں گے اور انسانیت کو دین وعدل کی نعمت سے بہرہ ور کریں گے۔ انسان کی خلقت کا مقصد اچھے طریقے سے اسی وقت عیاں ہوگا جب انسان صرف خدا کی پرستش کرنے لگے اور اس کی عبادت میں کسی چیز کو شریک قرار نہ دے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلاَّ لِيَعْبُدُونِ (ذاریات:٥٦)

اور میں نے جنوں اور آدمیوں کو اسی غرض سے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

وَعَدَ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ

الْفَاسِقُونَ (نور:٥٥)

(اے ایمان داروں) تم میں سے جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے اچھے کام کئے ان سے خدا نے وعدہ کیا ھے کہ ان کو روئے زمین پر ضرور اپنا نائب مقرر کریگا جس طرح ان لوگوں کو نائب بنایا جو ان سے پہلے گزر چکے ھیں اور جس دین کو اس نے ان کے لئے پسند فرمایا ھے اس پر انھیں ضرور ضرور پوری قدرت دیگا اور ان کے خائف ہونے کے بعد ان کے ہراس کو امن سے بدل دے گا کہ وہ اطمینان سے میری ھی عبادت کریں گے اور کسی کو ھمارا شریک نہ بنائیں گے اور جو شخص اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو ایسے ھی لوگ بدکار ھیں۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (انبیاء:١٠٥)

اور ھم نے تو نصیحت کے بعد یقیناً زبور میں لکھ ھی دیا تھا کہ روئے زمین کے وارث ھمارے نیک بندے ہوں گے۔

اختتامیہ

قدیم زمانے سے آج کے جدید معاشرے تک ہر دور میں بین الاقوامی تعلقات کا وجود ملتا ہے۔ ۱۶۴۸ء میں وسٹفالیا (Westphalia) کے معاہدے کے ذریعے سیاسی ڈھانچہ، سلطنت سے حکومت اور بعد میں بین الاقوامی نظام میں تبدیل ہوگیا۔ ۱۹۴۵ئ میں دو قطبی نظام وجود میں آیا، جس میں دو طاقتیں ایک مشرق اور ایک مغرب میں دنیا پر حکومت کرتی تھیں۔ لیکن روس کے ختم ہونے سے ایک نیا آفاقی نظام یعنی تہذیبوں کے درمیان تعلقات کے وجود میں آنے کا امکان فراہم ہوا۔

وقت کے گذرنے کے ساتھ ساتھ، بین الاقوامی حقوق و تعلقات میں تبدیلی آئی اور زیادہ سے زیادہ اپنے اعلیٰ انسانی مقاصد کی طرف بڑھ رہی ہے۔ چنانچہ عدل وانصاف، برابری، ظلم سے جنگ، تفریق کی نفی اور انسانی حقوق کی حمایت کے اصولوں کی اہمیت روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔

تاریخ کی سمت کو دیکھتے ہوئے، جو بین الاقوامی معاشرے کے عالمی ہونے کی طرف ہے اور جس کے آثار اب تھوڑا بہت ظاہر بھی ہورہے ہیں، یہ کہنا پڑے گا کہ بین الاقوامی تعلقات اور اس کے زیر اثر بین الاقوامی قانون ، ترقی اور عالمی ہونے کی سمت بڑھ رہے ہیں۔ اس طرح کہ انسانی سماج میں تیسرا اور نیا

عالمی نظام وجود میں آرہا ہے۔ ایسے نظام میں تمام سماجی، سیاسی ، اقتصادی، علمی، تہذیبی اور دفاعی پہلو، ایک عالمی صورت اختیار کریں گے۔ نیا عالمی بند وبست حقیقت میں نسلی، قومی اور لسانی تعصّبات سے دور، انسانی ارادے کی بنیاد پر مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنے (Peacefull Co-existence) اور شایستہ سالاری اور عدالت کے نفاذ کے لئے ہے۔ اسلام اسی مفہوم کو ''تقویٰ'' کے نام سے اچھی طرح بیان کرتا ہے۔

لیکن یہ قوانین اور تعلقات صرف کسی ایک ملک یا کسی ایک مذہب سے مخصوص نہیں ہیں۔ بلکہ ہر قوم اور ہر مذہب میں اس طرح کا بیان ملتا ہے۔ خاص کر کے اسلام اور قران میں یہ قوانین مکمل اور ترقی یافتہ طور پر بیان ہوئے ہیں۔ پیغمبر اسلامؐ بھی (بعثت سے قبل یا بعثت سے بعد) ان پر عمل کرتے تھے۔۔ سعادت وکمال تک پہنچنے کے لئے، قرآن میں پیش کئے گئے نمونوں میں ایک نمونہ ''عالمی اتحاد اور یک جہتی'' بھی ہے۔ جیسا کہ بہت سی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اس امر پر زور دیا ہے، کیونکہ اسلام وہ دین ہے جو تمام نوع انسانیت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ لیکن ''عالمی حکومت'' کا نظریہ، ایسی چیز نہیں ہے جو صرف اسلام تک محدود ہو، بلکہ قدیم وجدید مختلف قوموں، دین وملل اور مکاتب فکر میں اس کا بیان ہوا ہے۔ لہٰذا عالمی اتحاد ایک انسانی نمونہ (Ideal) ہے۔ انسانی معاشرے میں جنم لینے والا یہ تیسرا نظام نیا سیاسی نظام (Political System)

ہے، جو مل جل کر امن سے ایک ساتھ رہنے (Peaceful Co-Existence) کی راہ پر ہے اور بین الاقوامی منظر نامے پر سب سے زیادہ اور اہم کردار انسان کو دیتا ہے، وہ انسان جو زمین پر خلیفۂ الٰہی کے منصب کے درپے ہے۔

لہذا ایک نئی، وسیع اور قید مکان و زمان سے آزاد بصیرت کے ذریعے، انسان کی ترقی سے متعلق مسائل کو آیات الٰہی سے مطابقت دے کر اور مختلف قوموں میں ایک دوستانہ اور سچا تعلق قائم کر کے عالمی سماج تک پہنچا جا سکتا ہے —— واحد عالمی سماج۔ چنانچہ امام خمینی انقلاب کے صادر کرنے کی حکمت عملی کے سلسلے میں یہ مانتے ہیں کہ: ''اسلام وہ دین ہے جو تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہے نہ کہ صرف مسلمانوں کے لئے، اور عالمی اسلامی حکومت، اس جامع و مکمل دین کا اہم مقصد ہے۔''